بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا۔ (نساء: ۶۹)

مَاٰثِرُ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَآثَارُ الشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ

ملقب بہ

اَقوالِ سَلَفؒ

حصہ ششم

جس میں بارہویں صدی ہجری کے اولیاء کرام کے احوال واقوال مختصراً ذکر کئے گئے ہیں

مرتبہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

ناشران

مکتبہ دار المعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : مَاٰثِرُ الْاَنْبِيَآءِ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَاٰثَارُ الشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ

ملقب به ''اقوال سلفؒ'' حصہ ششم

مرتب : شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

تعداد صفحات : ۵۹۲ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

سن اشاعت باراول : محرم ۱۴۳۸ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۶ء

باہتمام : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تصحیح وکتابت : مولوی محمد عبید اللہ قمر الزمان ندوی ومولوی فیروز عالم قاسمی

ناشر : مکتبہ دارالمعارف الہ آباد۔ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

☆ مکتبہ دارالمعارف الہ آباد، بی/۹ ۶۳ وصی آباد، الہ آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

☆ ......مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆ ......مکتبہ رحمانیہ، دارالعلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆ قاضی بکڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆ ......کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ☆ مکتبہ البلاغ دیوبند

☆ ......مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند ☆ مکتبہ نفیس، جعفر نگر نزد مسجد محمدؐ، مالیگاؤں، ناسک

☆ ......الفرقان بکڈپو، ۳۱/۱۱۴ نظیر آباد، لکھنؤ ☆ مکتبہ الغزالی، مدینہ چوک، سرینگر، کشمیر، ۱۹۰۰۰۱

فہرست

مَاٰثِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ اٰثَارُ الشُّھَدَآءِ وَ الصَّالِحِیْنَ

ملقب بہ اقوال سلفؒ حصہ ششم

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ نمبر
ا	عرض ناشر: از محمد عبد اللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی	۹
ب	مقدمہ: از مرتب عفی عنہ	۱۲
ج	مکتوب گرامی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ	۳۹
د	مکتوب گرامی: حضرت مولانا حکیم عبد الرشید صاحب گنگوہیؒ	۴۰
ہ	مکتوب گرامی: حضرت قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ	۴۱
و	تأثر: حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ مفتی دار العلوم دیوبند	۴۳
ز	تأثر: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بستویؒ	۴۴
ح	تبصرہ: حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم	۴۶
ط	تأثر: حضرت مولانا یعقوب صاحب سارودی دامت برکاتہم	۴۸
ی	تقریظ: مولانا اقبال محمد صاحب ٹنکاروی حفظہ اللہ	۵۱

اولیاء مقربین وعلماء ربانیین بارھویں صدی ہجری

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۱	حضرت شاہ ابوالرضاء محمد دہلویؒ	سنہ ۱۱۰۱ھ	۶۰
۲	حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ	سنہ ۱۱۳۱ھ	۶۸
۳	حضرت حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ	سنہ ۱۱۷۶ھ	۹۱
۴	حضرت مفسر کبیر شیخ یحییٰ احمد آبادیؒ	سنہ ۱۱۰۱ھ	۱۴۳
۵	حضرت مولانا قطب الدین شہید سہالوی بارہ بنکویؒ	سنہ ۱۱۰۳ھ	۱۴۸
۶	حضرت شیخ محمد سعید انبالویؒ	سنہ ۱۱۰۳ھ	۱۵۳
۷	حضرت سید جلال حمید عالم بخاری گجراتیؒ	سنہ ۱۱۰۴ھ	۱۵۵
۸	حضرت سید شاہ محمود قادری بالاپوریؒ	سنہ ۱۱۰۵ کے بعد	۱۵۷
۹	حضرت شاہ محمدی فیاضؒ آگرہ	سنہ ۱۱۰۷ھ	۱۶۱
۱۰	حضرت سید جعفر مجید عالم بخاری گجراتیؒ	سنہ ۱۱۰۹ھ	۱۶۵
۱۱	حضرت قاضی مرزا محمد زاہد افغانستانؒ	سنہ ۱۱۱۱ھ	۱۶۶
۱۲	حضرت سید محمد محبوب عالم بخاری گجراتیؒ	سنہ ۱۱۱۱ھ	۱۷۱
۱۳	حضرت بدر الحق شیخ محمد ارشد جونپوریؒ	سنہ ۱۱۱۳ھ	۱۷۳
۱۴	حضرت شیخ عبدالجلیل الہ آبادی	سنہ ۱۱۱۴ھ	۱۷۷
۱۵	حضرت خواجہ محمد نقشبند سرہندیؒ	سنہ ۱۱۱۵ھ	۱۸۲
۱۶	حضرت شیخ رکن الدین بزرگ چشتی احمد آبادیؒ	سنہ ۱۱۱۵ھ	۱۸۴
۱۷	حضرت سید آیت اللہ رائے بریلویؒ	سنہ ۱۱۱۶ھ	۱۸۷
۱۸	حضرت شاہ یتیم پرہیزی حیدرآبادیؒ	سنہ ۱۱۱۷ھ	۱۹۱
۱۹	حضرت مولانا سید عنایت اللہ بالاپوریؒ	سنہ ۱۱۱۷ھ	۱۹۳

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۲۰	حضرت مولانا سید محب اللہ بالا پوریؒ	سنہ ۱۱۱۹ھ	۲۰۲
۲۱	حضرت مولانا سید مبین اللہ بالا پوریؒ	سنہ ۱۱۵۸ھ	۲۰۵
۲۲	حضرت مولانا سید منیب اللہ بالا پوریؒ	سنہ ۱۱۶۱ھ	۲۰۸
۲۳	حضرت مولانا سید ظہیر الدین بالا پوریؒ	سنہ ۱۱۴۱ھ	۲۱۳
۲۴	حضرت مولانا سید امام الدین بالا پوریؒ	سنہ ۱۱۶۵ھ	۲۱۸
۲۵	حضرت مولانا سید مجد الدین نقشبندی بالا پوریؒ	سنہ ۱۱۹۸ھ	۲۲۱
۲۶	حضرت مولانا سید قمر الدین بالا پوریؒ	سنہ ۱۱۹۳ھ	۲۲۴
۲۷	حضرت خواجہ وفا اورنگ آبادیؒ	سنہ ۱۱۱۸ھ	۲۲۸
۲۸	حضرت سید شاہ محمد ہدی رائے بریلویؒ	سنہ ۱۱۱۹ھ	۲۳۰
۲۹	حضرت ولی احمد آبادیؒ	سنہ ۱۱۱۹ھ	۲۳۸
۳۰	حضرت قاضی ملا محب اللہ بہاریؒ	سنہ ۱۱۱۹ھ	۲۴۳
۳۱	حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ سرہندیؒ	سنہ ۱۱۲۰ھ	۲۴۵
۳۲	حضرت شاہ احمد میران جی گجراتی ثم بیجا پوریؒ	سنہ ۱۱۲۲ھ	۲۴۷
۳۳	حضرت ملا محمد جمیل جونپوریؒ	سنہ ۱۱۲۳ھ	۲۴۹
۳۴	حضرت شیخ جلال الدین عرف جمن احمد آبادیؒ	سنہ ۱۱۲۴ھ	۲۵۳
۳۵	حضرت سید عبد اللطیف قادری بیجا پوریؒ	سنہ ۱۱۲۴ھ	۲۵۵
۳۶	حضرت سید نور محمد بدایونیؒ	سنہ ۱۱۲۵ھ	۲۵۷
۳۷	حضرت مولانا شیخ غلام نقشبند گھوسوی ثم لکھنویؒ	سنہ ۱۱۲۶ھ	۲۶۶
۳۸	حضرت شیخ عبد الاحد سرہندیؒ	سنہ ۱۱۲۶ھ	۲۷۹

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۳۹	حضرت ملا محمد حفیظ جون پوریؒ	سنہ ۱۱۲۸ھ	۲۸۵
۴۰	حضرت شیخ احمد عرف ملا جیون امیٹھویؒ	سنہ ۱۱۳۰ھ	۲۸۷
۴۱	حضرت شیخ محمد صدیق سرہندیؒ	سنہ ۱۱۳۰ھ	۲۹۶
۴۲	حضرت مولانا حافظ امان اللہ بنارسیؒ	سنہ ۱۱۳۳ھ	۲۹۸
۴۳	حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ (دہلوی)	سنہ ۱۱۴۲ھ	۳۰۶
۴۴	حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ	سنہ ۱۱۴۲ھ	۳۲۳
۴۵	حضرت شاہ محمد افضل الہ آبادیؒ	سنہ ۱۱۴۲ھ	۳۳۲
۴۶	حضرت شیخ فتح محمد سید انوی الہ آبادیؒ	سنہ ۱۱۴۳ھ	۳۳۷
۴۷	حضرت شیخ خوب اللہ الہ آبادیؒ	سنہ ۱۱۴۴ھ	۳۳۹
۴۸	حضرت شیخ ابوطاہر کردیؒ	سنہ ۱۱۴۵ھ	۳۴۴
۴۹	حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹیؒ	سنہ ۱۱۴۶ھ	۳۵۱
۵۰	حضرت شیخ محمد صالح احمد آبادیؒ	سنہ ۱۱۴۷ھ	۳۵۴
۵۱	حضرت سید محمد نور رائے بریلویؒ	سنہ ۱۱۴۸ھ	۳۵۶
۵۲	حضرت سید محمد حکم رائے بریلویؒ	سنہ ۱۱۵۰ھ	۳۵۹
۵۳	حضرت روح الامین خانؒ کرنال	سنہ ۱۱۵۱ھ	۳۶۱
۵۴	حضرت شاہ شیخن صاحب اورنگ آبادیؒ	سنہ ۱۱۵۱ھ	۳۶۳
۵۵	حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ	سنہ ۱۱۵۱ھ	۳۶۵
۵۶	حضرت شیخ حافظ سعد اللہ دہلویؒ	سنہ ۱۱۵۲ھ	۳۶۸
۵۷	حضرت شاہ علی اکبر پشاوری برہانپوریؒ	سنہ ۱۱۵۲ھ	۳۷۳

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۵۸	حضرت مخدوم العالم مولانا شیخ نور الدین احمد آبادیؒ	سنہ ۱۱۵۵ھ	۳۷۵
۵۹	حضرت قاضی عزیز الدین محمد عباسی بیجاپوریؒ	سنہ ۱۱۵۵ھ	۳۷۸
۶۰	حضرت سید محمد بن سید علم اللہ رائے بریلویؒ	سنہ ۱۱۵۶ھ	۳۸۰
۶۱	حضرت عبد القادر ثانی حیدر آبادیؒ	سنہ ۱۱۵۹ھ	۳۹۱
۶۲	حضرت شیخ محمد عابد سنامیؒ	سنہ ۱۱۶۰ھ	۳۹۳
۶۳	حضرت علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ لکھنؤ	سنہ ۱۱۶۱ھ	۳۹۷
۶۴	حضرت شیخ شمس الدین حیدر آبادیؒ	سنہ ۱۱۶۱ھ	۴۰۳
۶۵	حضرت سید محمد صابر رائے بریلویؒ	سنہ ۱۱۶۳ھ	۴۰۵
۶۶	حضرت سید قطب عالم بن سید میران بخاریؒ	سنہ ۱۱۶۳ھ	۴۰۹
۶۷	حضرت پیر محمد شاہ احمد آبادیؒ	سنہ ۱۱۶۳ھ	۴۱۱
۶۸	حضرت شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی	سنہ ۱۱۶۴ھ	۴۱۴
۶۹	حضرت مولانا شاہ محمد وارث ''رسول نما'' بنارسیؒ	سنہ ۱۱۶۶ھ	۴۱۷
۷۰	حضرت شاہ شریف چشتی نظامی اورنگ آبادیؒ	سنہ ۱۱۶۸ھ	۴۲۱
۷۱	حضرت شیخ غوث حسینی کڑہ مانک پوریؒ	سنہ ۱۱۷۰ھ	۴۲۵
۷۲	حضرت یاسین غریب نوازؒ نندوربار	سنہ ۱۱۷۱ھ	۴۲۷
۷۳	حضرت سید محی الدین محمد عرف قادر بادشاہ حیدر آبادیؒ	سنہ ۱۱۷۱ھ	۴۲۹
۷۴	حضرت قاضی عبد النبی احمد آبادیؒ	سنہ ۱۱۷۳ھ	۴۳۱
۷۵	حضرت سید شاہ ابراہیم بیجاپوریؒ	سنہ ۱۱۷۷ھ	۴۳۴
۷۶	حضرت مولانا شاہ ابو الغوث گرم دیوان بھیروی مئویؒ	سنہ ۱۱۷۸ھ	۴۳۷
۷۷	حضرت خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی کشمیری ثم دہلویؒ	سنہ ۱۱۸۰ھ	۴۴۴

نمبر شمار	فہرست عنوانات	سنہ وفات	صفحہ نمبر
۷۸	حضرت شیخ غلام یحییٰ بہاریؒ	سنہ ۱۱۸۰ھ	۴۷۸
۷۹	حضرت شاہ ظہور اللہ صاحب حیدر آبادیؒ	سنہ ۱۱۸۶ھ	۴۸۳
۸۰	حضرت شاہ اہل اللہ دہلویؒ	سنہ ۱۱۸۷ھ	۴۸۵
۸۱	حضرت مولانا نور اللہ بڈھانویؒ	سنہ ۱۱۸۷ھ	۴۸۹
۸۲	حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ	سنہ ۱۱۸۷ھ	۴۹۲
۸۳	حضرت مولانا قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ	سنہ ۱۱۹۱ھ	۴۹۵
۸۴	حضرت سید شاہ محمد عدل رائے بریلویؒ	سنہ ۱۱۹۲ھ	۵۰۳
۸۵	حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ	سنہ ۱۱۹۳ھ	۵۱۳
۸۶	حضرت شاہ مرزا مظہر جانجاناں دہلویؒ	سنہ ۱۱۹۵ھ	۵۱۹
۸۷	حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ	سنہ ۱۱۹۹ھ	۵۳۷
۸۸	حضرت مولانا ثناء اللہ سنبھلیؒ	سنہ ۱۱۹۹ھ	۵۴۷

تذکرہ سلاطین ہند

۸۹	محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اولؒ	سنہ ۱۱۲۴ھ	۵۵۳
۹۰	معز الدین جہاندار شاہ ابن معظم بہادر شاہ	سنہ ۱۱۲۵ھ	۵۵۴
۹۱	ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۶۱ھ	۵۵۶
۹۲	جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی	سنہ ۱۲۲۱ھ	۵۵۸
۹۳	معین الدین اکبر شاہ ثانی	سنہ ۱۲۵۳ھ	۵۶۰
۹۴	شاہزادہ فیروز شاہ	سنہ ۱۳۱۳ھ	۵۶۲
۹۵	ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر	سنہ ۱۲۷۹ھ	۵۶۷
	امت کے ہر فرد کے لئے ضروری اعمال		۵۸۶
	مصادو مراجع		۵۸۹

باسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمدللہ مکتبہ دارالمعارف الہ آباد نامساعد حالات کے باوجود اپنے مقاصد کی طرف روز بروز گامزن ہے اور لوگوں کی صلاح وفلاح کی خاطر بیش قیمت انمول کتابوں کا تحفہ پیش کرتا رہتا ہے، چنانچہ ماضی میں سیر واحادیث وتصوف اور مواعظ وغیرہ سے متعلق متعدد کتب قارئین کے سامنے پیش کرکے داد تحسین حاصل کر چکا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے تمام جلدوں میں قارئین نے پڑھا ہوگا، چنانچہ اس جلد میں بھی متعدد اہل علم کے تأثرات وتقریظات ثبت ہیں، مثلاً حضرت مفتی محمودالحسن صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد رابع حسنی صاحب ندوی دامت برکاتہم، حضرت مولانا یعقوب صاحب سارودی گجراتی زیدلطفہ وغیرہم۔

زیرنظر کتاب ''اقوال سلف حصہ ششم'' مع اضافات جدیدہ ومفیدہ ہے۔ قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ تیسرا حصہ قدیم گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے بزرگوں کے حالات وغیرہ پر مشتمل تھا، جن میں سے گیارہویں صدی ہجری کے بزرگوں کے حالات وارشادات وتعلیمات اور علمی واصلاحی کارنامے مع اضافات حصہ پنجم میں پیش کئے جاچکے ہیں۔ نیز ان اصحاب دعوت وعزیمت کے تذکرے بھی شامل ہیں جو گوشۂ گمنامی میں تھے۔ اسی طرح اس حصہ ششم میں بھی بارہویں صدی ہجری کے بزرگوں کے حالات مع اضافات پیش کئے جارہے ہیں۔ انشاءاللہ حصہ ہفتم میں بھی تیسری جلد کے بزرگوں پر ہی

مشتمل ہوگی، نیز کچھ اضافے بھی ہوں گے۔

یہ حال زار عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ادھر یہ کتاب جمع وترتیب اور کمپوزنگ کے آخری مرحلہ میں تھی، افسوس کہ اسی اثناء میں والدہ محترمہ اور برادر مکرم مولانا مقبول احمد صاحب قاسمی مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے جن کے علاج ومعالجہ میں ہم سب سہارا اسپتال وپی جی آئی اسپتال لکھنؤ میں مشغول تھے، اور مولوی محمد عبید اللہ سلمہ خون دینے کے لئے اساتذہ وطلبہ وغیرہ کو الہ آباد سے بھیجتے رہے، (اس لئے کہ اس مرض کینسر میں اس کی بار بار ضرورت پیش آتی ہے) نیز مولانا مقبول احمد صاحب کی اہلیہ بھابھی صاحبہ، محمد اشرف، محمد انور، محمد اکرم واحمد سلمہم اللہ اور خاص طور سے ان کی صاحبزادیاں زہرہ، وردہ سلمہما مستقل ان کی خدمت میں لگی رہیں، فاطمہ سلمہا جب تک تھی خدمت کرتی رہی اس کے بعد اپنے شوہر عزیزم محمد سعد سلمہ کے ساتھ حج کے لئے چلی گئی، چنانچہ وہ اسی سفر مبارک پر تھی کہ مولانا مقبول احمد صاحب کی وفات ہوگئی جس سے وہ بہت حزین وغمگین ہوئی، مگر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت وجنت کرتی رہی۔ نیز مولانا محبوب احمد صاحب ندوی اپنے بھائی کو دیکھنے بار بار اسپتال آتے جاتے رہے، اور برادر مکرم مولانا سعید احمد صاحب اور مولانا عزیز احمد صاحب فون سے ہر روز متعدد بار خیریت معلوم کرتے رہتے تھے اور تسلی دیتے رہتے تھے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

بہر حال علاج وتیمارداری میں جس سے جو ہوا انجام دیا، خاص طور سے ہمارے مدرسے کے اساتذہ وطلبہ خصوصا مولانا مقصود احمد صاحب نے بھائی صاحب کی خوب ہی خوب خدمت انجام دی۔ اسی طرح والدہ ماجدہ کی تیمارداری

وخدمت میں سب نے بہت ہی خلوص کا ثبوت دیا۔

مزید یہ کہ مکرم بھائی محمود کمال صاحب، ڈاکٹر توصیف عرف پپو وغیرہ بھی برابر خدمت میں لگے رہے۔ چنانچہ والد محترم بھی ان تمام حضرات سے بیحد متاثر ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان سب نے ہماری خدمت کی۔ فجز اہم اللہ تعالیٰ

لیکن ان دونوں حضرات کی عمر پوری ہوچکی تھی، چنانچہ ۹/رجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷/اپریل ۲۰۱۶ء کو''ریلیف ہاسپیٹل''لکھنؤ میں والدہ صاحبہ کا سایہ دائمی طور سے ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہونچ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اسی طرح ۱۴/ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ ۱۷/ستمبر ۲۰۱۶ء کو مولانا مقبول احمد صاحب بھی پی جی آئی ہاسپیٹل لکھنؤ میں دار فانی سے دار آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دونوں حضرات کی تدفین قبرستان کالا ڈانڈا الہ آباد میں ہوئی۔ نور اللہ مرقدہما

اخیر میں عرض ہے کہ مشفقی المکرم حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کے لئے دعاء صحت کرتے رہیں تاکہ مختلف علوم وفنون کی جامع ومحقق کتابوں کے پہونچانے کا سنہرا سلسلہ قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کتابوں کو امت کے عوام وخواص سب کے لئے نافع ومفید بنائے۔ آمین

محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

۲۲/محرم ۱۴۳۸ھ

۲۴/اکتوبر ۲۰۱۶ء

مُقَدِّمَہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئآت اعمالنا، من یھدہ اللہ فلامضل لہ، ومن یضلل فلاھادی لہ، واشھدان لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ، واشھد ان اسوتنا وامامنا وقدوتنا وشفیعنا محمدا عبدہ ورسولہ، بعثہ اللہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون، فبلغ الرسالۃ، واتم بہ اللہ النعمۃ فرضی لنا الاسلام دیناً۔

یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ [آل عمران]

یَاَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَخَلَقَ مِنْھَازَوْجَھَاوَبَثَّ مِنْھُمَارِجَالًا کَثِیْرًاوَّنِسَآءً وَّاتَّقُوااللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ [النسائ]

یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۔ یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا [الاحزاب]

اما بعد! الحمدللہ کہ یہ اقوال سلف کا حصہ ششم ناظرین کرام کے پیش نظر ہے۔ جس میں بارھویں صدی ہجری مطابق اٹھارہویں صدی عیسوی کے علماء ومشائخ کے اقوال واحوال پیش کئے جارہے ہیں۔ جب کہ یہ صدی گوناگوں

بدترین سیاسی وسماجی حالات سے دوچار تھی۔

تاہم ہمارے علماء ومشائخ نے نہایت حکمت وبصیرت سے کام لے کر امت کی اصلاح وتربیت کی خدمت انجام دی، جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں ناظرین کرام پڑھیں گے۔

قبل ازیں کہ ہم مشائخ کے ارشادات وخدمات وہدایات کو لکھیں۔ ہم اس صدی کے بدترین حالات کا خاکہ مشائخ چشت حصہ پنجم مؤلفہ مکرم خلیق احمد نظامی کے مقدمہ مذکورہ سے اہم اقتباسات نقل کرتے ہیں تاکہ اپنے علمائے کرام ومشائخ عظام کی خدمات علمیہ وعملیہ کو پڑھ کران کے شکر گذار رہوں۔

چنانچہ پروفیسر خلیق احمد نظامی یوں رقمطراز ہیں:

سلطنت مغلیہ عالمگیر کے بعد: ۲۸/ ذوقعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۳/ مارچ ۱۷۰۷ء کو اورنگ زیبؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ تقریباً نصف صدی تک وہ ہندوستان کے سیاسی حالات کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا، اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوگیا تھا، آخری وقت میں اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ وہ صلح اورخوش دلی کے ساتھ سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کرلیں، یہ وصیت حالات کے گہرے مطالعے اور اپنے بیٹوں کی صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی، عالمگیر کی دوربیں نگاہوں نے ان طاقتوں کو ابھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جن کا استیصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا، لیکن اس کے تنگ نظر اور خودغرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف توجہ نہ کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہوکر مخالف قوتوں کو دبانے میں صرف کی جاسکتی تھی، آپس میں لڑکر ختم ہوگئی۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۲)

سیاسی نظام کی ابتری: ۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء تک اگر ایک طرف جنگ تخت نشینی نے سیاسی نظام کو متزلزل رکھا، تو دوسری طرف بادشاہوں کی کوتاہ اندیشی، عیش پرستی اور بے عملی نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا، ملک کے گوشہ گوشہ میں باغیانہ قوتیں کام کرنے لگیں اور ہر طرف لوٹ مار، قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ ان حالات میں کچھ بوریہ نشینوں نے بادشاہ کو اس کے گہوارۂ عشرت میں بیدار کرنے کی کوشش کی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بادشاہ، وزراء اور امراء کے نام اس کلمات کا ایک اعلان جاری کیا۔

آنکہ بادشاہ اسلام و امراء کبار بہ عیش حرام مشغول نشوند، از گذشتہ توبہ نصوح بجا آرند وآئندہ اجتناب نمایند۔	یہ کہ بادشاہ اسلام اور امراء عظام ناجائز عیش وعشرت میں مشغول نہ ہوں، گذشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں۔

شاہ فخر الدین دہلویؒ نے بادشاہ کو ہدایت کی۔

پس اول مقدم ایں است کہ آں صاحب بذات خود مستعد محنت کشی و ملک گیری شوند۔	سب سے مقدم یہ ہے کہ جناب والا بذات خود خاص محنت کشی اور ملک گیری پر کمر باندھیں۔

لیکن ''مے و رامش و رنگ و بو'' (شراب اور عیش وعشرت) کی اس دنیا میں مدرسوں اور خانقاہوں کی یہ آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ نتیجہ ظاہر تھا، زوال وانحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی۔ مرکزی حکومت کا ڈھانچہ بے جان ہو کر گرنے لگا، صوبائی گورنروں، جاگیرداروں امراء اور حکام نے سیاسی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر اپنی

طاقت بڑھانی شروع کر دی اور وہ سلطنت مغلیہ جس کا اقتدار کبھی کشمیر سے دکن اور بنگال سے کابل وقندھار تک تسلیم کیا جاتا تھا، سمٹ کر قلعہ معلیٰ کی چہار دیواری میں آ گئی۔

فرمانرواؤں کی غفلت اور عیش پسندی سے سب سے پہلے امراء نے فائدہ اٹھایا، اور مقاصد کے حصول کے لئے بیرونی طاقتوں سے ساز باز شروع کر دیا، اس طرح سماج اور سیاست کا ہر ہر گوشہ ان کی شاطرانہ چالوں سے متأثر ہونے لگا، نفاق اور گروہ بندی کی مسموم اثرات محلات سے نکل کر جھونپڑوں تک پہنچتے تھے، اور سماجی زندگی کی تلخیوں میں اضافہ کرتے تھے۔ دربار میں دو مستقل پارٹیاں (ایرانی اور تورانی) تھیں۔ ہندوستان کی سیاست ان ہی دو پارٹیوں کے گرد گھومتی تھی۔ تاریخ احمد شاہی کے مصنف نے ان حالات میں لکھا تھا۔

یہ تمام فتنہ، فساد، ایرانی اور تورانی امراء کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ ہے، سیاسی حالات کا اتار چڑھاؤ ان ہی امراء کی ابروئے چشم کے تابع تھا۔ سر جادو ناتھ سرکار کا خیال ہے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری دور کی تاریخ صرف ان ہی دو پارٹیوں کی نبرد آزمائی کا نام ہے۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۴)

سلاطین وامرائے: مرکز کو کمزور پا کر صوبائی حکومتوں کا خود مختاری کی طرف ہو جانا ناگزیر تھا۔ چنانچہ سعادت علی خان نے اودھ میں، علی وردی خان نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ کا سیاسی اقتدار اور اقتصادی ذرائع ختم ہو گئے۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۵)

سیاسی انتشار، اخلاقی زبوں حالی اور معاشی بحران کے اس دور میں ایک بیرونی طاقت نے اپنے پنجے جمانے شروع کئے اور رفتہ رفتہ پورے ملک پر قبضہ

کرلیا، اس غیر ملکی (انگریز) تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ کوششیں بھی کی گئیں، لیکن اس بیرونی طاقت کے پیچھے یورپ کا صنعتی انقلاب تھا، اور شہنشاہیت کا بے پناہ خمار، یہ کوششیں فوری طور پر بارآور نہ ہوسکیں اور کچھ عرصہ کے لئے ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔

جن مشائخ کے حالات یہاں پیش کئے جارہے ہیں وہ اسی ماحول میں پیدا ہوئے تھے، اور ان ہی حالات کے گردوپیش میں ان کو کام کرنا پڑا تھا۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اس دور کی بعض اہم سیاسی تحریکوں کا جائزہ لے کر ہم آگے بڑھیں۔

سکھ: پندھرویں صدی کے مذہبی رہنماؤں میں گرونانک کی شخصیت خاص اہمیت رکھتی ہے، وہ بڑی سیاسی مشرب انسان تھے، وحدانیت، اخلاقی زندگی اور سماجی مساوات پر ان کا ایمان تھا۔ مسلمان بزرگوں اور صوفیوں سے کافی متأثر ہوئے تھے، پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے سجادہ نشینوں کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور نے لکھا ہے۔

''بابا نانک انسانی دل کو سیاسی آزادی نہیں بلکہ روحانی آزادی دلانا چاہتے تھے، ان کا مقصد تھا کہ ان کے سپرد خود غرضی مذہبی تعصب اور روحانی جمود سے آزاد ہوں۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/٦)

ف: مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھیؒ نے تحقیق سے یہ بات لکھی ہے کہ گرونانک پکے مسلمان ہوگئے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی کتاب ''حیات گرونانک جی اور اسلام'' کو پڑھا جائے تو حقیقت عیاں ہوجائے گی۔ (مرتب)

اورنگ زیب نے جب ان کے سیاسی اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور

سلطنت مغلیہ سے ان کی دشمنی کا پورا یقین ہو گیا تو ان کے استیصال کی کوششیں شروع کر دیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اجتماعی وحدت کا خاتمہ ہو گیا۔ نہ ان کا ایک مرکز رہا، نہ ایک رہنما۔ ان کی طاقت منتشر ہو گئی، سر جادو ناتھ سرکار کا خیال ہے کہ اگر اورنگ زیبؒ کے جانشین لائق ہوتے تو سکھوں کا بھی وہی حشر ہوتا جو دہنو کی وانک اور تانیتہ ٹوپے کا برطانوی عہد میں ہوا تھا۔ اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں نے ان کے حوصلے اور بڑھا دیئے اور ان کی چیرہ دستیاں اس حد تک پہنچ گئیں کہ

''زنہائے حاملہ راشکم دریدہ وجنین راکشیدہ می کشتند''

باندا کے مظالم سے تمام شمالی ہندوستان گھبرا اٹھا۔ ۱۷۱۰ء میں جب سرہند پر سکھوں کا حملہ ہوا تو بہت سے مسلمانوں نے ہندوؤں کے گھروں میں بھیس بدل کر پناہ لی۔ ان کے مظالم زندوں تک محدود نہ رہے۔ شاہ قمیص قادری کا مزار خود ان کی اولاد سے جبراً کھدوایا گیا۔ عورتیں سکھوں کے ڈر سے کنوؤں میں ڈوب کر مر گئیں۔ بعض لوگوں نے قتل وغارت گری کے اس ہنگامہ میں اپنے نام تک بدل دیئے۔

اس کے بعد مکرم خلیق احمد نظامی صاحب نے مرہٹوں، جاٹوں اور روہیلوں کے حالات کو ارقام فرمایا ہے بغرض اختصار ہم ان کو حذف کرتے ہیں۔ اسی طرح دیگر مضامین کو بھی ہم حذف کریں گے اگرچہ بہت ہی بصیرت افروز ہیں۔ جن حضرات کو علم وبصیرت مطلوب ہو اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ (مرتب)

بیرونی حملے: اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان پر متعدد بیرونی حملے ہوئے۔ ان حملوں نے ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات کو بدتر کر دیا اور باغیانہ قوتیں ہر طرف ابھر آئیں۔

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ شمالی ہند کے باشندوں کو عموماً اور دہلی کے باشندوں کو خصوصاً جن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اس کا اندازہ اس زمانہ کے لٹریچر سے کیا جا سکتا ہے، لوگوں میں خوف وہراس، قنوطیت اور پست ہمتی کا یہ حال ہو گیا کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہو گئے، مغلوں کے خلاف ملک میں جتنی طاقتیں تھیں ان کو اپنی قوت اور ذرائع بڑھانے کا موقع مل گیا، سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ شاہجہاں اور اورنگ زیب کی دلی پر حملے شروع کر دیئے۔ شاہان مغلیہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔ بے حساب دولت ہندوستان سے باہر چلی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ اقتصادی طمانیت ختم ہو گئی۔ اور بقول شاکر خاں اس حملے کے بعد ہیچ رونق در سلطنت نماند۔

پھر ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر نو حملے کئے۔ ان حملوں کی تفصیل ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات'' میں بیان کی گئی ہے۔ اس کا چھٹا حملہ ۱۷۶۰ء میں ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے ہندوستان کی سیاست کا رخ بدل دیا اور مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو ختم کر دیا۔ لیکن ان حملوں نے عام لوگوں کے مصائب میں اضافہ کر دیا۔ ابدالیوں کی لوٹ مار کا ذکر میرؔ نے خاصی تفصیل سے کیا۔ اور لکھا ہے کہ ان کی ظالمانہ غارت گری اور تباہ کاری نے محلے کے محلے ویران کر دیئے۔ بقول قائم چاند پوری ؎

نہ فقیروں کی چھوڑتے تھے کلاہ　　نہ امیروں کا جامۂ زربفت

مجموعی طور پر اگر اٹھارہویں صدی عیسوی بارہویں صدی ہجری کے ان حملوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے ملک کی سیاسی اور سماجی فضا کو

اس درجہ خراب اور ہندوستانیوں کو اس قدر پست ہمت کر دیا کہ جب یہاں برطانوی سامراج کا سیلاب امنڈنا شروع ہوا تو ملک کے کسی گوشے میں بھی اس کے خلاف مضبوط بند نہ باندھے جا سکے۔(مشائخ چشت: ج۵ ص۱۷)

اس سیاسی ماحول میں مسلمانوں کی حالت: اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ مسلمانوں کے درد والم کی ایک طویل داستان ہے۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا، اور مسلمانوں کی پریشانیوں کا ایک ایسا باب کھول گیا جو ۱۸۵۷ء کے بعد تک جاری رہا۔ ہر صبح ان کے لئے ایک نئے فتنے کا پیغام لاتی تھی اور ہر رات کی خاموشی میں انھیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ؂

کان نجوما او مضت فی الغیاھب　　عیون الافاعی او رؤس العقارب

ترجمہ: تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناگوں کی آنکھیں ہیں یا بچھوؤں کے سر ہیں۔

ان حالات میں صبر واستقلال کا قائم رکھنا آسان کام نہ تھا، جب نادر شاہ نے آگ اور خون کا ہنگامہ برپا کیا تو دہلی کے وہ باشندے جنھوں نے شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں امن اور چین کے ساتھ زندگی بسر کی تھی بدحواس ہو گئے۔ مایوسی، وحشت، کم ہمتی اور خودفراموشی نے ان کے قوائے عمل ایسا شل کر دیا کہ خودکشی کے علاوہ انھیں کوئی راہ ہی نظر نہ آئی۔ اور انھوں نے آگ میں جل مرنے کا فیصلہ کیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے جب قوم کی پستی کا یہ عالم دیکھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور مصائب کے واقعات بیان کر کے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان کی قنوطیت کو دور کیا۔ لیکن نادر شاہ کا قتل عام مسلمانوں کے مصائب کی انتہاء نہ تھی، ابتداء تھی، ابھی موج

خون سر سے نہ گذری تھی نادر شاہ کے حملہ کے بعد تو ملک میں وہ ابتری اور انتشار پیدا ہوگیا کہ بقول ہرچرن داس لوگوں پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔

مرہٹے، جاٹ، سکھ تینوں کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک مصیبت بنا دیا۔ پھر افغانوں کے حملوں نے تو جان ہی نکال لی۔ شاہ ولی اللہؒ نے کرب و بے چینی کے عالم میں نجیب الدولہ کو خط لکھا۔

مقدمہ مہم تر آں است کہ مسلمانان ہندوستان چہ دہلی وچہ غیر آں چندیں صدمات دیدہ اند وچند بار نہب وغارت آزمودہ، کارد بہ استخواں رسیدہ است، جائے ترحم است برائے خدا و برائے رسول خدا تاکید بلیغ باید کرد کہ معترض مال مسلمانے نشود۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانان ہندوستان نے خواہ وہ دہلی کے ہوں یا اس کے علاوہ کسی اور جگہ کے بہت صدمات دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں۔ چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے، رحم کا مقام ہے، خدا کا اور اس کے رسول کا واسطہ دیکر تاکید کی جائے کہ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں۔

ان حالات میں شاہجہاں آباد ایسا اجڑا کہ دور دور خاک اڑنے لگی۔ گھر کے گھر بے نور و بے چراغ ہوگئے۔ میر تقی نے اسی زمانے میں لکھا تھا ؎

جس جا کہ خس وخار کے اب ڈھیر لگے ہیں
واں ہم نے ان ہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں
یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ
یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا

سرسری تم جہاں سے گذرے ورنہ ہر جا جہاں دیگر تھا
اب خرابہ ہوا جہان آباد ورنہ ہر اک قدم پہ یاں گھر تھا
بے زری کا نہ کر گلہ غافل رہ تسلی کہ یوں مقدر تھا

سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں کے حملوں سے جب نجات ملی تو غیر ملکی حکومت کا تسلط سر پر پایا۔ مسلمان پانچ سو سال سے زیادہ تک حکمرانی کر چکے تھے اور ان ہی سے سیاسی اقتدار چھینا بھی گیا تھا۔ اس بنا پر انگریزی حکومت نے ان پر سختی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو سب پر مصیبت آئی اور پوری قوم پر نکبت اور افسردگی کا عالم طاری ہو گیا۔

اقتصادی حالات: اورنگ زیبؒ نے تقریباً ۲۶؍سال تک اپنی سلطنت کے سب ذرائع کا رخ دکن کی جانب کر دیا تھا۔ ان لڑائیوں میں کروڑوں روپیہ صرف ہوا تھا، لیکن عالمگیر کے تدبر، معاملہ فہمی، انتظامی قابلیت اور سیاسی بصیرت نے ملک کی اقتصادی حالت کو بگڑنے سے بچا لیا تھا، اس نے ان تمام اخراجات کے باوجود چوبیس کروڑ روپیہ آگرہ کے قلعہ میں چھوڑا تھا۔ اس کے نااہل جانشینوں نے یہ روپیہ آنکھ بند کر کے لٹایا۔ ادھر ملک کے ذرائع محدود ہوتے چلے گئے، اور رفتہ رفتہ سارا اقتصادی نظام متزلزل ہو گیا اور یہ سیاسی اور سماجی نظام کے گر جانے کا پیش خیمہ تھا۔ (مشائخ چشت: ج؍۵ ص؍۲۳)

معاشی ابتری: اورنگ زیب کا جانشین بہادر شاہ حد سے زیادہ فیاض تھا۔ اس کی فیاضی نے سلطنت کی مالی حالت کو تباہ کر دیا۔ پھر جہاں دار شاہ نے اپنی

عیاشی میں بے دریغ دولت کولٹایا۔ اس کی محبوبہ لعل کنور پر دو کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا۔ دربار عیش وطرب کی جو محفلیں سجتی تھیں ان میں اس کثرت سے چراغاں کیا جاتا تھا کہ دہلی میں تیل کی قلت ہوگئی تھی، اور تیل کا نرخ بڑھ گیا تھا۔ گیہوں سات سیر فی روپیہ بکنے لگا تھا۔ فرخ سیر تخت پر بیٹھا تو حالات اور خراب ہو گئے۔ اس کو گھوڑوں کا شوق تھا، ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے اس کے اصطبل میں بے کار بندھے رہتے تھے، اور ہزاروں روپیہ روزانہ ان پر خرچ ہوتا تھا۔

اس گرتے ہوئے مالی نظام پر نادرشاہ کے حملے نے ضرب آخر کا کام کیا۔ وہ ستر کروڑ سے زیادہ روپیہ ہندوستان سے باہر لے گیا۔ اس کے بعد شاہی خزانے اور امراء کے محلات بالکل خالی نظر آنے لگے۔

احمد شاہ کے زمانے میں شاہی خزانے کی یہ حالت تھی کہ دو دو ڈھائی ڈھائی سال تک محلات کے ملازمین کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ بادشاہ کی ساکھ اس قدر گرگئی تھی کہ مہاجن اور ساہوکار بھی قرض دینے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں شہزادیوں کو تین تین دن کے فاقے کرنے پڑے ہیں۔ سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

اکبر شاہ اگرچہ تخت نشین ہوئے، مگر اخراجات کی تنگی کا وہی عالم تھا جو شاہ عالم کے وقت میں تھا، شاہ عالم کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی۔ تمام کارخانے ابتر ہو گئے تھے، شاہزادوں کو جو قلعے کے نو محلے میں رہتے تھے، ماہواری روپیہ نہیں ملتا تھا اور چھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں بھوکے مرتے ہیں۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۲۴)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں معاشی زندگی کے اور گوشوں پر بھی بحث کی ہے، ان کی نظر میں جاگیرداری اور اجارہ داری کی رسمیں ہی سب معاشی مصائب کا بنیادی سبب تھیں، ان کی وجہ سے معاشی زندگی کا توازن بگڑ گیا تھا۔ مغل شہنشاہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''موجب ضعف امور سلطنت کمی خالصہ وقلت خزانہ است''

سوداگروں اور صنعت پیشہ لوگوں کی حالت سب سے زیادہ تباہ تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اہل حرفت کو ملک کی اقتصادیات کا مرکزی نقطہ سمجھتے تھے اور ان کی تباہ حالی پر سخت پریشان تھے۔

جب انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا تو ہندوستان کے معاشی حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ اب تک ہندوستان کی دولت بجا یا بیجا طور پر ہندوستان ہی میں صرف ہوتی رہی تھی۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد اس کا رخ انگلستان کی طرف ہو گیا۔ علاوہ ازیں انگریزوں نے عمداً ہندوستان کی دیسی صنعتوں کو ختم کیا تا کہ انگلستان کے مال کی کھپت ہندوستان میں ہو سکے۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۲۶)

معاشرہ اور تمدن: اٹھارہویں صدی میں جب سلطنت مغلیہ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو یہ شہر ''بمنزلہ لعب صبیان'' ہو گیا، دکن سے جو طوفان اٹھتا وہ لال قلعہ سے آ کر ٹکراتا، پنجاب سے جو آندھی اٹھتی اس کے زلزلے دہلی میں محسوس ہوتے، جاٹوں کا جو ہنگامہ برپا ہوتا اس کی جولانگاہ یہی بدبخت شہر بنتا۔ لیکن ان تمام مصیبتوں کے باوجود دہلی انتہائی بارونق تھی۔ ابھی کچھ نقوش باقی تھے جن سے کاروان رفتہ کی عظمت وشوکت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس زمانے میں بھی اگر کسی

نے یہاں علماء سے دہلی کی حالت کے متعلق سوال کرلیا تو بے اختیار کہہ اٹھے۔

ان البلاد اماء و هی سیدة و انها درة و الکل کالصدف

ترجمہ: دوسرے شہر لونڈیوں کی طرح ہیں اور دہلی ملکہ، یہ موتی ہے اور باقی سب سیپیاں۔

اور اس میں واقعی کوئی مبالغہ بھی نہ تھا۔ یہاں اب بھی علم وعرفان کے ایسے چشمے ابل رہے تھے جن سے ہندوستان نہیں بلکہ بیرون ہند بھی مستفیض ہو رہا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ اسلامی ہند نے اپنے زوال اور انحطاط کے زمانے میں دنیا کے مسلمانوں کو مشعل راہ دکھائی۔ ایک ایسے نازک دور میں جب کہ دنیائے اسلام حدیث وسنت کو بھول چکی تھی، دہلی ہی نے اس کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ جس کا اعتراف مصر کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا نے اس طرح کیا تھا۔

ولولا عنایة اخواننا علماء الهند بعلوم الحدیث فی هذا العصر لقضی علیها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتی بلغت منتهی الضعف فی اوائل هذا القرن الرابع عشر۔

ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کی طرف ان کی توجہ نہ ہوتی تو مشرق ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا۔ کیونکہ مصر، شام، عراق، حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا اور چودھویں صدی کے اوائل تک ضعف کے آخری منزل تک پہنچ گیا تھا۔

(مشائخ چشت: ج/۵ ص/۲۷)

مدرسے: مدرسہ رحیمیہ، بازار خانم کا مدرسہ اور اجمیری دروازہ کا مدرسہ اورنگ

زیب کی وفات سے لے کر غدر ۱۸۵۷ء تک ان مدرسوں سے علم وعرفان کے چشمے ابلتے تھے۔ یوں تو دہلی میں سینکڑوں درسگاہیں تھیں لیکن ان تینوں مدرسوں کی امتیازی شان تھی۔ مدرسہ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ مسند درس پر متمکن نظر آتے تھے۔ تو بازار خانم کے مدرسہ میں شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے جانشین۔ اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں شاہ فخر الدینؒ کا چشمۂ فیض جاری رہتا تھا۔ مدرسہ رحیمیہ سے علوم اسلامی کو زندہ کرنے کی عظیم الشان تحریک اٹھی۔ آج ہندوستان میں علوم دینی کی جتنی درسگاہیں ہیں وہ سب مدرسہ رحیمیہ کے چشمۂ فیض کا نتیجہ ہیں۔ جن مسلمانوں کی دینی زندگی بے روح ہورہی تھی تو اسی مدرسہ کے معلموں نے ان کے دینی احساس کو بیدار کرنے کی سعی کی۔ شاہ عبد العزیزؒ، شاہ رفیع الدین، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے وعظ اور درس اسی مدرسہ میں ہوتے تھے۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۳۱)

خانقاہیں: اس زمانے میں دہلی میں بہت سے سلسلوں کے عظیم المرتبت مشائخ موجود تھے۔ شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا بیان ہے:

محمد شاہ بادشاہ بست ودو بزرگ	محمد شاہ کے زمانے میں بائیس بزرگ
صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی	صاحب ارشاد ہر سلسلہ اور ہر طریقہ کے
بودند ایں چنیں اتفاق کم می شود۔	دلی میں تھے ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔

شاہ فخر الدین صاحبؒ، مرزا مظہر جان جاناںؒ اور دیگر مشائخ کی خانقاہیں رشد وہدایت کا منبع تھیں۔ غدر سے کچھ پہلے تک خانقاہوں کی یہ رونق باقی رہی۔ شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ دیندار لوگوں کا ملجا وماویٰ تھی۔ ان کی صحبت کا یہ اثر ہوتا تھا کہ بقول خالد کردیؒ ع دہد سنگ سیہ خاصیت لعل بدخشانی

پھر شاہ ابو سعیدؒ، شاہ عبدالغنیؒ، شاہ محمد آفاقؒ، خواجہ نصیرؒ وغیرہم کی خانقاہیں تھیں، جہاں تزکیۂ باطن اور تہذیب نفس کے درس دیئے جاتے تھے اور باطنی زندگی کو سنوارنے کے لئے رات دن کوشش کی جاتی تھی۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۳۲)

اس کے چند سطور کے بعد مکرم خلیق احمد صاحب نظامی یوں رقمطراز ہیں۔

اچھے اچھے گھرانے تباہ ہو گئے، عزت وناموس کا بچانا محال نظر آنے لگا۔ جب مصائب نا قابل برداشت ہو گئے تو بڑے بڑے بزرگ اور عالم دہلی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ میاں کالے صاحب کے بیٹے میاں نظام الدین نے حیدر آباد کا رخ کیا، اور شاہ فخر الدینؒ کی خانقاہ سونی پڑ گئی۔ شاہ احمد سعید نے حرمین شریفین کی راہ لی، اور شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ کا چراغ گل ہو گیا۔ ہر طرف حسرت اور مایوسی چھا گئی جو اس ہنگامۂ دار و گیر سے بچا وہ کافور وکفن کی تمنا کرنے لگا۔ زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۳۳)

اخلاق اور مذہب: اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مسلمانان ہند کی مذہبی اور اخلاقی حالت انتہائی زبوں تھی۔ فکر وعمل، اخلاق وعادات، کردار واطوار سب پر انحطاطی رنگ چھایا ہوا تھا۔ زندگی سکر دوام میں تبدیل ہو رہی تھی اور ہر قوم کو سیاسی زوال سے پہلے اور اس کے بعد جو اخلاقی زوال کی منزلیں طے کرنی پڑی ہیں وہ نہایت سرعت کے ساتھ طے کی جا رہی تھیں۔ اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی، اور سماجی نظام کا سارا ڈھانچہ بگڑ رہا تھا۔ عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کرا کر جس گرتے ہوئے اخلاقی اور سماجی نظام کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی وہ اس کے کمزور اور نا اہل جانشینوں کے عہد میں منہدم

ہو رہا تھا۔ کسی بزرگ نے کہا ہے:

وھل افسد الدین الا الملوک واحبار سوء ورھبانھا۔	دین کو محض بادشاہوں، برے علماء اور پیروں نے خراب کیا۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں مسلمانوں کے زوال کا ذمہ دار علامہ اقبال نے ان ہی تینوں کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی زندگی کے ساتھ ساتھ خصوصیت سے بادشاہوں، علماء سوء اور صوفیۂ خام کی حالت کا جائزہ لیں گے۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۳۹)

سلاطین و امراء کی اخلاقی اور مذہبی حالت: حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول ہے:

سلطان کالروح است وسائر انسان کالجسد۔ اگر روح صالح است بدن صالح است، اگر روح فاسد است بدن فاسد۔	سلطان روح کی مانند ہے اور رعایا جسم کی مانند۔ اگر روح صالح ہوتی ہے تو جسم بھی صالح رہتا ہے، اگر روح فاسد ہوجاتی ہے تو بدن میں بھی فساد پڑ جاتا ہے۔

اورنگ زیب کے جانشینوں کی اخلاقی حالت اور عوام پر اس کے اثرات دیکھ کر اس کلیہ کی حقیقت پورے طور پر واضح ہوجاتی ہے۔ مغل بادشاہوں کی ہر بے راہ روی کا اثر عوام کی زندگی پر پڑتا تھا، اور عیش وطرب کی جو محفلیں دربار میں سجتی تھیں ان کے مہلک جراثیم جھونپڑوں تک اپنا کام کرتے تھے۔

بہادر شاہ اورنگ زیب کا بیٹا اور جانشین تھا۔ اس کے مذہبی رجحانات کے خلاف ملک میں متعدد بلوے بھی ہوئے۔ گوارادت خاں نے یہ یقین دلانے کی

کوشش کی ہے کہ اس کا مذہبی عقیدہ درست تھا۔ اور جو کچھ اس کی مخالفت ہوئی وہ متعصب لوگوں کی غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ لیکن صحیح صورت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی طرف اس کا رجحان ہو گیا تھا۔ اور اس کی ترویج کی طرف اس کا خاص زور تھا۔

چنانچہ سیر المتأخرین میں لکھا ہے:

بہادرشاہ بدستور در ترویج وتقویت مذہب شیعہ می کوشید۔	بہادرشاہ بدستور شیعہ مذہب کو رواج دینے اور تقویت پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔

اس نے خطبہ میں اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ شامل کرایا تھا، علاوہ ازیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام کے ساتھ خطبوں میں وصی مصطفیٰ کا اضافہ کیا تھا۔ اسی اضافہ پر لاہور، احمد آباد اور دیگر مقامات پر سخت قسم کے فسادات ہوئے۔ حاجی یار محمدؒ نے نہایت جرأت اور ہمت سے بادشاہ کی مخالفت کی۔ اور جب وہ ناراض ہوا تو کہا، حق تعالیٰ کی چار نعمتیں ہیں۔ علم، حفظ قرآن، حج اور شہادت۔ بفضل الٰہی تین نعمتیں مجھے حاصل ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کے ذریعے سے چوتھی بھی حاصل ہو جائے، یعنی شہادت۔

جہاندار شاہ کی بد دینی: بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ (۱۷۱۲ء) تخت پر آیا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور ایک ناچنے والی عورت لعل کنور کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کی ابروئے چشم کے اشارہ پر لوگوں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی تھیں۔ کوئی ایسا اخلاقی، سماجی اور انسانیت کا گناہ نہ تھا جو اس عورت کے اثر میں نہ کیا گیا ہو۔ لعل کنور نے ایک دن اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی۔ حکم شاہی ہوا کہ یہ خواہش بھی پوری کر کے دکھا دی

جائے۔خود بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ لعل کنور کے ساتھ بازاروں میں پھرتا تھا اور اس کے ساتھ شراب خانوں میں شراب پیتا تھا۔کبھی راون کے قلعے بنوا کر آگ لگاتا تھا۔عیش وعشرت کے اس ماحول نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا اور حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ ''قاضی قرابہ کش اور مفتی پیالہ نوش ہوں''۔

جہاندار شاہ کے جانشین فرخ سیر ۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۹ء میں سب سے بڑی برائی اس کی کمزوری تھی ،جس کے باعث ملک میں متعدد فتنے کھڑے ہو گئے۔ یہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ کا اثر تھا کہ وہ اتنے دنوں تخت پر رہ سکا۔ ان کے وصال کے پچاس دن بعد وہ قید ہو گیا۔شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے صرف اس غرض سے کہ مغلوں کا سیاسی اقتدار کہیں ان جلد جلد تبدیلیوں کی نذر نہ ہو جائے، اس کو قائم رکھنے کی کوشش کی تھی ،لیکن کمزوری ایک ایسا مرض تھا جس نے اسے کبھی حالات پر قابو نہ پانے دیا۔

فرخ سیر کے زمانے میں ایک شخص نمود وانمود نے نبوت کا دعویٰ کیا، اپنا علیٰحدہ مسلک ،قواعد اور زبان ایجاد کی۔''آقوسہ مقدسہ'' نامی کتاب کو الہامی کتاب بتایا۔اور دعویٰ کیا کہ نبوت اور وصیت کے درمیان ایک لا ہوتی، عہدہ بیگوکت ہوتا ہے۔اور وہ اسی پر قائم ہے۔فرخ سیر اس شخص سے اتنا متأثر ہوا کہ تنہائی میں اس سے ملاقات کی۔ بادشاہ کی اس دلچسپی اور احترام سے اس مفسد دینی کو اپنے کام میں بڑی مدد مل گئی۔

محمد شاہ افیون کا شوقین اور عیش وعشرت کا دلدادہ تھا۔ دن رات حرم میں پڑا رہتا تھا۔ ۲۸ ر سالہ دور حکومت میں اگر وہ کبھی محل سے باہر نکلا ہے تو صرف

لونی پارک میں گھومنے کے لئے یا گڈھ کا میلہ دیکھنے کے لئے، اس کے جانشین احمد شاہ کا بھی یہی عالم تھا۔ ایک میل تک اس کا زنانہ محل تھا۔ ہفتوں تک کسی مرد کی شکل اس کے سامنے نہ پڑتی تھی۔

شاہ عالم ثانی کے دربار کا حال پولیر نے لکھا ہے، جو مطالعہ کے قابل ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کے مشاغل، ذہنی اور فکری صلاحیتیں کیا تھیں اور وہ کس حد تک اس زمانے کے سیاسی نظام کو سنبھالنے کی قابلیت رکھتے تھے۔

سلاطین کی عادتوں اور دلچسپیوں کی نقل امراء کرتے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں امراء کے گھر عیاشی کے اڈے تھے۔ مخرب اخلاق عادتیں ان کا معمول تھیں اور ان کے ضمیر کی آواز اتنی دھیمی پڑ چکی تھی کہ کبھی انھیں بھول کر بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ ان کی حرکات اخلاق ومذہب کی توہین ہیں۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۴۲)

صوفیۂ خام اور علماء سوء کی حالت: اگر احبار یہود کی حالت دیکھنا چاہو تو آج کل کے علماء سوء کو دیکھو اور اگر عیسائیوں کا نقشہ کھینچنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو۔

ان الفاظ میں اٹھارہویں صدی کے سب سے بڑے عالم نے اپنے ہمعصر علماء کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے کے صوفیۂ خام اور علماء سوء صدہا قسم کی گمراہیوں کا شکار تھے اور ان کی گمراہی کا اثر ہر کہ ومہ پر پڑتا تھا۔

دنیا پرستی سے زیادہ بری کوئی لعنت علماء سوء کے لئے نہیں ہو سکتی۔ اس دور

کے علماء اسی میں گرفتار تھے اور مختلف امراء اور رؤسا سے منسلک ہو کر سیاست میں حصہ لے رہے تھے۔

ایسی سیاست جس کا مقصد دوسروں کی فلاح و بہبود نہ تھا بلکہ اپنے لئے جاہ و منزلت حاصل کرنا تھا۔ اکبر کے زمانے میں علماء کی اس دنیا پرستی کے خلاف حضرت مجدد صاحبؒ نے آواز اٹھائی تھی۔ اس دور میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور ان کے خاندان نیز شاہ کلیم اللہ جہان آبادی اور ان کے منسلکین نے اس رجحان کے خلاف جنگ کی، اور علماء کو ان کے فرائض یاد دلائے۔

اس دور کے علماء عموماً یونانی علوم میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان کا سارا وقت دوراز کار بحثوں میں صرف ہوتا تھا۔ قرآن وحدیث سے ان کا رابطہ تقریباً ٹوٹ چکا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس ماحول میں للکارا اور اعلان کیا۔

یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔

یہ خاندان ولی اللہی کا وہ اعلان تھا جس سے علم کے متعلق سارے ہندوستان کے نظریئے بدل گئے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے تایا شیخ ابوالرضا الہندیؒ کے شاگرد تھے۔ اس لئے علم کے متعلق ان کا نظریہ بھی وہی تھا جو خود حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے بزرگوں کا تھا، علوم دینی کے متعلق اس دور کے مشائخ چشت کے خیالات کی اساس و بنیاد اسی پر تھی۔ اور انھوں نے زمانے کے عام رجحانات کے خلاف اس سلسلہ میں سخت جنگ بھی کی۔

صوفیۂ خام کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ انھوں نے نہ صرف مشائخ متقدمین کی روایات کو فراموش کر دیا تھا بلکہ غیر اسلامی فکر و کردار ان کا سرمایۂ

زندگی بن گیا تھا۔ تصوف کے سرچشمے قرآن وحدیث سے ہٹ کر ویدانت اور اپنشد کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ عملیات اور تعویذ گنڈوں میں حد سے زیادہ اعتقاد بڑھ گیا تھا۔ پیر کی غیر شرعی حرکات حجت سمجھی جاتی تھیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان لوگوں کو اس طرح مخاطب کیا۔

میں ان متقشف واعظوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب ویابس کو لے بیٹھے، تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا۔ تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا۔ حالانکہ تم فراخی کے لئے مامور تھے، نہ کہ تنگی کے لئے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنا لیا ہے، حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں، لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں۔

اس قسم کے صوفیہ نے مذہبی تعلیم کو مسخ کرنے کے ساتھ ساتھ ملت کے قوائے عمل کو شل کر دیا تھا، اس دور کے مشائخ چشت نے اس قسم کے صوفیہ کے خلاف آواز بلند کی اور تصوف کی خالص اسلامی صورت نکھار کر پیش کی۔

عام مسلمانوں کی دینی زندگی: جب بادشاہ علماء اور صوفیہ یہی صدہا اخلاقی عیوب اور دینی گمراہیوں میں مبتلا تھے تو عام مسلمانوں کی زندگی کا ذکر ہی بیکار ہے۔ "**الناس علی دین ملوکھم**" قرون وسطیٰ کا ایک ناقابل تردید اصول تھا۔

اس دور میں عام مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لینے کے لئے شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کی تصانیف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (مشائخ چشت: ج/۵ ص/۴۴)

شیعہ سنی تنازعات: اٹھارہویں صدی کا ایک اہم مسئلہ شیعہ سنی تعلقات کا بھی تھا۔ اورنگ زیب کے بعد شیعوں کا سیاسی اثر بڑی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا تھا۔ اتنا کہ

اورنگ زیب کا جانشین بہادر شاہ تک شیعوں کے اثر میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد سادات بارہہ کے اقتدار سے شیعوں کو بہت تقویت حاصل ہوگئی اور ایرانی اور تورانی پارٹیوں کے اختلافات کی بنیاد صرف سیاست نہ تھی، بلکہ مذہبی اختلافات کو بھی اس میں کافی دخل تھا۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ کی شہادت میں مذہبی اور سیاسی دونوں عوامل کو دخل تھا۔ ان کا سنی عقیدہ اور روہیلوں میں ان کا اثر شیعہ حلقوں میں کافی خطرناک سمجھا جاتا تھا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کے زمانے میں بھی شیعوں کے اقتدار کا مسئلہ نور جہاں کی وجہ سے بہت اہم ہوگیا تھا، چنانچہ انھوں نے ایک رسالہ ''رد روافض'' کے نام سے لکھا تھا۔ اس زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی فاضلانہ کتاب ''ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاءؒ'' کے ذریعے خلافت راشدہ سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ مولانا عبدالحیی فرنگی محلی کا خیال ہے کہ پورے اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر ایسی کتاب موجود نہیں ہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے بھی ایک کتاب ''ردروافض'' کے نام سے تصنیف فرمائی تھی۔

چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں نے شیعوں کے عقائد کی اصلاح کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے اپنے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو ہدایت کی کہ وہ معتقدات روافض کو روکنے کے لئے پوری جدوجہد کریں۔ شاہ فخر الدین صاحبؒ نے شیعوں کی مخالفت کا مقابلہ سختی سے نہیں بلکہ محبت سے کیا۔ جس شخص نے مرزا مظہر جان جاناں کو شہید کیا تھا۔ اس نے ان کو بھی شہید کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کی مجلس میں پہنچ کر ایسا متأثر ہوا کہ اپنے ارادہ سے توبہ کر لی۔ شاہ فخر الدین صاحبؒ نے بہت سے شیعوں کو بھی مرید

کیا تھا۔شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ایک بار اس پر اعتراض کیا تو فرمایا۔''مرید ہوکر وہ تبرے سے باز آجاتے ہیں'' آخری زمانے میں شاہ سلیمان تونسویؒ نے یہ راہ اختیار کی کہ سنی مسلمانوں کو شیعوں کی صحبت اور اثر سے بچنے کی تلقین کی۔

شیعوں سے مذہبی عقائد کے اختلاف کے باوجود ان بزرگوں نے اپنے عادلانہ اور منصفانہ رویئے میں فرق نہ آنے دیا۔وہ ہر چیز کو اس کی حقیقی صورت میں دیکھتے تھے اور وقتی مخالفت کی رو میں بہہ کر عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ایک شخص نے شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ سے شیعوں کو کافر قرار دینے کے متعلق فتویٰ دریافت کیا تو شاہ صاحبؒ نے اختلاف کیا۔ وہ شخص یہ کہہ کر کہ ''ایں شیعی است'' چلا گیا۔ایک روہیلہ پٹھان آفتاب نامی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ایک دن شاہ صاحبؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب بیان فرمائے تو اس کو اس قدر غصہ آیا،خود کہ (حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا بیان ہے)

بندہ را شیعہ فہمیدہ،آمدن درس موقوف کرد۔	بندہ کو شیعہ سمجھ کر درس میں شریک ہونا بند کردیا۔

جن بزرگوں کا کام انتشار وابتری کے زمانے میں قوم کے ذہنی توازن کی نگہبانی کرنا تھا وہ خود عوام کے جذبات کا شکار کیسے ہوسکتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف انھوں نے رفض کی تردید میں اپنی زبان اور اپنے قلم کو جنبش دی، دوسری طرف سنی مسلمانوں میں شیعوں کے خلاف تشدد کو روکا، اور اپنے افکار اور معاملات میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھا۔(مشائخ چشت: ج/۵ ص/۴۸)

ف: ان حالات نوشتہ میں علمائے کرام اور مشائخ عظام نے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر

دین حق کی تعلیم وتشریح اور ترویج کا اہم فریضہ انجام دیا اور دین وطریق کو باقی رکھا۔ اسی کی نشاندہی کے لئے اکابر دین وطریق کے حالات وتعلیمات پیش کی جارہی ہیں تا کہ اسی نہج پر موجودہ دور میں بھی دین وطریق کا کام انجام دیا جائے۔ واللہ الموفق (مرتب)

کتاب کے متعلق چند باتیں

۱:۔ الحمدللہ اس حصہ ششم میں بھی مختصراً افادات لکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو مفید بنائے۔ آمین

۲:۔ بعض عبارتیں جو دوسرے حضرات کی تصانیف سے نقل کی ہیں اس میں اگر مضمون کی وضاحت کے لئے بعض الفاظ کے گھٹانے بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے مطابق ترمیم کردی گئی ہے۔

۳:۔ پہلی جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی علماء کی تقریظات لکھی جارہی ہیں اور آئندہ جلدوں میں بھی لکھی جائیں گی۔ مگر اس میں اس امر کا التزام نہ ہوسکا کہ جس جلد کے لئے تقریظ لکھی گئی تھی اسی جلد پر لکھی جائے، اس لئے کہ اضافات کی وجہ سے سیکڑوں صفحات کا بلکہ کئی جلدوں کا اضافہ ہوگیا، مگر مجھے یقین ہے کہ ان تقاریظ کے ارقام فرمانے والے ان ترمیم وتبدیلی اضافات سے راضی ہوں گے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہی فرمادے۔ آمین

۴:۔ الحمدللہ اس جلد میں بھی ایسے اقوال واحوال نقل کئے گئے ہیں جن کو پڑھ کر عبرت ونصیحت ہو اور اپنے اعمال واخلاق کے اصلاح کی فکر دامنگیر ہو، تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی نصیب ہو۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز**

۵:۔ اخیر میں اپنے باصلاحیت عزیزوں کا ممنون ومشکور ہوں کہ انھوں

نے اس اہم خدمت دین کی تکمیل میں اپنی صلاحیت کے مطابق صدق وخلوص سے مدد کی۔ مثلاً عزیزم مولانا مقصود احمد سلمہ (استاذ حدیث مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد) نے مضامین کے اضافات ہی نہیں بلکہ ان کی تحقیق وترتیب میں غایت درجہ محنت وجانفشانی کر کے مفید وبصیرت افروز ذخیرۂ علوم ومعارف پوری امت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

اسی طرح عزیزم مولوی محمد عبیداللہ ندوی سلمہ ومولوی فیروز عالم سلمہ (اساتذہ مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد) نے کمپوزنگ اور تصحیح میں بڑی محنت اور جدوجہد کی، جس کی بناء پر پوری کتاب بفضلہٖ تعالیٰ ظاہری اعتبار سے بھی جاذب نظر ودیدہ زیب ہوگئی، جس کی اس زمانہ میں بہت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید اس کی توفیق دے۔آمین

ماشاءاللہ عزیزم مولوی محمد عبداللہ سلمہ اس کی طباعت واشاعت کا بہت ہی خوب اہتمام کررہے ہیں جس سے ان کے حسن ذوق کا پتہ چلتا ہے۔زادہ اللہ علماً

۷:۔مگر افسوس کہ اسی اثناء میں اہلیہ مسمی ''تقریب النساء'' جو ماشاءاللہ زہدو قناعت ،صلاح وتقویٰ جیسی صفات سے متصف تھیں،اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ'' پر عمل ہی نہیں بلکہ ان کا حال تھا،کسی بھی حال میں ہوتیں سائل کی آواز سنتے ہی اس کی مدد کے لئے بیتاب ہوجاتیں ، وہ سخت مریض ہو گئیں،سہارا اسپتال اور پی جی آئی اسپتال میں علاج ہوا،اخیر میں عزیزہ صدیقہ سلمہا کے مکان واقع خرم نگر لکھنؤ لائی گئیں،مگر جب طبیعت زیادہ ہی بگڑ گئی تو خاص عزیز ڈاکٹر مبشر احمد کے ''ریلیف ہاسپیٹل'' میں داخل کی گئیں،لیکن دودن بعد ہی ۹/رجب

۱۴۳۷ھ ۱۷/اپریل ۲۰۱۶ء کو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ گئیں۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

ماشاء اللہ ان کے صاحبزادے عزیزانم محمد عبداللہ سلمہ و محمد عبید اللہ سلمہ اور صاحبزادیاں مسعودہ خاتون، عائشہ خاتون، صدیقہ خاتون و آمنہ خاتون اور محمد سعد و مونس سلمہم اللہ وغیرہم نے خوب ہی خوب خدمت انجام دی۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

بشارت: ماشاء اللہ عزیزم مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی نے پہلی اہلیہ صاحبہ عقیلہ خاتون متوفی ۱۴۰۷ھ بنت حضرت مصلح الامتؒ کی وفات کے بعد اقوال سلف قدیم حصہ پنجم کے تأثر میں یہ حدیث پاک درج فرمایا "ایما امرأۃ ماتت وزوجھا راض عنھا دخلت الجنۃ" (ابن ماجہ: ۱۸۵۴) یعنی جس عورت کی وفات ہوئی اور اس کا شوہر اس سے راضی ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

پس اس حدیث کی رو سے بندۂ حقیر اپنی دوسری اہلیہ کے بارے میں شہادت دیتا ہے کہ ان کی اس حالت میں وفات ہوئی ہے کہ میں ان سے راضی تھا اور وہ بھی مجھ سے راضی تھیں، اس لئے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں داخلہ نصیب فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور اولاد واحباب سب کو جنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ صحابہ کرام واولیاء عظام کی معیت ورفاقت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ سیدنا النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد قمر الزمان الہ آبادی

بیت الاذکار وصی آباد الہ آباد

۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۷ھ

۲۳/اپریل ۲۰۱۶ء

انتباہ

اب ہمارا دلی تقاضا ہے کہ علماء ومشائخ نے جو اس کتاب کے پڑھنے کے بعد تاثرات وتقریظات کو اپنی وسعت قلبی وعالی ظرفی سے ارقام فرمایا ہے ان میں سے چند کی تحریریں نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں، اس لئے کہ ان حضرات کی کتاب مذکور کی صحت وافادیت کی شہادت اپنی سعادت اور اس کتاب مذکور کے وثوق وکرامت کی علامت ہے۔ جو ہمارے لئے سرمایۂ آخرت اور عنداللہ شرف قبولیت کے لئے بشارت اور مژدۂ جانفزا سے کم نہیں ہے جو ''شہداء اللہ فی الارض'' کے مصداق ہیں۔ میں جملہ حضرات کا ممنون ومشکور ہوں۔ فجز اہم اللہ احسن الجزاء

مکتوب گرامی

مکتوب گرامی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب قدس سرہ المتوفی ۱۴۱۷ھ

مشفق ومکرم زیدت مکارمکم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اقوال سلف حصہ دوم نے پہنچ کر شرف بخشا، جستہ جستہ مطالعہ کیا، بہت ہی عجیب انتخاب فرمایا گیا ہے، پھیلی ہوئی زندگی اور وسیع مکالمات میں سے اصلاح وتربیت کے لئے اقتباس کرنا بڑی محنت اور ہمت کی بات ہے، حق تعالیٰ نے اس کو آپ کے لئے آسان فرمایا، یہ اس کا فضل ہے۔

بعض جگہ پڑھنے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دکھتی رگ پر آپریشن ہے، جس چیز کو لوگ کینسر سمجھ کر لا علاج قرار دیتے ہیں یہاں اس کا بھی علاج موجود ہے۔

جن اکابر کے اقوال نقل کئے ہیں اگر ان کے نام کے ساتھ ساتھ ان کی ولادت ووفات کی تاریخ (۱) بھی آجاتی تو طلبہ کے لئے زیادہ مفید ہوتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت کو قبول فرمائے، مزید توفیق دے۔

فقط والسلام

العبد محمود غفرلہ

چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند

۱۴/۱۰/۱۴۰۹ھ

۱؎ الحمد للہ حضرت مفتی اعظم صاحب قدس سرہ کے مشورہ کے مطابق اس پر عمل کی سعی کی گئی ہے۔ فجزاہم اللہ۔ مرتب

مکتوب گرامی

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید صاحب گنگوہی قدس سرہ متوفی ۱۴۱۵ھ

مکرم ومحترم سلام وتحیات، یادآوری پر قلب ممنون ہے۔ ففقدسرنی انی خطرت ببالکم۔ مزید بہجت ومسرت ان موقر ہدایات سے ہوئی، انشاءاللہ مستفیض ہوں گا۔

دعا گوبھی ہوں اور دعا جوبھی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ایک دعا بڑی جامع یاد آئی: اللھم کن لنا واجعلنا لک۔ (یعنی اے اللہ آپ ہمارے ہوجایئے اور ہم کو اپنا بنالیجئے۔ مرتب)

۲۔ حضرت محترم زید مجدکم، سلام وتحیات۔ اقوال سلف نمبر ا کی ہدیۂ سنیہ سے مسرت ہوئی، اس لئے نہیں کہ ایک گراں قدر تالیف حاصل ہوئی، بلکہ اس لئے کہ آپ نے اس گراں قدر ہدیہ کا مجھ کو محل و مستحق سمجھا، اہل علم وذکر کا یہ ایک حسن ظن ہے جو موجب بہجت اور میرے لئے سند محبت ہے، شاید ''وہاں'' کام آئے۔

میں کچھ عرصہ سے مسلسل بیمار چل رہا ہوں، عوارض کبھی شدید، کبھی اضطراب واضطرار، کبھی انتشار وانتظار، اور محل محل فرار، جمعیت مفقود، سکینت موہوم، بقول حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے یہ دنیا جائے فرار ہے، برزخ جائے انتظار اور آخرت جائے قرار، ہم نے پہلی کو تیسری جگہ دیدی، ترتیب الٹ گئی اسی لئے دوچار ہیں، ہجوم آلام واسقام اور مصائب ونوائب سے طبیعت اعتدال پر آجائے تو مستفیض ہوں گا۔ والسلام: عبدالرشید محمود عفی عنہ

۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

مکتوب گرامی

مشفق المکرم حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری قدس سرہ متوفی ۱۴۱۷ھ

باسمہ تعالیٰ

محب گرامی قدر مولانا محمد قمر الزمان صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں، آپ کا علمی واحسانی ہدیہ ''اقوال سلف'' ہر دو حصہ ''دیر آید درست آید'' کے مطابق دیر سے ملا، پہونچانے والے کو مصروفیت رہی ہوگی، میں اس ہدیہ سنیہ کے لئے آپ کا تہہ دل سے شکرادا کرتا ہوں۔

شیخ ابوعبد الرحمٰنؒ نے طبقات الصوفیہ میں ایک بزرگ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ اسلاف کی باتوں میں بڑی تاثیر ہوتی تھی اور ان سے فیض پہنچتا تھا، اور اخلاف کی باتوں میں یہ چیز نہیں پائی جاتی؟ اس کے جواب میں ان بزرگ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے لئے باتیں کرتے تھے اور ہم لوگ دنیا کے لئے باتیں کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ شعلہ بیان خطیبوں اور واعظوں کے خطب ومواعظ میں وہ تاثیر نہیں پائی جاتی ہے، جو حضرات مشائخ کے سیدھے سادے مختصر جملوں میں ہوتی ہے، اور خیر القرون سے مشائخ کرام کے ملفوظات وافادات کو لکھنے اور ان کو جمع کرنے کا سلسلہ جاری ہے، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ''اقوال سلف'' بھی ہے جس میں آپ نے بڑے سلیقہ سے قلب ونظر دونوں کے لئے نسخۂ شفا ترتیب دیا ہے، اور بڑی بات یہ ہے کہ ان روحانی واحسانی اقوال اور ملفوظات میں آپ کے دل نشیں افادات نے علمی شان پیدا کردی ہے، نیز

زبان وبیان کی سلاست نے افادیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔(یقیناً اس حقیر کے لئے یہ کلمات طیبات موجب صد کرامت وسعادت ہیں۔مرتب)

آپ نے ''اقوال سلف'' کا بنیادی ماخذ امام شعرانیؒ کی متبرک کتاب ''لواقح الانوار فی طبقات الاخیار''(الطبقات الکبریٰ) قرار دیا ہے جو طبقۂ مشائخ کی محبوب کتابوں میں سے ہے،خاص طور سے مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کو اس سے بڑا اشغف رہا ہے،اور اپنی مجلس میں اس کے جواہر پارے بکھیرتے تھے،ایک مرتبہ بمبئی میں حضرت نے راقم سے طبقات کبریٰ طلب فرمائی، میں الطبقات الکبری لابن سعد کی آٹھوں جلدیں لے کر حاضر ہوا جو نئی نئی مکہ مکرمہ سے آئی تھی،حضرت نے فرمایا کہ میں امام شعرانیؒ کی طبقات کبری چاہتا ہوں تا کہ اس کے مضامین مجلس میں بیان کروں۔

آپ نے اس کتاب کو بنیاد قرار دے کر''اقوال سلف'' کے ذریعہ اس کی افادیت عام کی ہے،اللہ تعالیٰ آپ کی سعی ومحنت کو قبول فرما کر مسلمانوں کے حق میں اس کتاب کو مفید بنائے،انشاء اللہ اس کی چوتھی جلد[۱] کی تکمیل کے بعد اردو زبان میں بہت بڑا دینی وروحانی ذخیرہ تیار ہو جائے گا،اللہ تعالیٰ آپ کو خوش وسلامت رکھے،آمین،دوبارہ شکریہ قبول فرمائیں۔

قاضی اطہر مبارک پوری
قاضی منزل،مبارک پور
۱۴ر شعبان ۱۴۱۰ھ

---

۱ ۔ ماشاء اللہ اب تو مزید جلدیں اضافات کے ساتھ امت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔(مرتب)

تأثر

مکرم حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب قدس سرہ متوفی ۱۴۳۲ھ

مفتی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوئی شبہ نہیں کہ صوفیاء کرام اور علماء ربانیین کے حالات وواقعاتِ زندگی پڑھنے اور سننے سے قدرتی طور پر عمل صالح کا جذبہ توانائی حاصل کرتا ہے، پڑھنے اور سننے والے کی زندگی میں نیکی کرنے کا جذبہ پرورش پاتا ہے۔ برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے، ان کے ملفوظات پڑھنا گویا ان کی مجلس میں شریک ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب زید مجدہم نے اقوال سلف کے نام سے جو کتاب مرتب فرمائی ہے، واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی یہ خدمت قابل صد تبریک وتہنیت ہے۔

سلف کے حالات وملفوظات جمع کرنے میں حضرت موصوف نے بڑی محنت کی ہے، سیکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، اور اثر پذیر واثر انگیز حالات یکجا فرمادیا ہے، جن کو پڑھ کر روح وقلب کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے، اور پڑھنے اور سننے والے کے اعمال واخلاق میں ایک تعمیری انقلاب انگڑائی لینے لگتا ہے۔

خاکسار نے ان کا مطالعہ کیا اور کافی فائدہ محسوس کیا، دوسروں کو بھی میرا مشورہ ہے کہ ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں۔

ظفیر الدین عفی عنہ

تأثر

صدیق مکرم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بستوی قدس سرہ متوفی سنہ ۱۴۱۴ھ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

امابعد! سورۂ فاتحہ کی آیت کریمہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان تحریر فرماتے ہیں کہ ''انسان کی صلاح وفلاح کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک کتاب اللہ، جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق احکام موجود ہیں۔ دوسرے رجال اللہ یعنی اللہ والے''۔

(معارف القرآن: ج ۱/ص ۹۴)

لہذا ہمارے اسلاف کرام جو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم وانوار دونوں ہی کے جامع تھے ان کی اقتداء لازم ہے، اگر ان کے طریق سے سرموتجاوز کریں گےتو ''فضلوا واضلوا'' کے مصداق ہوں گے۔

لہذا اسلاف کی سیرت اوران کے اقوال وارشادات کتابوں میں جو مذکور ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ ان حضرات کے اقوال واحوال کے مطالعہ سے قلب کو جلاء نصیب ہوتی ہے۔

یقیناً اس کتاب اقوال سلف میں شک نہیں کہ صحابہ وتابعین اور ان کے متبعین کے اقوال وارشادات اوران کے احوال کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے جو

بعد والوں کے لئے مشعل راہ اور راہنما ثابت ہو، اور اسی سے ان کے ذوق ومزاج کا سراغ لگتا ہے کہ ہمارے اسلاف کتاب وسنت اور ظاہر وباطن کے کس قدر جامع تھے، موجودہ انانیت، خودرائی وخود بینی وکتابی دور میں اسلاف کے اقوال واحوال وارشادات وسیرت کی ترجمانی واشاعت کی ضرورت پہلے سے زیادہ بیش از بیش ہوگئی ہے، موجودہ دور کی نئی روشنی، نئی تہذیب، نئی تعلیم اور خودرائی نے امت کے بیشتر افراد خصوصاً نوجوان طبقہ کو اپنے اسلاف سے بالکل الگ کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے محب محترم حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم کے درجات کو بلند فرمائیں کہ انھوں نے اپنی دوسری تصنیفات کے ساتھ ساتھ اقوال سلف حصہ اول ودوم کو جمع وشائع فرماکر پوری جماعت علماء ومشائخ پر احسان عظیم فرمایا کہ وہ علوم ومعارف جو مخصوص طبقہ تک محدود ہی نہیں بلکہ معدوم ہورہے تھے زندہ وپائندہ فرمادیا جس کے ایک ایک قول سے طالب وسالک کو آب حیات کی سی روشنی، روح وقلب کو تازگی وقوت ملتی ہے، ذوق وشوق میں اضافہ اور تن مردہ میں جان آتی ہے اور بے اختیار پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ گیارہویں صدی سے تیرھویں صدی تک کے اسلاف واکابر اور علماء وصلحاء کے اقوال وسیرت پر تیسرا حصہ بھی شائع فرمانے جارہے ہیں۔ سبحان اللہ الحمدللہ اللہم زدفزد۔ خداوند قدوس اس کو قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین　　　محمد یوسف بستوی

جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

تبصرہ

مشفقی المکرم حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

باسمہ سبحانہ

عالم ربانی، مصلح ومربی معظم ومحترم جناب مولانا شاہ محمد قمرالزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم وعمت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی صحت وعافیت سے ہوگا، ماہ رمضان کا مبارک زمانہ ہے، اس میں اس ناچیز کو بھی دعاؤں میں یاد رکھنے کی درخواست ہے۔

گجرات کے بعض اہل تعلق آپ کے یہاں سے آج صبح یہاں پہونچے ان کے ذریعہ جناب کی عظیم المرتبت، مفید اخلاق وسیرت تصنیف اقوال سلف کی جلد پنجم اور دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں کا نسخہ موصول ہوا، اقوال سلف کی افادیت واہمیت پہلے ہی سے سامنے تھی، اس نئی تصنیف دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں بہت اہم اور ضروری محسوس ہوئی، یہ دراصل ان لوگوں کے لئے ہے جو آپ کی مفید مجالس میں نہ پہونچ سکتے ہوں۔ آپ کی مجالس میں شرکت کی قائم مقام ہے، صحبت کا جو فائدہ ہوتا ہے اس سے لوگوں کی زندگیوں کی جو اصلاح ہوتی ہے اس کی نیابت ان بزرگوں کی تصنیفات سے ہوتی ہے، آپ نے اس میں امت کے مختلف طبقات اور مسلمان کی زندگی کے مختلف

حالات میں جو رہنمائی ضروری ہے وہ اس کتاب میں فرمائی ہے۔

انشاء اللہ یہ بہت افادیت کی حامل تصنیف ہوگی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مفید بنائے۔

اس علمی تحفہ کا بہت بہت شکریہ، امید ہے کہ جناب اور سب اہل تعلق بخیر ہوں گے، کتابوں کی رسید اور درخواست دعا کے طور پر یہ عریضہ تحریر ہے۔

سہارنپور میں حضرت مولانا طلحہ صاحب صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ اور ان کی اہلیہ خاصی حد تک علیل ہیں اور میرٹھ کے اسپتال میں برائے علاج داخل ہیں، وہاں کے حضرات نے دعا کے لئے کہا ہے، آپ سے بھی اس کی درخواست ہے۔

یہاں تکیہ پر الحمدللہ خیریت ہے، مسجد میں مہمانوں کی ایک تعداد بھی ہے، برادر عزیز مولوی واضح رشید اور عزیزان بلال ومحمود سلمہما سلام عرض کرتے ہیں اور دعا کے لئے عرض کرتے ہیں۔

عمدہ کھجور کا ایک چھوٹا پیکٹ ارسال خدمت ہے قبول فرمائیں۔

والسلام

طالب دعا

ناچیز محمد رابع حسنی

تکیہ کلاں رائے بریلی

تاثر

مشفقی المکرم حضرت مولانا یعقوب صاحب سارودی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کنتھاریہ بھروچ گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ۲۷ ؍رمضان ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۵؍ جولائی ۲۰۱۵ء کو آپ کا ہدیہ پرخلوص اقوال سلف حصہ پنجم دستیاب ہوا، اور مجھے یاد ہے اس سے پہلے بھی اقوال سلف کی ابتدائی جلدیں آنحضرت دامت برکاتہم نے ازراہ ذرہ نوازی ارسال فرمائی تھیں۔فجز اکم اللہ خیرالجزاء

انسان کے اندر صلاح وتقویٰ، اعتماد وتوکل، ایمان وایقان جیسی صفات محمودہ پیدا کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے دو طریقے رائج فرمائے ہیں۔ پہلا طریق کتاب اللہ، اس میں حدیث شریف بھی شامل ہے۔اور دوسرا طریق رجال اللہ، اور یہ دونوں طریق ہر زمانے میں پوری آب وتاب کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم ربع صدی کے طویل عرصے تک صوبہ گجرات کے مشہور مدرسہ دارالعلوم کنتھاریہ میں خانقاہی نظام میں بغرض اصلاح خلق وتزکیۂ نفوس تشریف لاتے رہے ہیں۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء وشکر اللہ مساعیہ۔

آپ حضرت نے طریق ثانی رجال اللہ کی توضیح وتشریح کے لئے اقوال سلف کے نام سے ایک موسوعہ (انسائیکلو پیڈیا) تحریر فرما کر ہمارے ہاتھوں میں رکھ دیا ہے، جس کے ذریعہ آدمی کتاب اللہ سے اور حدیث شریف سے اپنا رشتہ مربوط کرسکتا ہے، اس کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ کتاب اللہ کی آیات پر عمل کرنے کے شواہد ونظائر انہی رجال اللہ کی سیرت میں سیکھ سکتا ہے اور اپنے لئے راہ عمل تجویز کرسکتا ہے۔ لہذا میں اولاً اپنے آپ کو اور ثانیاً آپ حضرت والا کے جمیع متوسلین ومنتسبین سے درخواست کروں گا کہ اس مجموعہ سے مستفید ہوں، واقعۃً بزرگوں کے حالات کا مطالعہ ، ان کی صحبت نشینی کے قائم مقام ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ پندرھویں صدی کا ایک مومن بندہ ہزاروں سال کے محیط عرصے میں پھیلے ہوئے سینکڑوں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ اور اولیاء کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکتا ، نہ ان کے اقوال وملفوظات سے محظوظ ہوسکتا ہے، اور نہ ان کی محبت میں حاضری کا شرف حاصل کرسکتا ہے، لیکن یہ مومن بندہ اقوال سلف کے مکمل حصے خرید کر اپنے پاس رکھ لے تو دن رات ان حضرات کے ملفوظات سن سکتا ہے، پڑھ سکتا ہے، اوران سے مستفیض ہوسکتا ہے۔

لہذا اس غنیمت کبریٰ سے ضرور بالضرور فائدہ اٹھایا جائے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ حضرت مولانا نے سن ہجری کی ترتیب کا خیال فرما کر ہر صدی کے بزرگوں اور علماء کی تعیین فرما کر اس ذخیرہ کو مرتب فرمایا، چنانچہ اقوال سلف کا یہ انبار گراں بار علمی وتحقیقی مجموعہ ہوگیا اور یہ اہم اور باریک کام ایک کہنہ مشق محقق

ومصنف ہی کر سکتا ہے، اور نتیجتاً اس کی افادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

یہ چند سطور حضرت والا کے مطالبہ پر بطور اظہار تاثر کے لکھ دی ہیں اور دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس خدمت جلیلہ کو شرف قبول عطا فرمائیں اور ذریعۂ نجات بناویں۔ آمین

یعقوب سارودی

۲۸؍رمضان ۱۴۳۶ھ

۱۶؍جولائی ۲۰۱۵ء

تقریظ

عزیز القدر مولانا اقبال محمد صاحب ٹنکاروی حفظہ اللہ

مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، امابعد!

اسلام میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس کے اندر ہروہ کام داخل ہے جس کی غرض خداوند قدوس کی خوشنودی ہو، اس لئے اخلاق ومعاملات بھی اگر خوش نیتی کے ساتھ کئے جائیں تو وہ عبادت میں داخل ہیں، مگر فقہائے کرام نے اصطلاحاً یہ تین الگ الگ اور مستقل ابواب قرار دیئے ہیں، جن کی تفصیل یوں کی جاسکتی ہے کہ اولاً اعمال صالحہ کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا تعلق خاص خداوند قدوس سے ہے، اس کو عبادت کہتے ہیں، دوسری وہ جس کا تعلق بندوں سے ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کی حیثیت صرف انسانی فرض کی ہوتی ہے، اور دوسری وہ جس میں قانونی ذمہ داری کی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے، پہلے کا نام اخلاق اور دوسرے کا معاملات ہے۔

اخلاق سے مقصود باہم بندوں کے حقوق وفرائض کے وہ تعلقات ہیں جن کو ادا کرنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے، انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کی ہر شئی سے تھوڑا بہت اس کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے، اسی تعلق کے فرض کو بحسن وخوبی انجام دینا اخلاق ہے، اس کے اپنے ماں باپ، اہل وعیال، عزیز ورشتہ دار،

دوست واحباب، استاد وشاگرد، پیرومرشد، اجیر ومستأجر، ملازم وآقا، حاجتمند وبیمار، مہمان وپڑوسی، بیوہ ویتیم اور عام مسلمان سب سے تعلقات ہیں، بلکہ ہر اس انسان کے ساتھ اس کا تعلق ہے جس سے وہ محلہ، وطن، قومیت، جنسیت یا اور کسی نوع کا علاقہ رکھتا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر حیوانات تک سے اس کے تعلقات ہیں اور ان تعلقات کے سبب سے اس پر کچھ فرائض عائد ہیں۔

حکمت کا لفظ قرآن مجید میں جہاں علم وعرفان کے معنی میں ہے، وہیں اس کا دوسرا اطلاق اخلاق پر بھی بتایا گیا ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں توحید، والدین کی اطاعت وتعظیم، قرابت داروں اور محتاجوں کی امداد کی نصیحت اور فضول خرچی، بخل، اولادکشی، بدکاری، کسی بے گناہ کی جان لینے اور یتیموں کے ستانے کی ممانعت کے بعد ایفائے عہد کرنے، ٹھیک ناپنے اور تولنے اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بعد ارشاد ہے:

ذالک مما اوحی الیک ربک من الحکمة (یہ حکمت کی ان باتوں میں سے ہے، جن کو تیرے رب نے تجھ پر وحی کیا)

سورۂ لقمان میں ہے: ولقد آتینا لقمان الحکمة ان اشکر لله۔ (اور ہم نے لقمانؑ کو حکمت کی باتیں سکھائیں کہ اللہ کا شکر ادا کر)

اس کے بعد حکمت کی ان باتوں کی مزید تشریح کی گئی ہے کہ ''کسی کو اللہ کا شریک نہ بنا، والدین کے ساتھ مہربانی سے پیش آ، نماز پڑھا کر، لوگوں کو بھلی بات کرنے کو کہہ، اور بری باتوں سے باز رکھ، مصیبتوں میں استواری اور مضبوطی دکھا، مغرور نہ بن، زمین پر اکڑ کر نہ چل، نیچی آواز میں باتیں کر،'' ان آیتوں سے

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ان فطری امور خیر کو بھی جن کا خیر ہونا فطرۃً تمام قوموں اور مذہبوں میں مسلم ہے اور جن کو دوسرے معنی میں اخلاق کہہ سکتے ہیں ''حکمت'' کہا گیا ہے۔

ایک اور نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تعلیم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی اہمیت کو عبادات سے بھی زیادہ بڑھا دیا ہے، اخلاق حقوق عباد، باہم انسانوں کے معاملات اور تعلقات کا نام ہے، اور عبادات حقوق اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے فرائض ہیں، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس بھائی نے دوسرے بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو تو اس (ظالم بھائی) کو چاہئے کہ اسی دنیا میں وہ اس (مظلوم بھائی) سے اس کو معاف کرالے، ورنہ وہاں تاوان ادا کرنے کے لئے کسی کے پاس کوئی درہم یا دینار نہ ہوگا، صرف اعمال ہوں گے، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔ (بخاری شریف، کتاب الرقاق)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی تکمیل تین حیثیتوں سے فرمائی ہے:

(۱) تمام اخلاقی تعلیمات کا احاطہ۔ (۲) ہر برائی اور بھلائی کے سارے جزئیات کا احاطہ۔ (۳) نرمی و گرمی، عاجزی و بلند ہمتی، دونوں قسم کے اخلاق کی تفصیل اور ان کے مواقع کی تحدید۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم یا زمانہ تک محدود نہیں، اس لئے آپ کو اخلاقی تعلیمات کا جو صحیفہ عنایت ہوا، اس کو صرف ایک قوم یا زمانہ کی اخلاقی اصلاح تک محدود نہیں رکھا گیا، بلکہ تمام قوموں اور زمانوں تک وسیع کیا

گیا، اس لئے تمام قوموں اور زمانوں میں جو برائیاں پائی جاتیں یا پائی جانے والی تھیں، ان سب کا استقصاء کرکے منع کیا گیا اور اسی طرح تمام سے روکا گیا تھا، یا جن نیکیوں کی تعلیم دی گئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک نے ان کی تمام جزئیات کا استقصاء کیا اور ان کے گوشہ گوشہ کو کھول کر روشن کردیا۔

انسان بڑا بہانہ جو اور حیلہ طلب واقع ہوا ہے، اس کے لئے اخلاقیات کے صرف کلی اصول کافی نہیں کہ وہ لفظوں کے ہیر پھیر کے سایہ میں پناہ لے، اور صرف چند رسوم کی لفظی تقلید پر قناعت کرلے، اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہر خوش اخلاقی یا بداخلاقی کے ایک جزئیہ کا استقصاء کیا جائے اور اس کی تہہ تک پہنچا جائے اور ان کے متعلق صریح احکام دیئے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات نے اس نکتہ کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی تعلیمات کو تین حصوں میں تقسیم کردیا ہے، حقوق، فضائل ورذائل اور آداب۔

اسلام کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں تک کے کچھ فرائض عائد ہیں، اور یہ وہ حقوق ہیں جنہیں ہر انسان کو اپنے امکان بھر ادا کرنا ضروری ہے، یہ حقوق اور فرائض اسلام اخلاق کی پہلی قسم ہیں۔

دوسری چیز انسان کے ذاتی چال چلن اور کردار کی اچھائی اور بلندی ہے، اس کا نام فضائل اور اس کے مقابل کا نام رذائل ہے۔

تیسری قسم کاموں کو اچھے اور عمدہ طریقہ سے بجالانا ہے، اس کو آداب

کہتے ہیں، مثلاً اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کا طور وطریق۔

انسان کو دنیا کی ہر اس چیز سے جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے، ایک گونہ لگاؤ ہے، اس لگاؤ کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی ترقی وحفاظت میں کوشش کی جائے، اس شئی سے وہ نفع اٹھایا جائے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے، اوران موقعوں پراس کو صرف کیا جائے جن میں اللہ تعالیٰ نے اس کے صرف کرنے کا حکم دیا ہے، اوراس کو ہر پہلو سے بچایا جائے جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان پہنچے، اسی ذمہ داری کا نام ''حق'' ہے، جس کوادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وفی اموالهم حق للسائل والمحروم۔ (سورۂ ذاریات:۱۹) (اوران کے مالوں میں سائل کا اوراس کا حق ہے جس پر مالی افتاد پڑی ہو۔)

والذین فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔ (سورۂ معارج:۲۵) (اوران کے مالوں میں سائل کا اوراس کا مقررہ حق جس پر مالی افتاد پڑی ہو۔)

واٰت ذاالقربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل۔ (سورۂ اسرائ:۲۶) (اورقرابت والے کواس کا حق دے اور مسکین کواور مسافر کو)

حدیث شریف میں آتا ہے: **ان لزوجک علیک حقا ولزورک علیک حقا** (بخاری: ج ۲ ص ۹۰۵) (تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے)

یہی اخلاقی تعلیم حضرات صوفیائے کرام نے عملی طور پر برت کر اسلام کی تعلیم وتبلیغ فرمائی ہے، ان کی زندگی کا نصب العین ہی بے راہ اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو حسن اخلاق سے متأثر کرنا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگیاں حسن اخلاق وکردار میں ڈھال کر اسلام کو جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویر میں پیش کیا۔ ان کی

زبان سے اور دل کے نہاں خانے سے نکلے ہوئے کلمات ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق بن کر زندگی کی کایا پلٹنے والے ہوتے ہیں۔

الحمد للہ پیر طریقت شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کو حق تعالیٰ شانہ نے مختلف و متنوع صلاحیتوں سے نوازا ہے، ظاہری و باطنی علوم میں پختگی و کمال کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی بہترین سلیقہ عنایت فرمایا ہے، بندگان خداوند قدوس کی ایک بڑی جماعت آپ والا کی تربیت اور ارشادات سے بالمشافہ استفادہ کرتی ہے، تو اہل علم و معرفت کا ایک بڑا طبقہ آپ کی تصنیفات سے فائدہ اٹھاتا ہے، جس موضوع پر بھی آپ نے قلم اٹھایا ہے، الحمد للہ اس کے تمام پہلوؤں کو اثباتاً و نفیاً خوب اجاگر کیا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں ندویؒ کی سوانح حیات اور آپ کے مضامین پر ایک کتب خانہ تیار ہو گیا ہے، لیکن حضرت شیخ المشائخ نے ''نقوش و آثار مفکر اسلام'' میں جس جامعیت اور حسن ترتیب کے ساتھ اہم مضامین کا انتخاب فرمایا اور فوائد بھی انتہائی جامع، مانع اور حسن تفہیم کا مرقع بنا کر پیش کئے اس کے سامنے دوسری تحریریں ہلکی نظر آتی ہیں۔

''معارف مصلح الامت'' کی تسہیل و توضیح کر کے شریعت مطہرہ کے اسرار و معارف کو بہترین اسلوب میں پیش کرنا بھی کارے دارد، کلام میں سادگی کے ساتھ ایسی نورانیت ہوتی ہے کہ مطالعہ میں جی لگتا ہے، حضرت کی تمام ہی تصنیفات کا عموماً یہ حال ہے۔

ماضی قریب کی تصنیف لطیف ''دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں''

کے عنوان سے ایک نہایت ہی اہم اخلاقی و دینی فریضہ کی ادائیگی کی طرف رہنمائی کرنے والی کتاب منصۂ شہود پر آ گئی ہے، جس میں موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر اہل مدارس، اہل خانقاہ، اہل دعوت و تبلیغ، اہل تصنیف وتالیف، اہل سیاست اور اہل ثروت کے متعلق اصلاحی وتربیتی قیمتی علمی سرمایہ جمع کیا گیا ہے، جو ان شاء اللہ امت کے تمام طبقات کے لئے یکساں مفید ہوگی۔

امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں الحمد للہ ہزاروں علماء، مشائخ اور صوفیائے کرام کی سیرت و کردار اور ان کے ملفوظات ومکتوبات کو ان کے تلامذہ وخلفاء نے کتابی شکل میں جمع کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے، ان سب کو پڑھنے کے لئے عمر نوح بھی شاید ناکافی ہوگی۔ لیکن ہم جیسے کم ہمتوں اور سست رواں کے لئے اللہ پاک نے ایک صاحب سیرت و کردار اور اخلاقی زندگی کا اعلیٰ عملی نمونہ رکھنے والے شیخ طریقت مشفقی و مربی حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کے ذریعہ اس مسئلہ کو آسان کر دیا، حضرت والا نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور ماہرانہ ذوق سلیم سے چودہ سو سالہ قیمتی جواہر پارے اور لعل و گہر کو سلک تحریر میں جمع فرما کر ان تک ہماری رسائی آسان فرما دی، اور بقول شخصےؒ اس عظیم تصنیف کی پذیرائی کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں یہ کتاب مقبول ہو کر ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہے، اس کے مشمولات کی اثر انگیزی نے دور حاضر کے اولیاء اللہ، صوفیاء عظام، مشائخ کرام اور عالمی شہرت یافتہ علمائے امت کو متاثر کر کے ان کو اس کی ساحرانہ اثر انگیزی کے اعتراف پر مجبور کیا ہے۔

یقیناً آپ کی شہرہ آفاق تصنیف لطیف ''اقوال سلف'' میں نفوس قدسیہ کے اقوال واحوال جس سلیقہ اور حسن انتخاب کے ساتھ مع اضافۂ فوائد کے جمع کیا ہے، بندہ کے ناقص علم کے مطابق اتنی جامعیت، نافعیت، انفرادیت، اثر آفرینی، اور مسلکی تعصب سے پاک ہوکر اختصار کے ساتھ ایسی کوئی کتاب موجود نہیں ہے، ہزاروں صفحات میں بکھرے ہوئے ان جواہر پاروں کو اپنے ماہرانہ ذوق تصنیف وتالیف کے ساتھ سلک تحریر میں لاکر اردوداں حضرات کے لئے ان تک رسائی آسان کردی، یہ ایک ایسا فرضِ کفایہ ہے جس نے ہمیں سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ سے مستغنی کردیا ہے۔

بندہ اپنے کوسراپا علم وعمل میں کوتاہ سمجھ رہا ہے، حضرت کی تصنیفات پرلب کشائی ریشم کے کپڑے پر ٹاٹ لگانے کے مرادف ہے، لیکن حضرت شیخ المشائخ کے حکم پر (جو آپ والا کی ذرہ نوازی ہے) یہ چند باتیں لکھی گئی ہیں، اخیر میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت والا کی ہرنوع سے حفاظت فرمائے، آپ کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت عطا فرما کر دارین میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے اور امت کے ہر فرد کو استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین بحرمة سيدالمرسلين صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم

اقبال محمد ٹنکاروی
دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا،
عیدگاہ روڈ بھروچ

تذکرہ

اولیاء مقربین و علماء ربانیین رحمہم اللہ تعالیٰ

الحمدللہ علی احسانہ اب ہم اصل کتاب کو شروع کرتے ہیں۔ قارئین کرام کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ:

''**اقوال سلف اول**'' میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین اور متعدد تابعین رحمہم اللہ کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

''**اقوال سلف دوم**'' میں متعدد تابعین وتابعات، تبع تابعین اور چوتھی صدی ہجری تک کے اولیاء ومشائخ کرام کے احوال ذکر کئے گئے ہیں۔

''**اقوال سلف سوم**'' میں پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول کے اولیاء ومشائخ رحمہم اللہ اور چند سلاطین ہند کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

''**اقوال سلف چہارم**'' میں آٹھویں صدی ہجری کے نصف آخر سے دسویں صدی ہجری تک کے اولیاء کرام ومشائخ عظام اور سلاطین ہند کے مختصر احوال وارشادات نقل کئے گئے ہیں۔

''**اقوال سلف پنجم**'' میں گیارہویں صدی ہجری کے مشائخ عظام اور سلاطین مغلیہ کے احوال واقوال نقل کئے گئے ہیں۔

''**اقوال سلف ششم**'' میں بارہویں صدی ہجری کے علماء کرام ومشائخ عظام اور سلاطین مغلیہ کے احوال واقوال نقل کئے جارہے ہیں۔

''**اقوال سلف ہفتم**'' کا آغاز تیرہویں صدی ہجری کے اولیاء کرام سے کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جملہ اولیاء کرام وعلماء عظام کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے۔ آمین

حضرت [ا] شاہ ابوالرضاء محمد دہلویؒ متوفی ۱۱۰۱ھ

نام ونسب: نام ابوالرضاء محمد، والد کا نام شیخ وجیہہ الدین فاروقی شہید ہے، آپ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ کے برادر کلاں ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے بڑے والد ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت غالباً ۱۰۴۵ھ یا ۱۰۴۶ھ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت: حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ایک مستقل رسالہ ''شوارق المعرفۃ'' اپنے عم بزرگوار کے حالات میں لکھا ہے جو باریک قلم سے ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور انفاس العارفین میں شامل ہے۔مگر اس میں آپ کی تعلیم کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ہے، جس سے ان کے تمام اساتذہ اور تمام کتب درسیہ کا پتہ چل سکے، بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حافظ بصیر دہلوی سے (جو عہد شاہجہانی کے بڑے جید عالم تھے) اور حضرت خواجہ عبیداللہ عرف خواجہ خرد ابن حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے تعلیم حاصل کی۔اس موقع پر حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

''فی الحقیقۃ علوم ایشاں ہمہ وہبیہ بودند'' یعنی درحقیقت ان کے تمام علوم

[ا] حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہیؒ نے ''تذکرہ شاہ عبدالرحیم وشاہ ابوالرضاء دہلویؒ'' میں آپ کے جو حالات وملفوظات ومکتوبات درج فرمائے ہیں ان میں سے اقتباس کرکے یہ مضمون پیش خدمت ہے۔اللہ تعالیٰ اصل کی طرح اس کو بھی قبول فرمائے۔آمین (قمر الزمان)

وہبی اور لدنی تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ اپنے والد ماجد شیخ وجیہہ الدین شہیدؒ کے حکم سے ایک امیر کبیر کے دربار میں ملازم ہو گئے، وہاں آتے جاتے رہے۔ آخر کار تجرید تام اور توکل کلی کا غلبہ ہوا اور ملازمت چھوڑ دی، بعد ازاں فیروز آباد کے ایک حجرے میں رہ کر پوری زندگی گذار دی۔

پیرومرشد: آپ نے راہ سلوک کو کس کی رہنمائی میں طے کی؟ اور آپ کے پیرومرشد کون تھے؟ اس سلسلے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان سے جو معلوم ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اویسی المشرب تھے، براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے روحانی فیوض حاصل کئے تھے۔

استغنائ: امراء وسلاطین سے کنارہ کش رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عالمگیرؒ جیسے دیندار بادشاہ کو بھی باوجود ان کی درخواست کے اپنی ملاقات کا موقع نہیں دیا۔ چنانچہ امراء ورؤسا کی طرف ان کو بالکل التفات نہ تھا۔ ان کے ہدایا بھی بڑی مشکل سے قبول فرماتے تھے، البتہ مخلص غرباء کے معمولی ہدایا کو جلد ہی شرف قبولیت سے نوازتے تھے۔

وعظ ودرس: آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ وعظ فرمایا کرتے تھے، وعظ کا طریقہ یہ تھا کہ شروع میں تین حدیثیں زبانی پڑھتے تھے، خوب ٹھہر ٹھہر کر۔ پھر ان حدیثوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کرتے تھے، بعدہ اس زمانہ کی اردو میں بھی ترجمہ فرماتے تھے اور ان احادیث سے متعلق جو مناسب اور ضروری تشریحات

ہوتی تھیں ان کو بھی بیان فرماتے تھے۔

شروع شروع میں تمام علوم کا درس دیتے تھے اور طالبان علم جوق در جوق آپ کی اعلیٰ استعداد اور خوبیٔ تقریر کی وجہ سے آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، آخر میں فقط دو کتابوں کا درس دیتے تھے، بیضاوی اور مشکوٰۃ المصابیح، باقی زیادہ وقت توجہ الی اللہ اور خاص مریدین سے معارف بیان کرنے میں گذرتا تھا۔

وحدت وجود کے قائل تھے اور اس مضمون میں بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ''تحقیق عظیم'' رکھتے تھے، اپنی مجالس میں صوفیائے کرام کی باریک باریک باتوں کی تشریح وتوضیح فرمایا کرتے تھے۔

جذبۂ اتباع سنت: غلبۂ عشق اور مسلک توحید وجودی کے ساتھ ساتھ اتباع سنت کا بھی انتہائی خیال رکھتے تھے، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ مسجد میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے، مسجد کے باہر کھڑے ہوجاتے، پہلے بایاں پاؤں جوتے سے نکالتے اور بائیں جوتے پر بایاں پاؤں رکھ کر دایاں پاؤں مسجد میں رکھتے تھے، مقصود اس سے یہ تھا کہ ان دو حدیثوں پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے۔

ایک مقام پر حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

''حضرت ایشاں چنداں مقید بودند کہ ہیچ ادب وسنت از ایشاں ترک نمی شد الی آخر العمر''۔ (یعنی آپ شریعت کے اتنے پابند تھے کہ آخر عمر تک کوئی مستحب عمل اور سنت کا طریقہ آپ سے ترک نہ ہوا۔)

ف: یہ آپ کی کھلی ہوئی کرامت ہے بلکہ کرامت سے بڑھ کر استقامت ہے

جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''الاستقامة فوق الکرامة''(مرتب)

ملفوظات: آپ کے بہت سے ملفوظات حضرت شاہ صاحبؒ نے نقل فرمائے ہیں جو آپ کی علمی وروحانی بلندی کو ظاہر کرتے ہیں، ان میں سے چند ملفوظات یہاں نقل کرتا ہوں۔

(۱) فرمایا: سب سے اچھی ریاضت کھانے پینے میں توسط واعتدال اختیار کرنا ہے دوام توجہ کے ساتھ، یہاں تک کہ دوام توجہ ملکہ بن جائے۔

(۲) فرمایا: جب حضوری کی کیفیت جاگزیں ہوجاتی ہے تو پھر وہ گفتگو کرنے یا اسی طرح کے مشاغل سے زائل نہیں ہوتی، ہاں! اگر علوم دقیقہ کی تعلیم وتعلم میں مشغول ہوگا تو ایک خفیف سا حجاب ضرور واقع ہوجائے گا۔

(۳) فرمایا: ایک عارف کو یہ بات نہ چاہئے کہ دوسرے عارف کے مرید کو اپنی طرف مائل کرے، اور اس کی توجہ اپنے شیخ کی طرف سے پراگندہ کردے، وہ مرید خوشامد واصرار کرے تب بھی اس کو اس کے شیخ کے سپرد کردے لیکن اگر اس کا شیخ وفات پاچکا ہو یا کہیں (دور دراز علاقہ میں) چلا گیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ف: اس مسئلہ کی نہایت عمدہ توجیہ فرمادی جو پیروں کو ملحوظ رکھنے کے لئے لازم وضروری ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں عموماً اپنی طرف متوجہ کرنے کی ہزار سعی کی جاتی ہے، جو اصول طریق کے خلاف ہے۔ (مرتب)

(۴) فرمایا: ائمہ اہل بیت کی طرف سے اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی انکار اور رد ثابت نہیں ہے، یہ بات (کہ اہل بیت کرام نے صحابہ عظام کا انکار کیا ہے)

محض بدعقیدہ لوگوں کا کذب وافتراء ہے۔

(۵) فرمایا: نجات تقلید انبیاء علیہم السلام میں مضمر ہے، انبیاء علیہم السلام کی تقلید عقائد کے اندر بغیر کسی زیادتی ونقصان کے ہونی چاہئے، جیسا کہ قدمائے اہل سنت کا مذہب ہے۔

(۶) فرمایا: ایک فاضل نے ایک صوفی سے دریافت کیا کہ صوفیاء اتنی ریاضات اور اتنے مجاہدات کیوں کرتے ہیں؟ صوفی نے جواب دیا کہ اگر تجھ سے کہا جائے کہ اتنی محنت کرے گا تو تجھے سلطنت مل جائے گی یا بادشاہ تیرے پاس آئے گا، پس تو محنت ومجاہدہ کرے گا یا نہیں؟ فاضل نے کہا: ایسی صورت میں تو ہر کوئی محنت ومجاہدہ کرے گا، صوفی نے کہا کہ بسبب ریاضات ومجاہدات، حضرت حق باعظمت الوہیت خانۂ قلوب صوفیاء میں جلوہ گر ہوجاتے ہیں، پھر وہ ریاضات ومجاہدات کیوں نہ کریں؟۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب جواب دیا جو پیش نظر رکھنے ہی کے نہیں عمل کرنے کے لائق ہے۔(مرتب)

(۷) فرمایا: لوگوں کا اولیاء کرام سے انکار کرنے کا ایک بڑا سبب شرکت مکان ہے کہ ایک محلہ میں یا ایک شہر میں سکونت رکھتے ہیں، اور شرکت زمان بھی ایک سبب ہے کہ ہمسر ومعاصر ہوتے ہیں، اور شرکت نسبت بھی ایک سبب ہے کہ وہ ولی عزیزوں میں سے ہو، عوام اکثر اس شخص کے معتقد ہوتے ہیں جو خدام بہت رکھتا ہو اور عبادت بھی زیادہ کرتا ہو، اگرچہ وہ عبادت ریا وعجب کے ساتھ ہو۔

(۸) فرمایا: علم الیقین، دھواں دیکھ کر آگ کے وجود پر استدلال کرنا

ہے، عین الیقین براہ راست آگ کو دیکھنا ہے، اور حق الیقین اپنے اندر آگ کا علم ہونا ہے، مشاہدہ عین الیقین میں ہوتا ہے، اور وصول وشہود حق الیقین میں۔

مکتوبات

اب آپ کے چند وہ مکتوبات جو اپنے خاص متعلقین کو فارسی یا عربی زبان میں لکھے ہیں ان میں سے بعض خطوط کے ترجمے درج کرتا ہوں۔

شیخ عبدالحفیظ تھانیسری کے نام

(۱) برادرار جمند عبدالحفیظ! ماسوی اللہ کی طرف التفات سے محفوظ رہیں، تمہارا مکتوب پہنچا، اس میں لکھا تھا کہ بفضل الٰہی جمعیت بے کلفت میسر آتا ہے اور عجیب کیفیت نمودار ہوتی ہے، اللہ کا شکر ہے، حق تعالیٰ اس سے زیادہ جمعیت قلب نصیب فرمائے، اور استقامت ظاہر و باطن سے مشرف رکھے، چونکہ اہل وعیال کی دیکھ بھال بھی حضرت رب العزت کا حکم ہے اس لئے یہ بھی دائرۂ طاعت وعبادت میں داخل ہے، اہل وعیال کے لئے محنت ومشقت برداشت کرنا بھی ضروری ہے، صابر رہیں، عنقریب اللہ تعالیٰ تنگ دستی کے بعد خوشحالی کا سامان مہیا فرمائے گا، باقی نصیحت یہ ہے کہ سنت کے مطابق عبادت کو لازم پکڑیں اور دوام مراقبہ کا التزام کریں۔

ف: سبحان اللہ! تعلیم میں کس قدر اعتدال تھا کہ دین ودنیا دونوں کے لئے مناسب نصیحت فرمائی۔ (مرتب)

(۲) ولایت تین قسم کی ہے، ولایت ایمانی، ولایت عرفانی، ولایت احسانی۔ ولایت ایمانی وعرفانی والا ولی قصداً گناہ کبیرہ صادر ہونے سے بھی محفوظ

نہیں ہوتا، چہ جائے کہ صغیرہ سے محفوظ ہو، لیکن ولایت احسانی والا ولی مطلقاً صدور کبیرہ سے اور عمداً صدور صغیرہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ والسلام

مولانا عصمت اللہ فاروقی مرادآبادیؒ کے نام نصیحت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام اللہ علی اخ فی اللہ عصمت اللہ امرتم بالزاد و نودی فیکم بالرحیل فھیھات الی الاٰن اشتغلتم بالقال و القیل۔

بعد سلام واضح ہو کہ

(۱) زادراہ مہیا کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے اور کوچ کی آواز لگا دی گئی ہے، مگر افسوس کہ ابھی تک تم قیل وقال میں مشغول ہو۔ (یعنی فضول ولایعنی باتوں میں مشغول ہو۔)

حاصل کن ازیں جہان فانی ہنرے
غافل منشیں ز خویش چوں بے خبرے
چوں بنشیند غبار روشن گردد
کاسپ بزیر رانت یا لاشئہ خرے

ترجمہ: اس جہاں فانی میں کوئی کمال حاصل کرلو اور بے فکر آدمی کی طرح غافل ہو کر مت بیٹھ جاؤ، جب غبار چھٹ جائے گا تب پتہ چلے گا کہ تیری ران کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا۔

(۲) نصیحت دل خفتہ را بیدار کند و دل مردہ را بے زار۔

نصیحت سوئے ہوئے دل کو بیدار کرتی ہے، مگر مردہ دل کو ناراض و بیزار

کرتی ہے۔یعنی اس کو اچھی نہیں لگتی۔

(۳) حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔

دیکھو! محاسبۂ اخروی سے پہلے پہلے اپنا محاسبہ دنیا ہی میں خود کرلو۔اس لئے وہاں اس کا موقع نہ رہے گا۔

ف: کیا ہی مؤثر ومفید نصائح ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔(مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۷رمحرم الحرام ۱۱۰۱ھ میں ہوئی۔آپ کا مزار دہلی میں ہے۔رحمہ اللہ تعالیٰ (تذکرہ شاہ ابوالرضاء دہلویؒ)

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ متوفی ۱۱۳۱ھ

نام ونسب: نام شاہ عبدالرحیم، کنیت ابوالفیض بعض تذکرہ نگاروں نے نام ہی ابوالفیض لکھا ہے۔ والد کا نام شاہ وجیہہ الدین ہے۔ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے والد ماجد ہیں۔

شاہ صاحبؒ دادیہال کی طرف سے فاروقی اور نانیہال کی طرف سے سید ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت کا سال صراحۃً نہیں ملتا ہے لیکن چونکہ انھوں نے ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی اور ۷۷ رسال کی عمر ہوئی، اس لئے سن ولادت 1054 ھ ہونی چاہئے۔

تعارف: شاہ عبدالرحیم صاحب نے علم وفضل، جرأتِ استغناء اور قناعت اپنے اسلاف سے بطور وراثت پائی تھی۔ شاہ صاحب کا دادیہالی اور نانہالی دونوں خاندان ہمیشہ صاحب عزت ووجاہت رہے ہیں، اوران کے اکثر وبیشتر افراد فضل وکمال، صلاح وتقویٰ کا نمونہ تھے، اور یہ فیض تھا دوماؤں فاروقی اور مرتضوی سے نسبت وتعلق اوراس شرابِ دوآتشہ کا۔

شاہ صاحب نے اپنے اسلاف سے علم وفضل، رشد وہدایت اور صلاح وتقویٰ کا جوخزانہ بطوروراثت پایا تھا، اس کی انھوں نے نہ صرف پوری نگہداشت کی، بلکہ اسے ہمیشہ حرز جان بنائے رکھا اوراس اصل سرمایہ میں بے بہا اضافہ بھی

کیا۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (فتاوی عالمگیری اوراس کے مؤلفین: ۵۲)

شاہ صاحبؒ نے جب آنکھ کھولی تو اپنے گھر کو علم اور دین کے تذکرے سے معمور پایا، مدتوں تک اللہ ورسول کے ذکر کے علاوہ کان میں اور کوئی آواز نہیں پڑی۔ خاندان کے بزرگوں کی موجودگی کی وجہ سے خاندان کا ماحول بھی جادۂ اسلاف سے ہٹا ہوا نہیں تھا۔ آپ کے والدین خود شب زندہ دار اور تہجد گذار تھے۔ اس لئے بچپن ہی سے ان کی عبادتوں، تہجد اور اذکار واشغال کو دیکھتے اور ان میں شریک ہوتے تھے۔ اسی ماحول میں آپ کی تعلیم وتربیت شروع ہوئی اور اسی گہوارۂ احسان وتصوف میں آپ کی روحانیت پروان چڑھی۔

ابتدائی مکتب کی تعلیم عام دستور کے مطابق گھر ہی میں ہوئی۔ جب سن شعور کا آغاز ہوا تو عربی کتابیں شروع کرائی گئیں۔ اور عربی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی شیخ ابوالرضا محمدؒ سے پڑھیں، دس سال کی عمر میں متوسطات کی تکمیل کرلی، خود فرماتے ہیں:

’’رسائل صغار تا شرح عقائد وحاشیہ خیالی بہ خدمت مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا محمد گزرانیدم‘‘۔

اس کے بعد میر زاہد ہروی کی خدمت میں جو اکبرآباد میں عالمگیر کی طرف سے محتسب تھے، پہنچے اور بقیہ کتابیں ان سے پڑھیں۔

استاد کی شفقت: شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حضرت میر زاہدؒ کے عزیز ترین تلامذہ میں تھے، حضرت میر زاہد ان کی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے ان سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ جس روز یہ مطالعہ کرکے نہیں آتے تھے اس روز بھی

ایک دوسطریں پڑھادیتے، تاکہ ناغہ نہ ہونے پائے۔ خود فرماتے ہیں:

ایشاں بامن التفات بسیار می کردند بحدے کہ می گفتم کہ امروز مطالعہ نہ کردہ ام می گفتند یک دوسطر خوانید کہ ناغہ نشود۔

استاد محترم میری طرف بیحد توجہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ میں جس دن مطالعہ کر کے نہیں آتا تھا تو فرماتے کہ اچھا دو ایک سطر پڑھ لو کہ ناغہ نہ ہو۔

درس وتدریس: شاہ صاحبؒ نے تکمیل تعلیم کے بعد ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ جس میں انھوں نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ماشاء اللہ ان کے درس میں فقہ وتصوف، کلام وفلسفہ کے علاوہ قال اللہ وقال الرسول کی آواز بھی سنائی دیتی تھی، جو ہندوستان میں ابھی عام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو قرآن وحدیث کی روشنی جس کو انھوں نے اتنا پھیلایا کہ سارا ہندوستان منور ہو گیا۔ سب سے پہلے اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ ہی کے درس سے ملی تھی۔

آپ کی دی ہوئی کئی سندیں آپ کے مجموعۂ مکتوبات میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تین چیزوں کی اجازت آپ خاص طور سے دیتے تھے، تفسیر، حدیث اور تصوف، ایک سند میں فرماتے ہیں:

اجزته لدرس التفسير والحديث۔

میں نے تفسیر وحدیث کے درس کی اجازت دی۔

دوسری سند میں فرماتے ہیں:

وتعلم منی علم التفسير والحديث والتصوف۔

مجھ سے انھوں نے علم تفسیر وحدیث اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔

روحانی تربیت: علم ظاہر کے ساتھ ہی ساتھ گھر کے ماحول میں ان کی باطنی تربیت بھی شروع ہو چکی تھی۔ اور غیر محسوس طور پر ان کی روحانیت فروغ پا رہی تھی۔ شاہ صاحب کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احسان اور تصوف سے ان کو فطری لگاؤ تھا، جس کے آثار بچپن ہی سے نمایاں ہونے لگے تھے، خود بیان فرماتے ہیں کہ میرے ماموں شیخ عبدالحیؒ اپنے لڑکوں کی حالت دیکھ کر فرماتے تھے کہ:

ترسیدم کہ سر اسلاف ما از عقب ما منقطع گردد۔	مجھے خوف ہے کہ اپنے اسلاف کا طریقہ ہمارے بعد منقطع نہ ہو جائے۔

لیکن ایک روز مجھے بڑے اہتمام سے وضو کرتے ہوئے دیکھا تو بیحد مسرور ہوئے اور فرمایا کہ:

حالا معلوم شد کہ حامل آں سرور خاندان ما بودہ است اگر در اولاد پسر نیست چہ باک در اعقاب دختری ہست۔ (انفاس: ص/۴)	اب معلوم ہوا کہ اب بھی خاندان کی لاج رکھنے والا موجود ہے، اولاد نرینہ میں نہ سہی۔ اولاد دختری ہی میں سہی۔

ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں نے بھی ان کے صلاح و رشد کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ بچہ اس راہ میں کسی ممتاز شخصیت کا مالک ہوگا۔ شاہ صاحبؒ کے مرشد حافظ سید عبداللہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا کہ جب تم چھوٹے تھے، اور لڑکوں کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے اس وقت سے میری طبیعت تمہاری طرف مائل تھی، اور میں تمہارے لئے یہ دعا کرتا تھا:

بارے خدایا ایں طفل راازاولیاء گرداں۔(انفاس)(یعنی اے اللہ اس بچے کو اولیاء اللہ میں سے بنا۔)

بارہ برس کی عمر میں آپ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، اس کے بعد سے آپ کے روحانی ذوق میں ایک غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا۔اور ذکرواذکار میں پہلے سے زیادہ دلبستگی پیدا ہوگئی۔

بیعت کا مقصد: یوں تو فطری صلاحیت کی بنا پر آپ نے احسان وتصوف کی بہت سی منزلیں طے کر لی تھیں، لیکن اس میں پختگی اور دوام کے لئے کسی ہاتھ میں ہاتھ دینے کی ضرورت تھی۔اس خواب کے بعد آپ نے بیعت کا قصد کیا، لیکن ابھی اس کی نوبت نہیں آنے پائی تھی کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبند شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں۔

اے فرزند ارادت بکسے مدہ تا آں کہ	اے صاحبزادے ارادۂ بیعت کسی سے
حضرت خواجہ ترا قبول نہ فرمایند۔	نہ کرو جب تک خواجہ تم کو قبول نہ کرلیں۔

شاہ صاحبؒ صبح کو حضرت خواجہ خرد (حضرت باقی باللہؒ کے چھوٹے صاحبزادے) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب کی تعبیر پوچھی اور تعبیر ملنے سے پہلے ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ شہر میں اس لقب (خواجہ) سے آپ کے سوا کوئی مشہور نہیں ہے۔ غالباً یہ اشارہ آپ ہی کی طرف ہے۔ اس لئے اپنی خدمت میں قبول فرمالیجئے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اس خواب میں اشارہ میری طرف نہیں ہے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔انشاء اللہ تم کو زیارت نصیب ہوگی۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ سعادت بھی نصیب ہوئی۔

کچھ روز کے بعد پھر حضرت خواجہ خردؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر دوبارہ بیعت کی درخواست کی۔ انھوں نے از راہ تواضع یہ عذر کیا کہ اتباع سنت میں متساہل ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارا قدم جادۂ شریعت سے ذرہ کے برابر بھی الگ ہو۔

بیعت کا مشورہ: شاہ صاحبؒ نے کہا کہ پھر آپ ہی مشورہ دیجئے کہ میں کس سے بیعت ہوجاؤں۔ خواجہ خردؒ نے فرمایا کہ اگر سید آدم بنوریؒ کے خلفاء میں سے کوئی مل جائے تو اس سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے حافظ سید عبداللہؒ کا نام لیا۔ خواجہ صاحبؒ نے تائید فرمائی۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے بیعت ہوئے۔ فرماتے ہیں:

باوجود آنکہ طریق اخفاء وخمول برایشاں غالب بود دراول مرۃ بیعت قبول نمودند۔ (انفاس)	اگرچہ ان پر اخفاء اور گوشہ گیری غالب تھی، مگر پہلی ہی درخواست پر انھوں نے بیعت کرلیا۔

حافظ صاحبؒ آپ کو بیحد عزیز رکھتے تھے، کبھی کوئی خدمت نہیں لیتے تھے، اگر وہ کبھی ارادہ بھی کرتے تو حافظ صاحبؒ ٹال دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ شاہ صاحبؒ خدمت کی غرض سے حاضر ہوئے۔ مرشد نے تھوڑی سی خدمت لے کر فرمایا کہ:

ایں خطرہ (خدمت) رابخاطر خود راہ ندہید کہ جمیع حقوق صحبت چہ ظاہری وچہ باطنی ہمہ عفو کردم۔	خدمت کرنے کا جو خیال لاحق ہے اسے دل سے نکال دو میں نے ظاہری وباطنی ہر طرح کی خدمت سے تمہیں بری کردیا ہے۔

اسی دوران آپ کی آمد ورفت حضرت خواجہ خردؒ کے پاس بھی ہوتی رہی، اور ان سے بھی استفادہ اور صحبت کا سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ شاہ صاحب آپ سے باقاعدہ بیعت نہ تھے لیکن ان کی صحبت سے پورا فائدہ اٹھایا۔ خواجہ صاحبؒ کی حیثیت تقریباً مرشد کی تھی۔ مگر انھوں نے شاہ صاحب سے ہمیشہ عزیزانہ برتاؤ رکھا۔

خلیفہ ابوالقاسمؒ: حافظ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کو کسی دوسرے مرشد کی تلاش ہوئی۔ کسی نے ابوالقاسم اکبرآبادی کا ذکر کیا۔ شاہ صاحب اکبرآباد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کی بڑی پذیرائی کی، اور بہت شفقت اورعنایت سے پیش آئے۔ اورآپ کی تربیت میں خاص توجہ فرمائی، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

تا آنکہ بعض قدیماں برمن حسد می بردند۔	یہاں تک کہ بعض قدیم لوگ حسد کرنے لگے۔

حضرت خلیفہ کوآپ سے اس قدر تعلق خاطر تھا کہ جب شاہ صاحب کو بیعت وارشاد کی اجازت دی تو ایک بڑی دعوت کی جس میں بہت سے خواص وعوام شریک ہوئے اوراس مجمع کے سامنے حضرت خلیفہ نے شاہ صاحب کے سر پر دستارِ ارشاد وخلافت باندھی۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کوبھی مرشد سے بڑی محبت تھی، خودفرماتے ہیں کہ حضرت خلیفہؒ مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''درویشاں شہر راز یارت کنید'' (شہر کے دوسرے بزرگوں سے بھی ملاقات کیا کرو۔) لیکن میں اس سے اس لئے پس وپیش کرتا تھا کہ مرشد سے تعلق کی یکسوئی میں فرق نہ آجائے۔ (انفاس العارفین)

طبابت بطور ذریعۂ معاش: شاہ صاحب کے خاندان میں امراض روحانی کے علاج کے ساتھ ساتھ جسمانی امراض کے معالجہ کا بھی سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا، خود شاہ صاحب نے اس کی تکمیل کی تھی اوراس میں مہارت حاصل کی تھی۔

ایک مرتبہ بارسہ کے دیہات میں گئے ہوئے تھے، وہاں ان کے سامنے کسی مریض کا قارورہ لایا گیا۔انھوں نے دیکھ کرنسخہ تجویز کردیا۔اس وقت ایک ہندو وید موجود تھا۔اس نے کہا کہ آپ نے مرض کی تشخیص اچھی طرح کرلی ہے یا نہیں؟ شاہ صاحب مسکرائے اور فرمایا، یہ عورت کا قارورہ ہے، اسے فلاں فلاں بیماری ہے، اوراس کے اسباب یہ ہیں، اس وید نے پھرآپ سے پوچھا کہ یہ کس کتاب میں ہے۔شاہ صاحب نے فرمایا۔

''ایں طب نیست فراست صادقۂ محمدیان است''۔(انفاس)

ترجمہ: یہ کسی طب کی کتاب میں نہیں ہے بلکہ فراست امت محمدیہ ہے۔

شاہ صاحبؒ کے بعد بھی یہ فن آپ کے خاندان میں علمی حیثیت سے باقی رہا۔مگر عملی حیثیت سے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا سلسلہ بند کردیا۔شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ملفوظات میں ہے۔

حکمت ہم درخاندان مامعمول بود،	طبابت ہمارے خاندان کا معمول تھا
چنانچہ جد بزرگوار وعم فقیر (غالباً شاہ	چنانچہ میرے دادا اور چچا علاج کیا
اہل اللہ صاحب) دوامی کردند والد	کرتے تھے، مگر والد ماجد نے
ماجد بندہ موقوف ساختہ۔	اسے موقوف کردیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی دقت نظر تطبیق بین المسائل کی خصوصیت

میں بڑی حد تک شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی متوازن ذہنیت اور تربیت کا بھی ہاتھ تھا۔ خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے کئی جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے۔

متن قرآن کی تعلیم: ہندوستان میں علم دانائی اور معقولات کے مقابلہ میں دوسرے دینی علوم کی حیثیت ہمیشہ ثانوی رہی ہے اور اس سے بہت کم اعتناء کیا گیا، دسویں صدی ہجری میں حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ کے فیض سے حدیث کا چرچا تو عام ہوا مگر قرآن ابھی بیضاوی اور کشاف ہی کے ذریعہ سمجھا جارہا تھا۔ متن قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا رواج ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ ہندستان کے علماء میں شاہ عبدالرحیم صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن کو فلسفہ اور منطق کے سہارے کے بغیر پڑھا پڑھایا، اور ہندوستان میں اس سنت حسنہ کو زندہ کیا، ان کے بعد ان کے خانوادہ نے اس طریقہ کو اپنے ترجموں اور درس وتدریس کے ذریعہ عام کردیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

غالباً در حلقۂ یارانِ بیروں از تلاوت ہرروز دورکوع بہ تدبر وبیان معانی می خواندند۔	اکثر باہر سے آئے ہوئے دوستوں سے ملاقات کے بعد روزانہ دورکوع قرآن پاک پاک کی تلاوت الفاظ ومعانی پر تدبر کے ساتھ معمول تھا۔ (انفاس:۸۶)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ جہاں اپنے اوپر انعام الٰہی کا ذکر کرتے ہیں وہاں اپنے والد کے اس طریقۂ درس کو اپنے لئے نعمت عظمیٰ اور فتح عظیم فرماتے ہیں۔

جزءلطیف میں ہے:

از جملہ منن عظمیٰ بریں ضعیف آں	اللہ تعالیٰ کے جو عظیم احسانات اس بندہ

بود کہ چند بار در مدرسہ قرآن عظیم	پر ہیں اس میں ایک بڑا احسان یہ ہے
با تدبر بہ خدمت ایشاں حاضر	کہ والد کے مدرسہ قرآن کے درس میں
شدم وایں معنی سبب فتح عظیم	حاضر ہوتا جس سے اللہ تعالیٰ نے معانی
افتاد۔(انفاس:۲۰۳)	کے دروازے کھول دیئے۔

فتاویٰ عالمگیری: اس فتاویٰ کی تالیف میں ملا حامد کے معاون کی حیثیت سے شاہ صاحب بھی شریک تھے، گو بعض سیاسی اسباب کی بنا پر وہ زیادہ دنوں تک معاون نہ رہ سکے، پھر بھی جتنے دنوں معاون رہے بڑے مفید اور قیمتی اضافے کئے۔مگر کچھ ہی دنوں کے بعد اس خدمت سے معذوری نہیں بلکہ معزولی ہوگئی۔

(فتاویٰ عالمگیری اوراس کے مؤلفین)

مسلک: شاہ صاحب ہر چیز میں اعتدال اور توسط کو پسند کرتے تھے اور مختلف مسائل میں فریق بن کر اختلاف کو بڑھانے کی بجائے ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔شاہ صاحب یقیناً صوفی تھے، مگر تصوف میں بھی ان کی راہ تقشّف وتقید کے درمیان تھی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

در ہر امر توسط دوست می داشتند	ہر معاملہ میں اعتدال اور توسط کو پسند
نہ چنداں در تنسک وتعمق فرورفتہ	کرتے تھے، نہ تو تقشّف اختیار کرتے
بودند کہ بہ رہبانیت کشد ونہ	تھے کہ رہبانیت تک پہنچ جائے اور نہ
چنداں ترک تقید بآداب مترسل	اتنی آزادی اختیار کرتے کہ امور شرعی
بودند کہ تہاون میل کند۔	میں کوتاہی ہونے لگے۔

اس طرح تصوف یا فقہ کے جتنے طریقے ہیں، ان میں کسی طریقہ کو اس حد تک پڑھنے پڑھانے یا ترجیح دینے کو جس سے دوسرے کی تنقیص ہونے لگے بہت ناپسند کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

باربار از فحوائے کلام حضرت ایشاں معلوم شد کہ تفضیل صاحب طریق دیگر لاسیما بر وجہے کہ بمنقصت مفضول مفضی باشد مکروہ می داشتند۔	بار بار ان کی باتوں سے یہ پتہ چلتا تھا کہ کسی خاص طریقہ کی ایسی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے طریقہ کی تنقیص ہوتی ہو اسے ناپسند کرتے تھے۔

ف: یہی مسلک اعتدال حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے اختیار کرنے کی اور عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

اخلاق وعادات: شاہ صاحبؒ اخلاق وعادات میں اسلاف کی یادگار تھے۔ مزاج میں سادگی اور طبیعت میں صفائی اور بے تکلفی تھی۔ نشست و برخاست، گفتگو وملاقات، تعزیت وتہنیت، لین دین، خرید وفروخت، تواضع وانکساری، امداد واعانت غرض اپنی زندگی کے ہر کام میں وہ بہتر نمونہ تھے، اور ان کا کوئی کام حکمت سے خالی اور سنت نبوی کی پیروی یا خدمت خلق کے جذبہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے:

کار عاقلاں وحکیماں آنست کہ استیفائے لذت فقط مقصود	عقلمندوں اور حکمت رکھنے والوں کا کام یہ ہے کہ فقط لذت کے لئے کوئی کام نہ

نباشد بلکہ باید کہ آں درضمن دفع حاجتے یا اقامتے فضیلتے یا ادائے سنت واقع شود۔

کریں بلکہ اس کے ذریعہ سے کسی اچھے کام یا ادائے سنت یا خدمت خلق کا جذبہ اس میں ہو۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: کسی شخص کو سنت یا شرعی تعامل کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھتے تھے تو بڑی نرمی اور شفقت سے منع کرتے تھے۔ انفاس میں ہے:

اگر نصیحت می خواستند نہایت رفق و لین ادا می نمودند۔

اگر کسی کو نصیحت کرتے بڑی نرمی سے کرتے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی نصیحت لوگوں پر بہت جلد اثر انداز ہوجاتی تھی۔

آپ کے ایک ملنے والے کو جو علم و فضل سے بھی بہرور تھے، فضول گوئی کی عادت تھی، شاہ صاحب نے ایک دن ان سے بڑی شفقت سے فرمایا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق چاہتے ہو تو اس عادت کو ترک کردو۔ ورنہ اس دربار سے فیض نہیں پہنچ سکتا، آپ کی یہ بات ان کے دل میں گھر کرگئی اور انھوں نے وہ عادت چھوڑ دی۔

اگر کسی کو نیک بات کی تلقین کرتے تو اس میں ملائمیت (نرمی) کے ساتھ ساتھ مخاطب کی صلاحیت کا بھی لحاظ رکھتے تھے۔

عام فائدہ کے لئے جمعہ کے دن وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس میں احباب بھی شرکت کرتے تھے۔ زیادہ تر

مشکوٰۃ، تنبیہ الغافلین، غنیۃ الطالبین اور آخر میں تفسیری وعظ کا معمول تھا۔

آپ کے احباب ملنے آتے تو رخصت کرتے وقت ان کے سامنے یہ شعر بطور وصیت پڑھا کرتے تھے۔

آسایش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است   با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ترجمہ: دونوں جہان کی آسائش ان دو حرفوں کی تفسیر ہے، دوستوں کے ساتھ تلطف اور دشمنوں کے ساتھ مدارات کا سلوک کرو۔

خانہ داری کی ضروری خرید وفروخت خود کرتے، باوجود تنگی کے زندگی بھر کبھی قرض نہیں لیا۔ اور تعیش و تنعم کے لئے جو لوگ قرض لیتے تھے، ان کو بیحد ناپسند کرتے تھے، اور اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کھانے پینے میں مشتبہات سے بھی گریز کرتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے آپ کے اخلاق وعادات کے متعلق جستہ جستہ بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک جگہ جامع طور پر لکھتے ہیں:۔

حضرت ایشاں باخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت وفراست وکفایت وغیرت بدرجۂ اتم متصف بودند، عقل معاش مثل عقل معاد کامل ووافر داشتند ودر ہر امر توسط دوست می داشتند۔

حضرت والد صاحب اعلیٰ اخلاق مثلاً شجاعت، فراست، قناعت اور غیرت ایمانی وغیرہ سے متصف تھے، عقل معاد کے ساتھ عقل معاش بھی بدرجۂ اتم رکھتے تھے، ہر معاملہ میں اعتدال وتوسط اختیار کرتے تھے۔

کرامت و بزرگی: حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ محمد زاہد صاحبؒ کے پاس

حضرت شیخ سعدی شیرازی کے یہ دو شعر پڑھ رہے تھے ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست　　جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت ست

سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق　　علمے کہ رہ بہ حق نہ نماید جہالت ست

ترجمہ: دوست یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کے علاوہ جو کچھ تو کرتا ہے عمر کو ضائع کرتا ہے اور اے سعدی! غیر حق کے نقش کے علاوہ ہر نقش کو دھو دے۔ اور ہر وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی راہ نہ دکھائے جہالت ہے۔

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو چوتھا مصرعہ علمے کہ رہ حق الخ، یاد نہیں آرہا تھا اس وجہ سے بہت دل تنگ ہو رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کمبل اوڑھے ظاہر ہوا جب شاہ صاحب تیسرا مصرعہ پڑھ چکے تو اس شخص نے برابر سے نکل کر چوتھا مصرعہ پڑھ دیا بس سنتے ہی کھل گئے اور دوڑ کر مصافحہ کیا، پوچھا آپ کا اسم شریف؟ اس کمبل اوڑھے شخص نے کہا کہ ''فقیر را مصلح الدین شیرازی می گویند'' یعنی فقیر کو مصلح الدین شیرازی کہا جاتا ہے اور یہ شیخ سعدی کا لقب ہے تو عالم یقظہ میں حضرت شیخ سعدی کی روح نے متمثل ہو کر چوتھے مصرع کو بتادیا۔

ف: اس واقعہ کو حضرت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ برابر سناتے تھے اور حاضرین کو محظوظ و مسرور فرماتے تھے۔ (مرتب)

عبادت اور ذکر و اشغال: ذکر و فکر، طاعت و عبادت، صلاح و تقویٰ کے اعتبار سے شاہ صاحب کی زندگی نمونہ تھی، انھوں نے فرائض کے علاوہ نوافل و مستحبات میں بھی اپنا جو معمول بنا رکھا تھا، ان پر ہمیشہ قائم رہے، اور عذر شرعی کے علاوہ انھیں کبھی ترک نہیں کیا۔ ان کی زندگی کا اصول تھا کہ ''الاستقامۃ خیر

من الکرامۃ" (احکام الٰہی پر) استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔

تہجد، اشراق اور چاشت کا خاص اہتمام تھا، لیکن تہجد میں رکعتوں کی تعیین نہیں تھی۔ بلکہ حضور قلب اور نشاط کے ساتھ جتنی رکعتیں ہو جایا کرتی تھیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ نماز مغرب کے بعد نفل نمازیں والدین اور بڑے بھائی کے ایصال ثواب کے لئے پڑھتے تھے۔

تلاوت قرآن روزانہ کا معمول تھا اور اسے بڑی خوش الحانی، سوز و گداز اور تجوید کے ساتھ پڑھتے تھے۔ دن میں ایک ہزار بار درود شریف اور ایک ہزار نفی اثبات، بارہ ہزار مرتبہ اسم ذات کا ورد کیا کرتے تھے اور گیارہ بار سورۂ مزمل اور گیارہ سو بار "یا مغنی" غناء ظاہری کے لئے پڑھتے تھے۔ درود شریف سے خاص عشق تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔

"ہرچہ یافتم بہ برکت درود مجرد یافتم" میں نے جو کچھ پایا صرف درود کی برکت سے پایا۔

ارشادات

شاہ صاحب کے ملفوظات اور مکتوبات میں سیکڑوں حکیمانہ جواہر پارے بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔

آداب مجلس کے متعلق فرماتے تھے کہ:

جو بات جمہور کے خلاف ہو، اسے ہرگز مجلس عام میں نہ کہو، اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ لوگ رد و قدح کریں گے اور مجلس میں تکدر پیدا ہوگا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ:

مجلس عام میں کسی کی کھلم کھلا تردید نہ کرو۔

فرمایا کہ: جو لوگ تم سے کم مرتبہ کے ہیں، وہ اگر پہلے سلام کریں تو اس کو اللہ کی نعمت سمجھو اور اس پر اس کا شکر ادا کرو اور ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آؤ، اور اس کی مزاج پرسی کرو، اس لئے کہ بسا اوقات ایک ادنیٰ التفات جس کی تمہارے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے، لیکن ان کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہوتی ہے۔ پس اگر وہ تمہاری طرف سے توجہ نہ پائیں گے تو رنجیدہ ہوں گے۔

فرمایا کہ: اگر تم کو کسی سے کوئی ضرورت پیش آجائے تو عمدہ پیرائے سے اس کا اظہار کرو۔ یہ نہ ہو کہ بات پتھر کی طرح مارو۔

فرمایا: بڑوں سے گفتگو کرنے میں مغلق، مختصر اور آہستہ بات نہیں کرنا چاہئے تاکہ مخاطب کو کلفت نہ ہو۔

فرمایا: آدمی کا لباس اور اس کی وضع ایسی ہونی چاہئے جس سے اس کے صفت وخصوصیت کا پتہ چل جائے، مثلاً اگر کوئی فقیہ یا فلسفی ہے تو اس کو انھیں جیسا لباس پہننا چاہئے اور انھیں جیسی زندگی گذارنی چاہئے، اگر کوئی درویش ہے تو اسے اہل فقر ہی جیسا لباس اور انھیں جیسا رہن سہن اختیار کرنا چاہئے۔

(انفاس العارفین:۱۸٦)

آپ کی باتوں اور عمل سے اکثر و بیشتر یہ مترشح ہوتا تھا کہ کسی ایک بزرگ کو دوسرے بزرگ پر فضیلت یا ترجیح دینے کو (خاص طور پر اس انداز سے کہ کسی کی تنقیص مقصود ہو) آپ ناپسند فرماتے تھے۔

ف: مگر آج کل اپنے شیخ کی تفضیل اور دوسرے مشائخ کی تنقیص وتحقیر کو اپنی

تکمیل کا زینہ سمجھا جاتا ہے اور عموماً مشائخ بھی اس پر روک ٹوک نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ وباء عام ہوتی جارہی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

نیز آپ فرماتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا بہت مشکل ہے، حالانکہ حقیقت میں ان کے ساتھ جتنی بھی نیکی کی جائے وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں، لیکن میرے نزدیک یہ بہت آسان ہے، کیونکہ والدین تو معمولی دلجوئی سے بھی انتہائی مسرور ہوجاتے ہیں اور اولاد کے معمولی حسن برتاؤ کو بھی انتہائی پدری شفقت کے سبب بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں۔

(انفاس العارفین:۱۸۶)

ف: واقعی یہ ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا، شفقت پدری کا یہی حال ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ عموماً اولاد میں ان کی محبت ومروت اور ان کی خدمت کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے جس کا وبال بھی سامنے آرہا ہے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ (مرتب)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: حضرت والد ماجد کے مخلصین میں سے ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ لوگوں میں رہ کر زندگی کیسی گذارنی چاہئے؟ تو والد صاحب نے ارشاد فرمایا: ”**کن فی الناس کاحد من الناس**“ یعنی لوگوں میں ان کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے گذران کرو۔ (انفاس العارفین:۱۸۰) یعنی ان کے ساتھ دوستی ومساوات کا طریقہ ومعاملہ رکھو نہ کہ بڑائی وبرتری کا۔ یقینا بہت ہی جامع تدبیر ونصیحت ارشاد فرمائی جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: اس فقیر کو والد صاحب اپنی مجلس اور صحبت میں دنیوی معاملات کے طریقے اور حکمت عملی کی باتیں سمجھاتے تھے، ان میں سے چند یہ ہیں۔

فرماتے تھے: مجلس میں کسی کی برائی نہ کیا کرو، یعنی یہ نہ کہو کہ یورپ والے ایسے ہیں، پنجابی ایسے ہیں، افغانی ایسے ہیں اور مغل ایسے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس قوم کا کوئی فرد بیٹھا ہوا ہو یا اس علاقہ کا کوئی باحمیت آدمی موجود ہو، اور وہ اسے برا سمجھے جس کی وجہ سے مجلس بے مزہ ہوجائے۔

نیز فرماتے تھے کہ عوام کے خلاف ہرگز کوئی بات زبان پر نہ لانی چاہئے، خواہ کتنی ہی سچی اور صحیح کیوں نہ ہو، اس لئے کہ ہوسکتا ہے اس کی وجہ سے سب کے سب ناراض ہوجائیں اور مجلس بدمزہ ہوجائے۔(انفاس العارفین:۱۸۶)

ف: سبحان اللہ! کتنی حکمت اور تجربہ کی باتیں ہیں جن کو پیش نظر رکھنا ہم سب کیلئے لازم ہے۔ اس لئے کہ ایسی بے احتیاطی سے فساد برپا ہوجاتا ہے۔(مرتب)

نیز فرماتے تھے کہ بعض دوستوں کی محبت کا سبب ان پر تیری فضیلت اور تجھ سے ان کی ضروریات کی وابستگی میں پنہاں ہوتا ہے، اس لئے ہر دوست کی حیثیت پہچانی چاہئے اور سب کو ایک ہی مقام نہ دینا چاہئے، اور دوست پر اس کی حیثیت سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔(انفاس العارفین:۱۸۷)

مکتوبات

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے مکتوبات کا ایک مختصر مجموعہ ہے جس کو حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ نے مرتب کیا ہے۔

اس کی ابتداء اس مشہور حدیث سے کی گئی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لایرحم اللہ من لایرحم الناس۔ (مشکوٰۃ:۴۲۱)

اللہ تعالی اس شخص پر اپنی رحمت نازل نہیں فرماتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔

اس کے بعد دوسری حدیث لکھی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمائ۔ (مشکوٰۃ:۴۲۳)

رحمٰن جل شانہ ان لوگوں پر رحمت فرماتا ہے جو اس کی مخلوق پر ترحم وشفقت کرتے ہیں، تم زمین پر بسنے والے تمام انسانوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا۔

اس حدیث میں تمام انسانوں پر رحم کرنے کو فرمایا گیا ہے، چاہے وہ نیک ہوں یا بد، بدوں پر رحم کرنا یہ ہے کہ ان کو بدی سے باز رکھا جائے، یا یہ مطلب ہے کہ جو بھی قابل رحم ہو اس پر رحم کرو، کوئی بھی ہو، "**من فی السمائ**" میں آسمان کی تخصیص اللہ تعالیٰ کے کمال وسعت اور ارتفاع کی بنا پر ہے، یا "من فی السمائ" سے ملائکہ مراد ہیں کہ وہ رحم کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی درخواست کرتے ہیں، یا یہ مراد ہے کہ ملائکہ رحم کرنے والوں کی، شیاطین جن وانس سے حفاظت کرتے ہیں، (یہ حفاظت کرنا گویا رحم کرنا ہے)

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: اے طالب قرب الٰہی اور اے قاصد

سعادتِ دنیا وعقبیٰ، اللہ کے بندوں پر شفقت کرنا خاصۂ حضرت خداوندی ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی صفات کاملہ میں سے ایک صفت ہے، پس تو اس امر کی کوشش کر کہ سورج کی طرح ہر نیک و بد پر چمکو، مخلوق کی بداخلاقی کو برداشت کر اور ان سے رحمت وشفقت کو موقوف نہ کر۔

حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خیر الناس من ینفع الناس'' (کنز العمال: ج۱۶/ص۱۲۸) لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اور اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کی نصرت وحاجت روائی فرماتا ہے۔

اس کے بعد ان دو عورتوں کا ذکر کیا ہے جن کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ ان میں ایک عورت نیک اور پارسا تھی، لیکن ایک بلی کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب ہوا، اور دوسری عورت جو نیک چلن نہیں تھی، ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے اجر وثواب دی گئی اور بخشی گئی۔

پھر کچھ عبارت کے بعد فرماتے ہیں:۔

آخر اس دار فنا کو چھوڑنا ہے اور دار جزاء وبقا میں پہنچنا ہے، لہذا انفسانیت اور تکبر کو اپنے اندر سے نکال کر پھینک دو اور اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے غفار ہونے پر نظر رکھو، جہاں تک ہو سکے لوگوں کے دلوں کو راحت پہنچاؤ اور مخلوق سے ترحم وشفقت کا معاملہ کرو، اور اپنے آپ کو بری صفات سے علیحدہ رکھو، اے طالب مولیٰ! غور کرو کہ ایک حیوان کو راحت پہنچانے کی وجہ سے ایک جہنمی کو جنتی کر دیا گیا، اگر انسان کو راحت پہنچانے سے

حضرت رحمٰن تجھ کو اپنا مقرب بنا لیں تو کیا بعید ہے؟ اور ایک حیوان کو تکلیف پہنچانے سے ایک انسان دوزخ میں پہنچا تو اگر کسی بندہ کے دل کو جو کہ حرم انوار حق اور محل اسرار الٰہی ہے، کوئی شخص تکلیف پہنچائے اور اس کے نتیجے میں اسفل سافلین میں گر جائے تو کیا تعجب ہے؟۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیکس بوڑھیوں کا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے رحمت کے سو حصوں میں ایک حصہ تمام حیوانات اور مخلوق کو تقسیم فرما دیا ہے، جس کی بنا پر مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی اور ان کی پرورش کرتی ہیں، اور سم والا جانور اپنی ٹاپوں اور سم سے اپنے بچے کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کو ایذا سے بچاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے رحمت کے باقی ننانوے حصے اپنے پاس محفوظ رکھے ہیں۔ (مشکوٰۃ: ۲۰۷)

ف: حضرت مجدد الف ثانیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ رحمت کے ننانوے حصے امید ہے کہ امت محمدیہ کے گنہ گاروں کو کام آئیں گے، اس لئے کہ "امة مذنبة ورب غفور" یعنی امت اگر گنہ گار ہے تو رب غفور ہے۔) (مرتب)

زوجۂ شیخ محمدؒ ام عبداللہ پھلتی یعنی اپنی خوش دامن کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حامداً ومصلیاً۔ امابعد! سالکۂ طریقت، طالبۂ حقیقت ام عبداللہ، اللہ ان کو ذاکرات، واصلات، قانتات اور عابدات میں سے کردے، اور مقام فنا وبقاء سے کیف عطا فرمائے، بعد سلام خیر انجام مطالعہ کریں، اشغال ظاہرہ میں اتنی

مشغول نہ ہوں کہ احوال باطنہ کی بلندی سے باز رہیں، دل بیدار حاصل کرو، راہ خدا میں مؤنث و مذکر (عورت ومرد) ہونے کو کوئی دخل نہیں ہے، جو عورتیں عشق خدا رکھتی ہیں وہ درحقیقت (ہمت کے اندر) مثل مرد کے ہیں، اور جو مرد عشق الٰہی سے بے تعلق ہیں وہ عورتوں سے بھی بدتر ہیں۔

ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں:۔

سید السند! فیض حق نا گاہ پہنچتا ہے مگر کہاں پر پہنچتا ہے؟ دل آگاہ پر، دلِ آگاہ کی علامت کیا ہے؟ ذکر خدا سے دل میں نور وسرور کا داخل ہونا اور دارالغرور (دنیا) سے دور رہنا، بیشک لذتِ یادِ حق تمام لذتوں سے لذت تر ہے جس نے یہ ذائقہ چکھا اس نے چکھا، اور جس نے بات کو سمجھا اس نے سمجھا، اور جس نے نہیں سمجھا اس نے نہیں جانا۔

شیخ محمد پھلتیؒ کو ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

جس کے دو دن مساوی حالت میں گذر جائیں (اور کوئی ترقی نہ ہو) وہ خسارے میں ہے، پس چاہئے کہ کوئی سانس غفلت کے ساتھ نہ آئے، اور کمیت وکیفیت اور نسبت میں زیادتی واضافہ کی پوری پوری کوشش کی جائے، اگر عمر نوحؑ اس میں صرف ہو جائے تب بھی اس کا حق ادا نہ ہوگا۔ متفرق اشغال اور اوراد سے دست برداری ہونی چاہئے اور پوری عزیمت اور قوت کے ساتھ ہمیشہ نسبت کی جانب متوجہ رہا جائے۔

اصول پنجگانہ: اصول پنجگانہ جو اس فقیر کو القاء ہوئے ہیں ان کی ادائیگی میں صرف ہمت کرنا چاہئے، وہ اصول پنجگانہ یہ ہیں:

(۱) دوام ذکر۔(۲) ہر حال میں تقویٰ۔(۳) عام مخلوق خدا کو بغیر تفریق ملک وملت نفع پہنچانا۔(۴) اپنے نفس کو کسی پر فضیلت وترجیح نہ دینا۔(۵) امر اللہ اور خلق اللہ سے تواضع کا معاملہ کرنا۔(انفاس رحیمیہ،مؤلفہ شاہ اہل اللہ صاحبؒ)

ف: یقیناً آپ کا ہر مکتوب راہ سلوک کے لئے شمع رہنما ہے،لہذا سالکین راہ کو بغور مطالعہ کرنا چاہئے اور عمل کے لئے مستعد ہونا چاہئے۔خصوصاً اخیر میں جو اصول پنجگانہ بیان فرمائے ہیں وہ درحقیقت اصول طریق ہی نہیں بلکہ اصول دین بھی ہیں جو کتاب وسنت سے مؤید ومبرہن ہیں جن کا پیش نظر رکھنا ہر شخص کے لئے لازم وضروری ہے۔(مرتب)

وفات: آپ کی وفات بروز چہارشنبہ ۱۲؍صفر ۱۱۳۱ھ میں ہوئی اور تدفین دلی دروازہ کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی جو مہندیان کہلاتا ہے،جو دہلی شہر میں واقع ہے۔نور اللہ مرقدہ۔

اولاد: شاہ صاحب کی دو شادیاں ہوئی تھیں،پہلی زوجہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کس کی صاحبزادی اور کس خاندان سے تھیں،ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ صلاح الدین پیدا ہوئے تھے۔جب شاہ صاحب کی عمر ساٹھ برس کی ہوئی تو بعض غیبی بشارتوں کی بنا پر انھوں نے دوسری شادی محمد پھلتی کی صاحبزادی سے کی،انھیں نیک بخت خاتون کے بطن سے دو صاحبزادے شاہ ولی اللہؒ اور شاہ اہل اللہؒ صاحبان پیدا ہوئے،جو ہندوستان میں اسلامی علوم وعرفان کے سرچشمہ بنے۔(فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین:ص؍۸۹)

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ[1] متوفی ۱۱۷۶ھ

نام ونسب: نام شاہ ولی اللہ، والد کا نام شیخ عبدالرحیم بن شہید وجیہہ الدین ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اسی لئے آپ فاروقی النسل کہلاتے ہیں۔ آپ کے آباء واجداد میں غالباً شیخ شمس الدین سب سے پہلے ہندوستان آئے، اندازہ ہے کہ آپ ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں صدی کے اوائل میں آئے ہوں گے۔

ولادت: آپ کی ولادت چہارشنبہ کے دن ۴؍شوال المکرم ۱۱۱۴ھ کو طلوع آفتاب کے وقت ہوئی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی عمر ساٹھ سال تھی، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو اس مبارک فرزند کی ولادت سے پہلے بہت مبشرات نظر آتے تھے جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئے۔

تعلیم: شاہ صاحب کی عمر جب پانچ سال کی ہوئی تو مکتب میں داخل ہوئے، سات سال کی عمر میں ختنہ ہوا، اور اسی وقت سے نماز کی عادت ڈال دی گئی تھی۔ اسی سال کے اخیر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت ہوئی اور فارسی کی کتابیں

۱؎ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ پنجم مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ جو حضرت شاہ صاحب کی مکمل سوانح ہے زیادہ تر اسی سے ان کے ارشادات وحالات درج کرتا ہوں۔ (مرتب)

اورعربی کے مختصرات پڑھنا شروع کئے۔اور کافیہ ختم کی، دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی، چودہ سال کی عمر میں بیضاوی شریف کا ایک حصہ پڑھا، پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان میں رائج علوم متداولہ سے فراغت کی، والد صاحب نے اس خوشی میں بہت بڑی دعوت کی اور بڑے پیمانے پر کھانا تیار کیا جس میں خواص وعوام شریک ہوئے۔

والد ماجد کی شفقت: شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی شفقت میرے حال پر ایسی تھی کہ کم کسی باپ کی بیٹے پر، کسی استاد کی شاگرد پر اور کسی شیخ کی مرید پر ہوگی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی تربیت کا انداز بھی بڑا حکیمانہ تھا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز زمانۂ طفولیت میں احباب واعزہ کی ایک جماعت کے ساتھ باغ کی سیر کو چلا گیا، جب واپس آیا تو والد صاحب نے فرمایا: ولی اللہ! تم نے اس دن رات میں وہ کیا حاصل کیا جو باقی رہے؟ ہم نے اس مدت میں اتنا درود پڑھا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرا دل باغات کی سیر وتفریح سے بالکل سرد ہوگیا، اس کے بعد پھر اس کا شوق پیدا نہیں ہوا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب مجھے حکمت عملی، آداب مجلس اور تہذیب ودانشمندی کی باتیں بہت سکھاتے تھے، اور اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است　　با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

فرماتے تھے کہ مجھے ہدایت فرمائی کہ جو لوگ مرتبہ میں کم ہوں ان سے ہمیشہ سلام میں سبقت کرنا اور ان سے ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور ان کی

خیریت دریافت کرنا اوراس کو معمولی بات نہ سمجھنا۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ می تواں خرید　　　خوباں در ایں معاملہ تقصیر می کنند

ترجمہ: یعنی دل کے سیکڑوں ممالک کوایک گوشۂ چشم سے خریدا جاسکتا ہے مگرافسوس کہ محبوب لوگ اس معاملہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔

بیعت وخلافت: حضرت شاہ صاحب خودفرماتے ہیں کہ والد صاحب ہی سے چودہ سال کی عمر میں بیعت کی اوراشغال صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوا، توجہ وتلقین حاصل کی، والد صاحب نے آداب طریقت کے ایک حصہ کی تعلیم دی، اورخرقہ پہنایا، شاہ صاحب کی عمر سترہ سال کی تھی کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، آپ نے مرض موت میں بیعت وارشاد کی اجازت دی اور بار بار فرمایا ''یدہ کیدی'' اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے۔

شادی: حضرت شاہ صاحب کی عمر چودہ سال کی تھی کہ والد ماجد نے آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبیداللہ صدیقی پھلتی کی صاحبزادی سے کردی، ان زوجہ محترمہ سے آپ کے بڑے صاحبزادہ شیخ محمدؒ پیدا ہوئے جنھوں نے آپ ہی سے تعلیم پائی۔

دوسرا عقد: شاہ صاحب کا دوسرا عقد پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد سید ثناء اللہ صاحبؒ کی صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوا جو سونی پت کے رہنے والے تھے اور سید نا ناصرالدین شہید سونی پتیؒ کی اولاد میں تھے۔

ان زوجہ محترمہ سے آپ کے چاروں نامور صاحبزادے (حضرت شاہ

عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ وشاہ عبدالغنیؒ) تولد ہوئے جو ہندوستان میں دین کی سوأۃ ثانیہ کے ارکان اربعہ ہیں۔رحمہم اللہ تعالیٰ۔اورایک صاحبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئیں،ان کا عقد مولوی محمد فائق ابن مولانا محمد عاشق پھلتیؒ سے ہوا وہ صاحب اولاد تھیں،ان کا سلسلہ جاری رہا۔

سفر حج: شاہ صاحب ’’الجزء اللطیف‘‘ میں لکھتے ہیں کہ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق کا غلبہ ہوا۔۱۱۴۳ھ کے آخر (ذی الحجہ) میں حج سے مشرف ہوا، ۱۱۴۴ھ تک بیت اللہ کی مجاورت کی اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوا، شیخ ابوطاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی،علمائے حرمین سے مجالس رہیں، شیخ ابوطاہر مدنی نے خرقہ پہنایا جو غالباً صوفیہ کے تمام خرقوں کا جامع ہے۔اس سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کئے اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان روانہ ہوئے، اور ۱۰/رجب ۱۱۴۵ھ کو جمعہ کے دن صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے مستقر (دہلی) پر پہنچے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت: ج/۵ ص/۱۰۹)

درس حدیث: شاہ صاحب نے حجاز سے واپس آنے کے بعد اپنے والد صاحب کے مدرسہ رحیمیہ میں جو اس وقت پرانی دلی میں جواب مہندیان کہلاتا ہے، واقع تھا درس شروع کردیا لیکن چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلباء کھنچ کھنچ کر پہنچنے لگے، اس وقت یہ جگہ ناکافی ثابت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت (بہت سی بےتوفیقیوں اور کمزوریوں کے ساتھ) محمد شاہ بادشاہ کے مقدر میں رکھی تھی اس نے شاہ صاحب کو شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر شہر

میں بلالیا اور آپ نے وہاں درس شروع کردیا۔ مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں:

''یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا، غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھا، غدر میں مکانات لوٹ لئے گئے، کڑی تختے تک لوگ اٹھالے گئے''۔

مولوی صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

''اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے''۔

(تاریخ دعوت وعزیمت: ج/۵ ص/۱۱۵)

قرآن پاک کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمات

حضرت شاہ صاحبؒ نے ضرورت محسوس کرکے قرآن پاک کا ترجمہ بزبان فارسی فرمایا، جس کا نام ''فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن'' رکھا، اور اس کے متعلق تحریر فرمایا کہ اس ترجمۂ قرآن پاک کے پڑھنے کا وقت ناظرہ یا حافظۂ قرآن کے ختم کرنے اور تھوڑی بہت فارسی پڑھ لینے کے بعد کا ہے تاکہ بآسانی وہ فارسی زبان سمجھ لیں، خصوصیت کے ساتھ اہل حرفت وصنعت اور سپاہیوں کے ان بچوں کو پڑھایا جائے جن سے یہ توقع نہیں کہ وہ کامل طور پر علوم عربیت حاصل کر سکیں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے تو یہ ہے کہ یہ ترجمۂ قرآن بچوں کو مکتب میں پڑھانے کے ساتھ عوام بے پڑھے لکھے اور دنیاداری میں مشغول لوگوں کو بھی تھوڑا تھوڑا کرکے سنایا جائے۔

نیز شاہ صاحب نے جہاں عوام کے حلقوں میں قرآن پاک کو ترتیل سے پڑھ کر سنانے کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے:۔

''وتشبیہے پیدا کردہ باشد باصحاب کرام ہمیں دستور حلقہ حلقہ نشیند وقاری ایشاں را قرأت می کرد'' یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک مشابہت پیدا کی جائے وہ اسی طرح حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے اور قرآن پڑھنے والا ان کے سامنے تلاوت کیا کرتا تھا، بس دونوں میں اس قدر فرق ہوگا کہ صحابۂ کرام بطور خود عربی زبان سمجھتے تھے اور یہ لوگ فارسی ترجمہ کے ذریعہ سمجھیں گے۔

حضرت شاہ صاحب اس ترجمہ کی اہمیت اور اس کے سنانے پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''چونکہ یاران سعادت مند مثنوی مولانا جلال الدینؒ وگلستان شیخ سعدیؒ ومنطق الطیر شیخ فریدالدین عطارؒ وامثال آں''۔

یعنی خوش نصیب لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی، شیخ سعدیؒ کی گلستاں، شیخ فریدالدین عطارؒ کی منطق الطیر اور اس طرح کی دوسری کتابیں ان کی مجلس میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، پھر کیا ہے؟ اگر اسی طرح کلام الٰہی کا ترجمہ بھی ان کو سنایا جائے اور اس کے سمجھنے میں مشغول ہوں، اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام کے ساتھ شغل ہے تو یہ کلام الٰہی کے ساتھ مشغولیت ہوگی، اور اگر وہ سب حکیموں کے نصائح ہیں تو یہ احکم الحاکمین کی نصیحتیں ہیں، اور اگر وہ عزیزوں (بزرگوں) کے مکتوبات ہیں تو یہ رب العزت کے مکتوبات ہیں۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

اگر انصاف سے دیکھیں تو قرآن پاک کے نازل ہونے سے اصل فائدہ یہ ہے کہ اس کی ہدایتوں اور اس کے مواعظ سے نصیحت پکڑی جائے اگر چہ صرف قرآن پاک کے الفاظ کو پڑھنا بھی غنیمت ہے مگر اس شخص کو کیا مسلمانی ہاتھ آئے گی جو قرآن پاک کے معانی و مطالب کو نہ سمجھ سکے اور اسے کیا حلاوت نصیب ہوگی جو اللہ کے کلام کے مسءاٗ کو نہ جانے۔ (مقدمہ فتح الرحمٰن)

ف: سبحان اللہ! کیا خوب بات ارشاد فرمائی کہ صرف قرآن کے الفاظ کو پڑھنا بھی بہت غنیمت ہے، اور موجب اجر وثواب ہے لہذا اس کو ہرگز ترک نہ کرنا چاہئے، ہاں معانی ومطالب کا سمجھنا بھی اشد ضروری ہے اس لئے اس کے لئے مستقل وقت نکالنا چاہئے، اس لئے غفلت نہ برتنا چاہئے۔ (مرتب)

اقتباسات از الفوز الکبیر

حضرت شاہ صاحبؒ اپنی تصنیف لطیف ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

باب اول در بیان علوم پنجگانہ کہ قرآن عظیم بطریق تنصیص بیان آں فرمودہ است۔

باب اول ان علوم پنجگانہ کے بیان میں جن کو قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

باید دانست کہ معانی منظومۂ قرآن خارج از پنج علم نیست، علم احکام [1] از واجب ومندوب ومباح ومکروہ وحرام، خواہ از قسم عبادات

جاننا چاہئے کہ قرآن پاک کے معانی منطوقہ پانچ علموں سے باہر نہیں ہیں، اول علم احکام از قسم واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام خواہ یہ احکام عبادات

باشد یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاست مدنیہ، وتفصیل ایں علم ذمہ فقیہ ست، وعلم مخاصمہ [۲] با چہار فرقۂ ضالہ یہود ونصاریٰ ومشرکین ومنافقین، وتفریع بریں علم ذمۂ متکلم ست، وعلم تذکیر [۳] بآلاء اللہ از بیان خلق آسمان وزمین والہام بندگان بآنچہ ایشاں را درمی بایست واز بیان صفات کاملہ او تبارک وتعالیٰ۔ وعلم تذکیر بایام [۴] اللہ یعنی بیان وقائع کہ آں را خدائے تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از جنس انعام مطیعین وتعذیب مجرمین، وعلم تذکیر [۵] بموت ومابعد آں حشر ونشر ومیزان وجنت ونار وحفظ تفاصیل ایں علوم والحاق احادیث وآثار مناسبۂ آں وظیفہ واعظ ومذکرست۔

سے متعلق ہوں یا معاملات سے، تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدینہ سے، اس علم کی تفصیل فقہاء کے ذمہ ہے، دوم علم مناظرہ چاروں گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقین، اس علم کی تصریح متکلمین کا کام ہے، سوم علم تذکیر بآلاء اللہ ہے مثلاً زمین وآسمان کے پیدا کرنے اور بندوں کو ان کی ضروریات کا الہام کرنے اور نیز اللہ تعالیٰ کے صفات کاملہ کا بیان۔ چہارم علم تذکیر بایام اللہ یعنی ان واقعات کا بیان جن کو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے، مثلاً اطاعت کرنے والوں کو انعام وجزا اور مجرموں کے لئے تعذیب وسزا، پنجم علم تذکیر بموت اوراس کے بعد کے واقعات کا بیان، مثلاً حشر ونشر، حساب وکتاب، میزان جنت ودوزخ ان علوم کی تفاصیل کو محفوظ رکھنا اوران کے مناسب احادیث وآثار کو لاحق کرنا واعظوں کا وظیفہ ہے۔

اس کے بعد والی فصل میں حضرت شاہ صاحبؒ نے چاروں فرقۂ ضالہ یعنی یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے ساتھ مخاصمہ پر بصیرت افروز کلام فرمایا ہے جو قابل دید ہے، اخیر میں منافقین کے سلسلہ میں نہایت مفید مضمون بیان فرمایا ہے، جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں، ان شاء اللہ آپ حضرات بھی اس سے منتفع و مستفیض ہوں گے۔ وباللہ التوفیق

منافقین کی قسمیں:

اما منافقاں دو قسم بودند، گروہے بزبان کلمہ ایمان گفتند و دل ایشاں مطمئن بود بکفر، وجحود صرف بخاطر اظہار می کردند ودر حق ایشان ست "فی الدرک الاسفل من النار" گروہے داخل شدند در اسلام بضعف مثلاً بہ عادات قوم خود معتاد اند۔ اگر قوم مسلمان باشد ایشاں نیز مسلم شوند واگر کافر باشد ایشاں نیز کافر، ومثلاً اتباع لذات دنیویہ دنیہ بر دل ایشاں چنداں ہجوم کردہ است کہ محبت خدا ومحبت	بہر حال منافقین تو وہ دو قسم کے تھے، ایک تو وہ جو زبان سے کلمہ ایمان کہتے تھے مگر ان کے دل کفر و جحود سے لبریز تھے، محض لحاظ سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، انہیں لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "یہ لوگ جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے" اور ایک گروہ اسلام میں داخل تو ہوا مگر ضعف کے ساتھ، مثلاً وہ اپنی قوم کی عادات کے تابع تھے، اگر قوم مسلمان ہوئی تو یہ بھی مسلمان ہو گئے، اور اگر کافر ہوئی تو انھوں نے بھی کفر اختیار کرلیا، اور مثلاً بعضے ان میں سے ایسے تھے کہ خسیس دنیا کی لذات نے ان کے دل پر اس قدر غلبہ کرلیا

رسول را جائے نہ گذاشتہ یا حرص وحسد وحقد ومثل آں مالک قلب ایشاں شدہ است کہ حلاوت مناجات وبرکات عبادات را بخاطر ایشاں جائے نگذاشت۔الخ	تھا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے لئے اس میں جگہ ہی نہ چھوڑا تھا، یا حرص وحسد اور حقد وغیرہ جیسے امراض ان کے قلب پر اس طرح حاوی ہو چکے تھے کہ مناجات کی حلاوت اور عبادات کی برکات کے لئے گنجائش باقی نہ رکھا تھا۔............

............اور بعض اس قسم کے تھے کہ امور معاش میں اس قدر منہمک ہو گئے تھے کہ ان کو امر آخرت کا اہتمام اور اس کے لئے فکر کرنے کی فرصت تک باقی نہ رہی تھی اور بعض ایسے تھے جن کے قلوب میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی نسبت بیہودہ خیالات اور رکیک شبہات گذرتے تھے، اگرچہ وہ اس حد تک نہ پہنچے تھے کہ اسلام کے طوق کو گردن سے نکال کر اس کشمکش سے بالکل نکل جائیں۔

اور شبہات کا منشأ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بشری احکام کا جاری ہونا اور ملت اسلامیہ کا اطراف ممالک پر مثل شاہی غلبہ کے ظاہر ہونا تھا۔

اور بعض ایسے بھی تھے کہ ان کو اپنے قبائل اور گھرانوں کی محبت نے ان کی امداد وتقویت وتائید پر ایسا برانگیختہ کر رکھا تھا کہ گو اہل اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو سعی بلیغ کر کے اسلام کو ضعف وضرر پہنچاتے تھے۔

نفاق کی یہ دوسری قسم نفاق عمل اور نفاق اخلاق ہے، نفاق کی پہلی صورت کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ممکن نہیں کیوں کہ یہ منجملہ علم غیب کے ہے اور ظاہر ہے کہ ان خیالات پر اطلاع نہیں ہو سکتی جو دلوں میں راسخ ہیں، اور نفاق

ثانی کثیر الوقوع ہے، خصوصاً ہمارے زمانے میں، اور اس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے، تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ پائی جائے گی وہ خالص منافق ہوگا، جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جھگڑا کرے تو گالی بکے، (مشکوٰۃ: ۱۷) اور منافق[1] صرف اپنے پیٹ کی فکر کرتا ہے، اور مومن اپنے گھوڑے کی فکر رکھتا ہے، اسی طرح اور دیگر احادیث۔

ف: یہ تو شاہ صاحب اپنے زمانہ کے امیروں کی مجلس کا حال بیان فرمارہے ہیں مگر اب تو بعض پیروں کی مجلس کا بھی یہی حال ہے، جو ظاہر ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ گمراہی کی بات ہے اس لئے کہ: ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی (مرتب)

اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقوں کے اخلاق واعمال کو قرآن مجید میں خوب آشکارا کیا ہے اور ہر دو گروہ کے احوال بکثرت بیان فرمائے ہیں تا کہ امت ان سے احتراز کرے، اگر تو منافقین کا نمونہ دیکھنا چاہے تو امراء کی مجلس میں جاکر ان کے مصاحبین کو دیکھ لے جو امراء کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں اور کوئی فرق نہیں انصاف کی رو سے ان منافقین میں جنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ کلام سنا اور نفاق کی روش اختیار کی اور ان منافقین میں جو اب پیدا ہوئے اور انھوں نے یقینی ذرائع سے احکام شارع کی اطلاع پاکر مخالفت اختیار کی۔ علی ہذا القیاس معقولیوں کی وہ جماعت ہے جس کے دلوں میں بہت شکوک وشبہات پیدا ہوگئے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے آخرت کو بھولی بسری چیز کردیا ہے، بالجملہ جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو یہ نہ گمان کر کہ اس

[1] حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے الفوز الکبیر کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مجھے یہ حدیث نہیں ملی۔

میں مباحثہ ایک خاص قوم سے تھا جو گذر چکی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بلا گذشتہ زمانہ میں نہ تھی مگر یہ کہ اس کا نمونہ آج بھی موجود ہے۔ بمصداق حدیث (**لتتبعن سنن من قبلکم۔الخ**) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً تم بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ ان لوگوں کے طور طریق اختیار کرو گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں بیٹھیں گے تو تم اس میں بھی ان کی پیروی کرو گے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ لوگ کہ جو پہلے گذر چکے ہیں اور جن کے طور طریقوں کو ہم اختیار کریں گے، کیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا تو کیا اور کوئی ہوگا؟۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب تغیر الناس: ص ر ۴۵۸)

کیونکہ مقصود اصلی ان مقاصد کے کلیات کا بیان ہے نہ کہ ان کی حکایات کی خصوصیات، یہ وہ تقریر ہے جو اس کتاب کے لئے ان گمراہ فرقوں کے عقائد کی تفصیل اور ان کے جوابات میں میسر ہوئی، اور میرے نزدیک یہ تحقیق آیات مباحثہ کے معانی سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ف: سبحان اللہ! کس قدر اہم اور مفید مضمون ہے جو عوام و خواص سبھی کے مستحضر رکھنے کے قابل ہے، اسی لئے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے اپنی اصلاحی مساعی کا اسی مضمون کو اساس قرار دے کر شد و مد سے کلام فرمایا ہے، بلکہ حضرتؒ نے سب سے اول اسی مضمون نفاق پر رسالہ بنام "**تحذیر العلماء من خصال السفہاءِ**" تصنیف فرمایا، اور کتاب و سنت سے اس مرض کی قباحت و شناعت کو آشکارا فرمایا جو حضرتؒ کا درحقیقت بہت بڑا کارنامہ تھا، اس کو دیکھ کر بالیقین یہ کہا جا سکتا ہے کہ امت جن امراض میں مبتلا تھی ان سے

آپ کو بخوبی واقفیت حاصل تھی، اسی لئے اس مرض نفاق کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں یہ سکۂ رائج الوقت کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ آج دیکھ لیجئے کہ علامات نفاق ایک ایک کرکے ہم میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ مثلاً جھوٹ، وعدہ خلافی، گالی گلوج وغیرہ۔

کاش پوری امت خصوصاً حضرت مصلح الامتؒ کے منتسبین ان تعلیمات کو تسلیم کرکے اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کرلئے ہوتے تو آج جو ہم سے بداخلاقی رونما ہورہی ہے اس کی نوبت نہ آتی۔ (مرتب)

حدیث کے بارے میں شاہ صاحبؒ کے خیالات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ حضرت شاہ صاحب کے علم حدیث کے ساتھ اشتغال کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں:۔

شاہ صاحب کے لئے کون سا جذبہ اس علم (حدیث) کے ساتھ اشتغال پھر اس کی نشر واشاعت کی سرگرمی اور اس کے لئے اپنی زندگی اور صلاحیتیں وقف کردینے کا محرک ہوا اس کو معلوم کرنے کے لئے خود شاہ صاحب ہی کی تحریرات کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ یہ ان کے خیالات کا صحیح آئینہ ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ کے پہلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں:

ان عمدة العلوم اليقينية وراسها ومبنى الفنون الدينية واساسها هو علم الحديث الذى يذكرفيه ما صدر من	علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ وسرتاج اور فنون دینیہ کی اصل واساس علم حدیث ہے جس میں افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل یا کسی

افضل المرسلين صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابه اجمعين من قول اوفعل او تقرير فهي مصابيح الدجىٰ ومعالم الهدى بمنزلة البدر المنير من انقاد لها ووعى فقد رشد واهتدى واتى الخير الكثير ومن اعرض وتولى فقد غوى وهوى وما زاد نفسه الا التخسير فانه صلى الله عليه وسلم نهى وامر وانذر وبشّر وضرب الامثال وذكر وانها لمثل القرآن اواكثر۔

(مقدمہ حجۃ اللہ البالغۃ)

بات پر آپ کے سکوت ورضامندی کا ذکر خیر ہوتا ہے اس لئے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ، رشد وہدایت کا سنگ میل اور بدر کامل کا حکم رکھتی ہیں، جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور ان کی نگہداشت کرتا ہے تو ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیضیاب ہوتا ہے، اور جو بدبخت اس سے اعراض وروگردانی کرتا ہے وہ گمراہ اور ہلاک ہوتا ہے، اور اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امرونہی، انذار وتبشیر اور نصیحت وتذکیر سے معمور ہے اور آپ کی حدیثوں میں یہ چیزیں قرآن ہی کی طرح یا اس سے (مقدار میں) کچھ زیادہ ہی ہیں۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

اول چیزے کہ عقل آں راخودرا واجب گرددآن ست: تتبع اخبار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در

پہلی چیز جس کو عقل اپنے اوپر واجب قرار دیتی ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات وارشادات کا تتبع کیا جائے کہ

بیان احکام الٰہی وپیروی آں اخبار بدل وجوارح باید نمود، زیرا کہ کلام در شخصے است کہ تصدیق کردہ است بہ تکلیف اللہ تعالیٰ عباد خود را باحکام وقصد خروج از عہدہ تکلیف مصمم ساختہ۔ (لمحات طیبات:۷۲، تاریخ دعوت وعزیمت: ج/۵ ص/۱۸۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احکام الٰہی کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح ان پر عمل کیا پھر قلب وجوارح سے ان اقوال واحوال کی پیروی کی جائے اس لئے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جس نے یہ حقیقت تسلیم کرلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے احکام کا مکلف بنایا ہے اور اس شخص نے تکلیف شرعی کی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔

اقتباسات ازتفہیمات الٰہیہ

نیز حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''تفہیمات الٰہیہ'' میں مقاصد شرعیہ کو (جن کی اقامت کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے) بڑی خوبی سے عربی میں بیان فرمایا ہے، اس کا حاصل اردو میں پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء علیہم السلام جن چیزوں کی اہمیت اور خصوصیت سے دعوت دیتے ہیں وہ بنیادی طور پر تین چیزیں ہیں:

ایک مبدأ ومعاد سے متعلق عقائد کی تصحیح، اس شعبہ کو علمائے عقائد واصول نے سنبھال لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

دوسرے عبادات ومعاملات اور معاشرت وغیرہ میں انسانی اعمال کی سنت کے مطابق تصحیح، اس شعبہ کی کفالت فقہائے امت نے اپنے ذمہ لی اور اس

میں انھوں نے امت کی پوری رہنمائی فرمائی اور کجی کی اصلاح کی۔

تیسرے اخلاص واحسان کی تصحیح جو دین ابراہیمی کی اصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اس کو پسند فرمایا ہے۔۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب قسم کھا کر فرمارہے ہیں: یہ تیسرا مقصد ان تینوں میں زیادہ دقیق وعمیق ہے اور پورے نظام دینی میں اس کی حیثیت وہ ہے جو جسم میں روح کی، اور لفظ میں معنی کی۔

اور اس شعبہ کی ذمہ داری صوفیائے کرام نے لی، چنانچہ وہ خود راہ یاب ہوئے اور دوسروں کی رہبری فرمائی، خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو سیراب کیا، جس کی وجہ سے سعادت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے اور بڑے حصہ کو سمیٹا۔

(تفہیمات الٰہیہ: ج ۱ ص ۱۳)

ف: سبحان اللہ! صوفیائے کرام کی خدمات کو حضرت شاہ صاحبؒ نے کتنے بلند کلمات سے سراہا۔ (مرتب)

نسبت صوفیہ کی اہمیت

مزید ان کی نسبت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمارہے ہیں:

نسبتہائے صوفیہ غنیمت کبریٰ است ورسوم ایشاں ہیچ نمی ارزد۔	صوفیہ کی نسبتیں بڑی غنیمت نعمتیں ہیں مگر ان کے رسوم کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

ایں سخن بر بسیاری گراں خواہد اما	یہ بات اگرچہ بہتوں پر گراں گذرے

مرا کارے فرمودہ اند برحسب آں می باید گفت وبر گفتۂ زید وعمر تعریض نباید کرد۔	گی مگر مجھے ایک کام سپرد ہے جس کے مطابق کہنا ہے،اور زید وعمر کی باتوں کی پروانہیں کرنی ہے۔

ف: ظاہر ہے رسم پرست لوگوں کو تو ایسی بات بار خاطر ہوگی ہی جو مشائخ کے جبہ ودستار، عصا وکلاہ ہی کو منتہائے سلوک سمجھتے ہوں، چاہے ان کو ان حضرات کی نسبت کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔(مرتب)

نیز حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

ہر کسے کہ برائے دعوت خلق اللہ بجائے نشست ومردم بجانب وے متوجہ شدند وے را ہماں باید کرد کہ انبیاء علیہم السلام کردند زیرا کہ وے دریں مقام مقلد وپسرو ایشان ست۔	جو شخص دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہو اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کو وہی کام کرنا چاہئے جو انبیاء علیہم السلام نے کیا، کیونکہ وہ اس مقام میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقلد اور پسرو ہے۔(نہ کہ اصل ومستقل)

ف: اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے علمائے اسلام اور مشائخ کرام کو آگاہ فرمایا ہے کہ اپنی حیثیت کو فراموش نہ کریں یعنی اپنے کو اصل ومستقل نہ سمجھیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کا مقلد وپسرو سمجھیں، آج اسی حقیقت کے ذہول سے طرح طرح کی بدعات وخرافات کا شیوع ہو رہا ہے جو اظہر من الشمس ہے۔

اسی طرح مشائخ کے مریدین ومعتقدین کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل مطاع یقین کریں اور علماء ومشائخ کو ان کا تابع

ونائب سمجھیں نہ کہ اصل ومنیب۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی اکثر اس مسئلہ پر کلام فرماتے رہتے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی مندرجہ بالا عبارت سنایا کرتے تھے اور اس کی توضیح وتشریح فرمایا کرتے تھے، اور مشائخ کو اصل سمجھنے کو گمراہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو چھوڑ کر مشائخ کے اوراد کو ہی سب کچھ سمجھنے کو محرومی کا سبب قرار دیتے تھے۔

چنانچہ وفات سے چند یوم پہلے ہی کا واقعہ ہے کہ بمبئی میں ایک شیخ زادے کا معاملہ تھا، درمیان میں یہ حقیر واسطہ تھا، تو فرمایا کہ جا کر ان سے یہ کہو کہ مشائخ کی اولاد باطنی دولت سے اس لئے محروم رہتی ہے کہ یہ اپنے آباء واجداد کے اوراد ووظائف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوراد ووظائف پر ترجیح دیتی ہے، سامنے مخدوم مکرم حضرت حکیم محمد مسعود صاحب اجمیریؒ تشریف فرما تھے، ان کو خطاب کر کے فرمایا بتلایئے حکیم صاحب ٹھیک کہہ رہا ہوں یا نہیں؟ حکیم صاحب نے فرمایا بالکل صحیح فرما رہے ہیں۔

نیز کبھی فرماتے تھے کہ مشائخ کا اصل کام یہ ہے کہ مرید کو اپنے تک نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیں اور ان تک پہنچانے کا حاصل یہ کہ ان کی سنتوں کا پابند بنا دیں۔ (مرتب)

نیز حضرت شاہ صاحبؒ تفہیمات الٰہیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

واصحب الناس علی شریطتین۔ الخ

(تفہیمات الٰھیہ: ج۲/ص۱۰۴)

جس کا ترجمہ یہ ہے: عام لوگوں سے مصاحبت میل جول دو شرطوں کی بجا آوری کے ساتھ رکھو، ایک تو یہ کہ ان کے مال و دولت سے امید کو منقطع کرلو، انشاء اللہ تعالیٰ جو تمہاری قسمت کا ہوگا وہ بغیر تمہارے قصد وارادہ کے مل کر رہے گا، اور دوسری شرط یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ خوش خلقی کا سلوک کرو، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، مشہور ہو یا گمنام، اور جو شخص اس کے باوجود تم سے عداوت رکھے وہ خبیث الباطن اور ظالم ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (یعنی عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔)

ف: اس عبارت میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت عمدہ مضمون بیان فرمایا ہے جو مستحضر رکھنے اور آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، اس میں عوام کو عموماً اور خواص امت کو خصوصاً ہدایت فرمائی کہ اپنے مصاحبین کے مال و دولت سے قطع نظر کریں اور امید کو وابستہ نہ کریں، ورنہ آدمی بغیر متہم ہوئے رہ نہیں سکتا، پھر دوسری شرط سے اس بات کی تعلیم دی کہ قطع امید اور ان سے استغناء کی وجہ سے ان کے ساتھ معاشرت میں بدخلقی نہ آنی چاہئے اس لئے کہ یہ بھی شرعاً مذموم ہے، آگے فرماتے ہیں کہ ان شرطوں کی بجا آوری کے بعد بھی کوئی دشمنی کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کی وجہ نفس کی خباثت ہے۔ (مرتب)

نیز تفہیمات الٰہیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے امت کے مختلف طبقات کو نہایت بلیغ و مؤثر انداز میں خطاب فرمایا ہے اور ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا ہے اور خود ان کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے، جی چاہتا ہے کہ اس کے اقتباسات ”تاریخ دعوت وعزیمت حصہ پنجم“ سے یہاں درج کروں جو

انشاء اللہ ہم سب کے لئے موجب بصیرت و نصیحت ثابت ہوں گے۔

امیروں سے خطاب: اے امیرو! دیکھو کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جارہے ہو اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے ذمہ سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں کے بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں، کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ پھر اپنے اس فعل کو تم برا بھی نہیں سمجھتے۔ اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی۔

فوجی سپاہیوں سے کلام: اے فوجیو! تمہیں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لئے پیدا فرمایا تھا، مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بات اونچی ہو اور اللہ کا کلمہ بلند ہو، اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے، لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے، پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو، اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو اور اپنی نیتوں کو درست کرلو۔ اللہ تمہارے جاہ و منصب میں برکت دے گا اور دشمنوں پر تمہیں فتح عطا فرمائے گا۔

اہل صنعت وحرفت کو نصیحت: ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو۔ تم میں بعض لوگ صرف شراب خوری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں، یہ کیسا بدبخت آدمی ہے؟ اپنی دنیا وآخرت دونوں کو برباد کررہا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لئے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ

اپنے خرچ میں اختیار کرو۔

پیرزادوں کو خطاب: اے وہ لوگو! جو اپنے آباء واجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بٹ گئے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی کنڈل میں الاپ رہا ہے۔ اور جس طریقہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف وکرم سے جس راہ کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں کا ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلا رہا ہے، اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہنما ٹھہرائے ہوئے ہے حالانکہ دراصل وہ خود گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے، ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لئے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں۔

ف: حقیر تو یہ عرض کرتا ہے کہ پیرزادوں ہی کی اب یہ صفت وخصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر جماعت جو کسی درجہ میں کوئی دینی کام کرتی ہے وہ دوسری جماعتوں کے کام کی تحسین تو کیا اس کو تسلیم بھی نہیں کرتی خواہ وہ کتنی ہی اہم دینی خدمات انجام دیتی ہو، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

خبردار! خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو۔

طالب علموں کو خطاب: اے بدعقلو! جنھوں نے اپنا نام ''علمائ'' رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو ومعانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا

سنت ثابتہ قائمہ کا، چاہئے کہ قرآن سیکھو، پہلے اس کے غریب لغات کا حل کرو، پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ اور اس کے مشکلات کو حل کرو، اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، وضو کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے اور حج کیسے ادا فرماتے تھے، جہاد کا آپ کے یہاں کیا قاعدہ تھا، گفتگو کا کیا انداز تھا، اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو، اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو، اسی طرح چاہئے کہ جو تم پر فرائض ہیں انہیں سیکھو، مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں؟ نماز کے ارکان کیا ہیں؟ زکوۃ کا نصاب کیا ہے؟ قدر واجب کیا ہے؟ میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو، صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو۔

واعظوں اور گوشہ نشینوں کو خطاب: اسی طرح دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں اور گوشہ نشین زاہدوں کو زجر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تمہارا کیا حال ہے، ہر بری بھلی بات، ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے، لوگوں کو تم جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے حالانکہ تم تو (اے امت محمدیہ) اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے نہ کہ دشواریوں میں مبتلا کرو گے، تم ایسے لوگوں کی باتیں

دلیل میں پیش کرتے ہو جو بیچارے مغلوب الحال اور عشق ومحبت الٰہی میں عقل وحواس کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے، چاہئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے اسے خود سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب نصائح ہیں جو صفحات قلوب پر لکھے جانے کے قابل ہیں، اللہ تعالیٰ ہم طلبۂ علوم دین کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین (مرتب)

عام مسلمانوں کو خطاب: اب عام امت مسلمہ سے خطاب کو مطالعہ فرمایئے، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرمارہے ہیں:

میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں:

اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بیجا حرص سوار ہے، تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کررہے ہیں۔

اس کے بعد بطور نصیحت فرمارہے ہیں کہ:

اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو، بہرحال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے جو فرصت ہم دست (حاصل) ہو اس کو غنیمت شمار کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم عاشوراء کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھے ہوتے ہو اسی طرح شب برأت میں کھیل کود کرتے ہو، اور مردوں کے لئے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کمانے میں اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انہیں وقت ہی نہیں ملتا، اسی طرح بعضوں نے روزے بھی چھوڑ رکھے ہیں۔ (تفہیمات الٰہیہ)

ف: حضرت شاہ صاحبؒ نے عوام وخواص میں سے جن کو بھی مخاطب فرمایا ہے اور جن امراض کی نشان دہی فرمائی ہے کیا وہ اس زمانہ میں نہیں ہیں؟ یقینا ہیں بلکہ مزید ہیں۔ لہذا ہم کو چاہئے کہ ان خطابات کا خود کو مخاطب سمجھ کر اپنے علاج کی فکر کریں اور سعادت دارین حاصل کریں۔ واللہ ولی التوفیق۔ (مرتب)

اقتباسات از القول الجمیل

اب چند عبارتیں ''القول الجمیل'' سے ملاحظہ فرمائیں:

وَالشَّرْطُ الْخَامِسُ اَنْ یَکُوْنَ صَحِبَ الْمَشَائِخ وَتَأَدَّبَ بِھِمْ دَھْرًا طَوِیْلًا وَاَخَذَمِنْھُمُ النُّوْرَ الْبَاطِنَ وَالسَّکِیْنَۃَ وَھٰذَالِاَنَّ سُنَّۃَ اللّٰہِ جَرَتْ بِاَنَّ الرَّجُلَ لَایُفْلِحُ اِلَّااِذَا رَأَی الْمُفْلِحِیْنَ کَمَا اَنَّ الرَّجُلَ لَایَتَعَلَّمُ اِلَّا بِصُحْبَۃِ الْعُلَمَائِ وَعَلٰی ھٰذَا الْقِیَاسِ غَیْرُ ذَالِکَ مِنَ الصَّنَاعَاتِ۔ (القول الجمیل: ۲۱)

ترجمہ: پانچویں شرط بیعت لینے والے کے لئے یہ ہے کہ کامل مرشدین کی

صحبت میں رہا ہو اور مدت دراز تک ادب سیکھا ہو اور ان سے نور باطن اور سکینہ حاصل کیا ہو، اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یوں ہی جاری ہے کہ مراد نہیں ملتی جب تک کہ مراد پانے والے کو نہ دیکھے، جیسے کہ انسان کو علم حاصل نہیں ہوتا مگر علماء کی صحبت سے، اسی طور پر ہیں اور پیشے جیسے آہنگری (لوہاری) بدون صحبت آہنگر کے اور نجاری (بڑھئی) بغیر نجاری کی صحبت کے نہیں آتی۔

ف: بخلاف حیوانات کے کہ ان کے کمالات پیدائشی ہوتے ہیں، چنانچہ تیرنا حیوانات کا پیدائشی کمال ہے مگر انسان کو بغیر سیکھے نہیں آتا۔

لہذا ضروری ہے کہ سلوک وتسلیک کے لئے بھی کسی شیخ ومرشد کو اختیار کرے جو اس راستہ سے باخبر ہو اور خود مقامات سلوک کو طے کر چکا ہو۔ (مرتب)

تحصیل نسبت کے طریقوں پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَلَاتَظُنُنْ اَنَّ النِّسْبَةَ لَاتَحْصَلُ اِلَّا بِهٰذِهِ الْاَشْغَالِ بَلْ هٰذِهٖ طَرِيْقَةٌ لِتَحْصِيْلِهَا مِنْ غَيْرِ حَصْرٍ فِيْهَا۔ الخ

ترجمہ: یہ ہرگز گمان نہ کرو کہ نسبت (احسان) نہیں حاصل ہوتی مگر انہیں اشغال صوفیہ سے، بلکہ حق یہ ہے کہ یہ اشغال بھی اس کی تحصیل کا ایک طریقہ ہے اور بس۔

ف: سبحان اللہ! کس قدر انصاف کی بات ارشاد فرمائی جو محقق ہی کہہ سکتا ہے۔ (مرتب)

اور میرے نزدیک ظن غالب یہ ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین سکینہ یعنی نسبت کو اس کے علاوہ طریقوں سے حاصل کرتے تھے، سومنجملہ طریقوں کے خلوت میں نماز کی اقامت اور خشوع وخضوع کے ساتھ تسبیحات پر مواظبت کرنا

ہے، نیز طہارت پر مداومت اور موت کو جو لذات کو توڑنے والی ہے، بکثرت یاد کرنا ہے، نیز حق تعالیٰ نے فرمانبرداروں کے لئے جو اجر وثواب، اور نافرمانوں کے لئے جو عذاب تیار کر رکھا ہے اس کو مستحضر رکھنا ہے، اس طرح کرنے سے لذات حسیہ سے ان حضرات کو انقطاع کلی حاصل ہوجاتا تھا۔

اور منجملہ ان طریقوں کے کلام اللہ کی تلاوت اور اس کے معانی ومطالب میں تدبر اور واعظین کے بیان کی سماعت اور رقت پیدا کرنے والی حدیثوں میں غور وفکر کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ وتابعین انہیں اعمال مذکورہ پر مواظبت فرماتے تھے تو تقرب الی اللہ اور نسبت مع اللہ کی نعمت حاصل ہوجاتی تھی جس کی اخیر عمر تک وہ محافظت فرماتے تھے اور یہی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثۃً ہمارے مشائخ میں چلی آرہی ہے، اگرچہ رنگ الگ الگ اور طریقے مختلف ہیں۔

ف: یہ چند وہ مفید واثر انگیز عبارات ہیں جن کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ برابر سنایا کرتے تھے، اب اگر کسی کو حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ کے ملکی حالات اور سیاسی معاملات اور حضرت شاہ صاحبؒ کی اصلاحی مساعی اور تجدیدی خدمات کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہو تو ''تاریخ دعوت وعزیمت حصہ پنجم'' مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ اور ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات'' مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا مطالعہ فرمائیں، انشاء اللہ ان کو نہایت بصیرت افروز پائیں گے۔ (مرتب)

اقتباس از ''ازالۃ الخفاءٗ''

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ایک اہم معرکۃ الآراء تصنیف ''ازالۃ

الخفاء عن خلافة الخلفاء" جو بزبان فارسی ہے، اس کا اردو ترجمہ امام اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے کیا ہے جو مع فارسی عبارت کے شائع ہو چکی ہے۔

پھر محدث عصر حضرت مولانا شیخ محمد تقی الدین صاحب ندوی مظاہری زید فضلہ نے اس کتاب کا عربی ترجمہ کر کے شاہ صاحبؒ کے علوم نادرہ و باکرہ کو عربوں تک پہنچایا ہے جو یقیناً مولانا زید مجدہ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ **فجزاهم الله عنا وعن سائر المسلمين**۔ الحمدللہ اس کا ایک نسخہ اس حقیر کو بھی عنایت فرمایا ہے۔

اب ہم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے رسالہ "خلافت راشدہ" تلخیص ازالۃ الخفاء سے اقتباسات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اصل کتاب سے پہلے حضرت مولانا ادریس صاحبؒ نے خلافت راشدہ پر جو مقدمہ درج فرمایا ہے وہ ملاحظہ کریں۔

علماء دین نے خلفاء راشدین کے فضائل ومناقب میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیراً۔ منجملہ ان کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ازالۃ الخفاء ہے جو اپنے موضوع میں بے مثال اور لاثانی ہے۔ خلافت راشدہ کی حقیقت اور تفضیل شیخین کا دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے اثبات جس عجیب وغریب انداز سے فرمایا ہے وہ محیر العقول ہے۔ اور عقل کیوں نہ حیران ہو، کتاب کیا ہے ایک عظیم الشان حوض یا تالاب ہے جس میں اس صاف شفاف آب زلال (شیریں) کو جمع کیا گیا ہے کہ جو سحائب الہام نے مصنف علیہ الرحمہ کے قلب صافی پر برسایا ہے اور پھر اس الہامی درایت کو روایات نبویہ سے مدلل اور مبرہن کیا ہے۔ جب قلم درایت روایت پر چلتا ہے تو

یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم جنیدؒ اور بایزیدؒ کا ہے۔ اور جب قلم روایت پر چلتا ہے تو روایات کا ایک عظیم دریا نظر آتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم عسقلانیؒ اور قسطلانی کا ہے۔ ایسی کتاب کہ جو دریائے روایت اور دریائے درایت کا مجموعہ ہو، اور مجمع البحرین کا مصداق ہو اس پر قبضہ پانا بہت دشوار ہے۔ ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پر پہنچتے ہیں تو پہلا کنارہ نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔

اس لئے ناچیز اور ہیچمدان نے اس کتاب کا غور سے مطالعہ کیا اور یہ ارادہ کیا کہ اس کتاب کے مقاصد کلیہ اور مباحث مہمہ کا خلاصہ کر دیا جائے۔ اور روایات میں سے صرف ضروری حصہ پر اکتفاء کی جائے تاکہ اہل فہم پر اصل مسئلہ واضح ہو جائے۔ اور خلافت راشدہ کی حقیقت اور اس کے مقام اور مرتبہ سے آگاہ ہو جائیں۔ اور بقدر ضرورت کتاب وسنت سے اس کے شواہد پر مطلع ہو جائیں۔ اصل مقصد کے واضح ہو جانے کے بعد اگر تفصیل درکار ہو تو اصل کتاب کی طرف مراجعت کریں۔ اور جو لوگ باران عظیم (یعنی اصل ازالۃ الخفائ) تک نہ پہنچ سکیں تو وہ اس شبنم (یعنی اس خلاصہ) پر اکتفاء کریں۔ ”فان **لم یصبھا وابل فطل**“ اور جو لوگ اس حوض تک نہ پہنچ سکیں ان کے لئے اس حوض سے صراحی اور مشکیزہ ہی پیش کر دیا جائے اس سے کچھ تو پیاس بجھے گی، علاوہ ازیں متعدد مباحث میں دیگر اکابر امت کے کلام معرفت التیام سے افاضات اور اقتباسات کا اضافہ کیا تاکہ بحث مکمل ہو جائے اور مسئلہ میں تشنگی باقی نہ رہے۔ مثلاً امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے اور تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور منہاج السنہ مصنفہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

سے مختلف مقامات میں لطیف اضافے کئے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر سراپا تقصیر کو قبول فرمائے اور اس ناکارہ وناہنجار کا خلفائے راشدین کے غلاموں اور کفش برداروں میں حشر فرمائے۔ آمین یارب العالمین

کسی نااہل کی کیا مجال کہ وہ شاہی محل کا رخ کر سکے اس کی انتہائی تمنا یہ ہوتی ہے کہ مقربین سلطانی کی کفش برداری کا شرف مجھ کو حاصل ہوجائے۔ اور ان کی جوتیوں کے طفیل مجھ کو کوئی دربان اندر جانے سے نہ روکے۔ کفش بردار کی حقیقت ہی یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں سوائے کسی مقبول اور برگزیدہ کے جوتیوں کے اور کچھ بھی نہ ہو۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔انتھیٰ

اب ہم برکت کے لئے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تحریر کردہ خطبہ ''ازالۃ الخفائ'' سے نقل کرتے ہیں، اس کے بعد ''خلافت راشدہ'' سے مضمون نقل کریں گے۔

الحمدللہ الذی بعث الینا اشرف الرسل داعیا الی اقوم السبل وجعل اصحابا لہ ووزراء ہ فی عھدہ وخلفائہ من بعدہ لتتم النعمۃ وتعم الرحمۃ واشھد ان لاالٰہ الااللہ وحدہ واشھد ان محمدا عبدہ ونبیہ الذی لا نبی بعدہ صلی اللہ وسلم علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین۔ (ازالۃ الخفائ)

معنیٔ خلافت: خلافت کے معنی لغت میں نیابت اور جانشینی کے ہیں کہ ایک شخص کو کسی کا قائم مقام بنایا جائے جو نیابۃً اس کا کام انجام دیتا ہے۔ اور اصطلاح

شریعت میں خلافت اس اسلامی سلطنت اور بادشاہت کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ بطریق نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ کو قائم اور مستحکم کیا جائے اور جو شخص نائب نبی ہونے کی حیثیت سے دین کے قائم رکھنے کا انتظام کرے وہ خلیفہ ہے۔اور نائب ہونے کی حیثیت کی قید اور شرط اس لئے لگائی گئی تا کہ لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انبیاء خارج ہوجائیں۔اس لئے کہ انبیاء کرام حق تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں۔انبیاء کرام اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کو قائم کرتے ہیں۔

خلافت عامہ اور خلافت خاصہ: اہل سنت کے نزدیک خلافت کے معنی سلطنت اور مسلمانوں کی فرمانروائی کے ہیں۔پس اگر وہ خلافت نمونۂ نبوت ہوتو خلافت خاصہ ہے اور اس کو خلافت راشدہ بھی کہتے ہیں کہ حکومت اصولی طور پر اسلام کی پابند ہے،مگر عملی طور پر قانون شریعت کے اتباع میں مقصر اور کوتاہ ہے۔
بالفاظ دیگر: خلافت راشدہ اس حکومت اور ریاست کو کہتے ہیں کہ جس کا تمام ملکی اور ملی نظام منہاج نبوت پر ہو اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے طور پر انجام دیئے جائیں،جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت پیغمبری انجام دیتے رہے۔مثلاً اقامت دین، اقامت جہاد بدشمنان دین، اقامت حدود شرعیہ، اقامت ارکان اسلام، احیاء علوم دینیہ۔مثلاً قضاء وافتاء وغیرہ وغیرہ۔
غرض یہ کہ اس حکومت کا نظام ایسا ہو کہ وہ بادشاہت اور سلطنت معصیت نہ ہو۔یعنی حکومت احکام شریعت کے اجراء میں اپنی ذمہ داری کو پورا کر دے اور عنداللہ عاصی نہ ٹھہرے۔اور راشدہ کے معنی یہ ہیں کہ توفیق ربانی اور تائید آسمانی

اس کو کشاں کشاں رشد و ہدایت اور حق اور صواب ہی کی طرف لے جائے۔ اور باطل اور جور کی طرف اس کو لے جانے سے روک دے۔ یہ خلافت راشدہ ہے اور اس کے بالمقابل خلافت جابرہ ہے جس میں بہت سے خلاف شرع امور عمل میں آئے ہوں۔ نیز اگر کوئی شخص فاطمی بھی ہو بلکہ بالفرض وہ معصوم بھی ہو مگر اس کا حکم نافذ اور جاری نہ ہو تو اس کو خلیفہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ خلافت کے لئے حکومت اور فرمانروائی ضروری اور لازم ہے، اور اسی طرح کافر بادشاہ کو بھی خلیفہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس کو اقامت دین اور احیاء علوم شرعیہ اور اقامت حدود شرعیہ سے کوئی غرض و سروکار نہیں۔

خلافت راشدہ کی شرائط اور لوازم: خلافت راشدہ کی بہت سی شرطیں مثلاً خلیفہ کا شنوا اور بینا ہونا، آزاد ہونا، صاحب علم و عدالت ہونا، شجیع ہونا، صائب الرائے ہونا، جنگ اور صلح کے موقعوں پر نمایاں کام کر سکتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ وہ شرط ہیں جو ببداہت عقل معلوم ہیں۔ کیونکہ مقاصد خلافت بغیر ان امور کے متحقق نہیں ہو سکتے۔ لیکن خلیفۂ راشدہ میں ان عام شروط خلافت کے علاوہ ایک مزید شرط یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملکات اور افعال میں خاص تشبیہ حاصل ہو۔ یعنی وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا نمونہ اور ظل ہو اور تشبیہ سے ان صفات کے ساتھ تشبیہ مراد ہے کہ جو اوصاف نبی و رسول کو نبوت و رسالت کی حیثیت سے حاصل ہوں، اور جن اوصاف کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں ان میں تشبیہ مراد نہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غایت درجہ حسین و جمیل ہونا یا ہاشمی ہونا۔ ان صفات کو نبوت و رسالت سے کوئی

تعلق نہیں۔انبیاء کرام جمال میں مختلف رہے ہیں۔اور ہزاروں نبی بنی اسرائیل میں ہوئے۔معلوم ہوا کہ ہاشمیت نبوت کے لئے لازم اور ضروری نہیں۔بخلاف اقامت جہاد، اقامت ارکان اسلام، احیاء علوم دینیہ وغیرہ وغیرہ یہ صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلحاظ وحی اور نبوت حاصل تھے۔اکثر انبیاء کرام اگرچہ مامور بالجہاد نہ تھے لیکن جن حضرات نے جہاد کیا وہ وحی الٰہی کے بنا پر کیا۔پس اس قسم کے صفات میں خلیفۂ خاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تشبیہ کامل حاصل ہونا ضروری ہے۔اور تشبہ کامل کی قید اس لئے لگائی کہ فقط صفات میں تشبہ کا حاصل ہوجانا کافی نہیں ورنہ ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ تشبہ ضرور حاصل ہوتا ہے۔مثلاً نماز پنجگانہ اور تلاوت قرآن وغیرہ وغیرہ۔چونکہ کلام خلافت خاصہ میں ہے اس لئے تشبہ کامل کی قید لگانا ضروری ہوا۔اور تشبہ کامل اسی شخص کو حاصل ہوسکتا ہے جو امت کے طبقۂ علیا میں سے ہو نہ کہ طبقۂ وسطی اور ادنیٰ سے۔

(خلافت راشدہ:ص/۸بحوالہ ازالۃ الخفائ:۲۵۸ج/۱)

بعثت رسل کی حقیقت اور خصال نبوت کا بیان: جب یہ معلوم ہوگیا کہ خلافت خاصہ نمونۂ نبوت اور تشبہ بہ نبوت کا نام ہے تو ضروری ہوا کہ بعثت رسل کی حقیقت بتلائی جائے اور ان خصال اور صفات کو بیان کیا جائے کہ جو نبی کو بحیثیت نبوت کے حاصل ہوتے ہیں تا کہ خلافت خاصہ کی بیان کردہ حقیقت خوب واضح ہوسکے بعثت (رسول کے بھیجنے) کے یہ معنی نہیں کہ کسی کو پیغمبر بنا کر آسمان سے زمین میں بھیج دیا جائے۔یا مشرق سے مغرب میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں کسی شخص کو نبی بنا کر بھیج دیا جائے بلکہ بعثت رسل کے معنی یہ ہیں

کہ حق تعالیٰ کا ارادۂ لطف ورحمت اس امر کے متعلق ہو کہ ارسال رسول اور بعثت نبی کے واسطہ سے بندگان خدا کو دین خداوندی اور شریعت الٰہیہ سے آگاہ کیا جائے تاکہ ان کی اصلاح اور فلاح کا باعث ہو۔ اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ بننے کے قابل ہر فرد وبشر نہیں ہوسکتا اور ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ نبوت ورسالت اور سفارت خداوندی اور خلافت ایزدی کے منصب جلیل پر فائز ہوسکے، اس لئے حکمت اور مصلحت اس کی مقتضی ہوئی کہ افراد بشر میں سے بعثت کے لئے ایک ایسے فرد کو متعین کیا جائے کہ جس کا مبارک اور بزرگ وجود زمین پر ایسا ہو جیسا کہ آسمانوں میں جبرئیل امین کا وجود ہے۔ اس کا نفس قدسیہ ملأ اعلیٰ کے غایت درجہ مشابہ ہو۔

لوازم نبوت: نبوت کے لوازم بلکہ اجزاء میں سے یہ ہے کہ نبی کا نفس ناطقہ اپنی دونوں قوتوں یعنی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ میں تمام عالم سے بلند اور برتر ہو۔

حق جل شانہ جس کو منصب نبوت پر فائز فرماتے ہیں اس کو محض اپنے فضل اور رحمت سے بلاکسی سعی اور بلاکسی جدوجہد کے اس کو ایک ایسی خاص قوت عاقلہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس کا نفس ناطقہ عالم غیب کے وحی اور الہام کو سن سکے اور سمجھ سکے اور ملائکہ اور جنت اور جہنم اور عالم ملکوت کی چیزوں کا مشاہدہ کرسکے اور آئندہ کے جو واقعات صور مثالیہ کے ذریعہ اس کو خواب میں دکھلائے جائیں ان کو کما حقہ سمجھ سکے۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ اس کو محض اپنی رحمت اور عنایت سے بلاکسی مجاہدہ اور ریاضت کے ایسی بے مثال قوت عاملہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس

کانفس ناطقہ تمام اخلاق فاضلہ اور ملکات صالحہ کا معدن اور منبع بن جاتا ہے۔اور اس کے اعضاء وجوارح سے افعال جمیلہ اور اعمال صالحہ کا صدور نہایت سہولت بلکہ لذت اور فرحت کے ساتھ ہونے لگتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے، یہ قوت عاقلہ کی طرف اشارہ ہے۔اور ایک حدیث میں ہے کہ سمت صالح (عمدہ خصلتیں) نبوت کا پچیسواں جزء ہے، یہ قوت عاملہ کی طرف اشارہ ہے۔اور اس طرف بھی اشارہ مفہوم ہوتا ہے کہ قوت عاملہ کا درجہ قوت عاقلہ سے کم ہے۔

(خلافت راشدہ:ص/۱۰بحوالہ قرۃ العین:ص/۱۰،ازالۃ الخفاء:ج/۱ص/۱)

خواص نبوت کی ایک عجیب مثال: اگر نبوت کے خواص اور لوازم کو سمجھنا چاہتا ہے تو یہ فرض کر کہ چار شخص ہیں کہ ایک تن میں جمع کر دیئے گئے ہیں اور اس مجموعہ کا نام نبی اور پیغمبر رکھ دیا گیا ہے۔

شخص اول: وہ بادشاہ عادل ہے جس کے نفس ناطقہ پر ملأ اعلیٰ سے سیاست ملکیہ کے علوم کلیہ کا القاء ہوتا ہے حکمرانی اور عدل عمرانی کے اصول وفروع کا دم بدم اس کو القاء ہوتا رہتا ہے۔حتیٰ کہ سلطنت کے لئے جس قدر امور ضروری ہیں مثلاً حکمت، شجاعت اور سخاوت اور معدلت یہ اس بادشاہ سے فطری طور پر ظہور میں آتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ نظام سلطنت غایت درجہ منظم اور مرتب ہے۔ اور سارے ملک کی کثرت مبدل بوحدت ہو چکی ہے، جیسا کہ **"لو انفقت ما فی الارض جمیعا ماالفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم"** اور ارشاد باری **"فاصبحتم بنعمته اخوانا"** اس طرف مشیر ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی رحمت سے تمام مسلمانوں کو ایسا ایک دل بنا دیا کہ سارے دشمنان مبدل بہ محبت واخوت ہو گئے کہ اگر روئے زمین کے خزائن بھی خرچ کئے جاتے تو یہ الفت نہ پیدا ہوتی۔ ان آیات میں اسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا شخص: وہ حکیم کامل ہے کہ جس کے قلب سے اس کی زبان پر علم وحکمت کے چشمے جاری ہیں اور لوگوں کو حکمت واخلاق کی تعلیم وتلقین میں مصروف ہے۔ اور اس کا نفس ناطقہ خود بھی ان اخلاق فاضلہ کے ساتھ علی وجہ الکمال تحققا وتخلقا موصوف ہے اور اس کا ظاہر و باطن ان صفات اور ملکات کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ بفحوائے "**کل اناء یترشح بما فیه**" انہیں صفات کی خو اور بو اس سے ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "**یوتی الحکمة من یشاء و من یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا**" اور قرآن کریم میں جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے، "**اٰتیناه الحکمة**" بھی اس کے حق میں بیان کیا گیا ہے۔ ان آیات میں اسی صفت حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

تیسرا شخص: وہ عارف کامل اور صوفی کامل اور مرشد کامل ہے کہ جو تہذیب نفس اور تزکیۂ قلب کے طریقوں سے بخوبی واقف ہے۔ صاحب مقام اور صاحب حال ہے اور صاحب کشف والہام ہے۔ منبع انوار وبرکات اور مصدر کرامات ہے۔ مریدین اور سالکین کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ ان کو مجاہدہ اور ریاضت نفس کے طریقے تلقین کر رہا ہے۔ اور اپنی فیض صحبت سے ان کی تربیت کر رہا ہے۔

حق جل شانہ کے اس ارشاد "**وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**

وَيُزَكِّيهِمْ'' میں اسی طرف اشارہ ہے۔ تعلیم الکتاب والحکمت سے تعلیم اخلاق مراد ہے۔ اور تزکیہ سے فیض صحبت کے ذریعہ باطنی تربیت مراد ہے۔

چوتھا شخص: وہ جبریل امین ہے جو سماوات میں مطاع اور مکین (صاحب مرتبہ) ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء ورسل کے درمیان سفیر اور واسطہ ہے۔ اور وحی والہام اور علم کا فرشتہ ہے، اور تدبیر الٰہی کا ایک جارحہ ہے اور ملائکہ مدبِّرات امرًا کے سرخیل ہیں، اور ''**لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون**''۔ ان کی خاص الخاص صفات ہیں۔ اس جگہ جبریل سے ہماری مراد وہ قوت ملکیہ ہے جو جارحۂ تدبیر الٰہی اور واسطۂ اخذ علوم خداوندی ہو۔ یعنی اس کی اصل جبلت جبرئیلی ہو کہ جس کے لئے حظیرۃ القدس کی راہیں کشادہ ہوں اور ملأ اعلیٰ سے جو علوم اس کے عقل اور قلب پر القاء ہوں ان کو بسہولت اخذ اور جذب کر سکے۔

لہذا نبی ان چار شخصوں کے مجموعہ کا نام ہے کہ جو ایک تن اور ایک بدن میں جمع کر دیئے گئے ہوں اور یہ تمام صفات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں علی وجہ الکمال والتمام موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ لطف وکرم اس طرف متوجہ ہوا کہ عالم کی ہدایت اور اصلاح کے لئے ایک رسول اعظم کو مبعوث کیا جائے کہ دنیا پر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت کرے اور کتاب وحکمت یعنی مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اور حکمت ملکیہ اور منزلیہ کی ان کو تعلیم دے، اور جبرئیل امین کی طرح اپنی فیض صحبت اور تربیت سے ان کے قلوب اور نفوس کا ایسا تزکیہ کرے کہ ان کے قلوب آئینہ کی طرح صاف اور مجلی ہو جائیں اور علوم الٰہیہ اور تجلیات

ربانیہ کے عکس کو پورا قبول کر سکیں۔

حق جل شانہ کے اس ارشاد ”**هو الذى بعث فى الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلال مبين**“ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(خلافت راشدہ: ص/۱۴ بحوالہقرۃ العین: ص/۲۴ وازالۃ الخفاءؒ: ص/۱ ج/۲)

خلافت الٰہیہ اور خلافت نبوت: حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں، جیسے حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ”**اذ قال ربک للملٰئکة انی جاعل فی الارض خلیفة**“ اور خلیفہ راشد نبی اور رسول کا خلیفہ ہوتا ہے۔

خلیفۂ خداوندی معاذ اللہ خدا نہیں ہوتا لیکن **اول** یہ کہ صفات خداوندی کا ایک ظل اور عکس ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ **خلق اللہ آدم علی صورته** یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی تجلی خاص کا مظہر بنایا۔ ؎

پس خلیفہ ساخت صاحب سینہ تا بود شاہیش را آئینہ

دوم یہ کہ اس کا وجود باوجود دنیا میں ربوبیت تشریعیہ کے اجراء اور تنفیذ کے لئے بمنزلہ جارحہ الٰہیہ کے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن امور اور علوم اور اصلاحات کو بنی نوع انسانی میں جاری کرنا چاہتے ہیں ان کے اجراء اور انفاذ کے لئے نبی کو واسطہ تدبیر بناتے ہیں کہ جو کچھ منجانب اللہ ظہور میں آئے اس کا ظہور اس پیغمبر کے ہاتھ سے ہو۔ گویا کہ یہ نبی بلا تشبیہ و تمثیل تدبیر خداوندی کے ظہور کے لئے بمنزلہ جارحہ الٰہیہ کے ہوتا ہے جیسا کہ ”**وما رميت اذ رميت ولٰكن**

اللہ رمیٰ'' میں اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ ؎

فانت حسام الملک واللہ ضارب　　وانت لواء الدین واللہ عاقد

وقال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ'' یہ ارشاد بھی اسی کا مؤید ہے۔

سوم یہ کہ اس کی قوت علمیہ اور قوت عملیہ کو ملأ اعلیٰ کی قوت عملیہ اور قوت علمیہ کے ساتھ خاص تشبہ حاصل ہوتا کہ قوت علمیہ کے تشبہ کی وجہ سے ملأ اعلیٰ کے علوم کے تلقی اور اخذ اس کے لئے آسان ہو اور قوت عملیہ کے تشبہ کی بناء پر اس کو ملائکہ کرام جیسی عصمت اور طہارت اور نزاہت حاصل ہو سکے۔ ؎

نقش آدم لیک معنی جبرئیل　　رستہ از جملہ ہواء وقال قیل

قال تعالیٰ ''ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا'' یعنی اگر فرشتہ کو ہی بنا کر بھیجتے تو انسان کی شکل میں بھیجتے تا کہ لوگ اس کے حسن و جمال کا تحمل کر سکیں۔ اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے استفادہ اور استفاضہ کر سکیں۔

چہارم یہ کہ ملأ اعلیٰ کی تائید ہر موقعہ اور محل میں اس کی معین اور مددگار رہو تا کہ ملأ اعلیٰ کی تائید اس خلیفہ کے ہاتھ پر ظہور خوارق کا سبب بنے اور خلیفہ اول کے حق میں ''واذقلنا للملٰئکۃ اسجدوا'' میں اسی تائید ملأ اعلی کی طرف اشارہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تائید کے لئے جنگ بدر اور حنین میں ملائکہ مسومین کا نزول بھی اسی تائید ملأ اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

پنجم یہ کہ اس کے نفس قدسیہ کے انوار و تجلیات کا عکس حاضرین پر پڑتا ہو

کہ جس کی بنا پر سلیم الطبع لوگ ظلمت سے نکل کر نور کی طرف آنے لگیں اور اس کی فیض صحبت سے دلوں کی ظلمتیں اور کدورتیں صاف ہونے لگیں اور ''لیخرجھم من الظلمات الی النور'' کا مشاہدہ آنکھوں سے ہونے لگے۔

ششم یہ کہ اس کے قوائے ثلاثہ یعنی قوت عقلیہ اور قوت شہویہ اور قوت غضبیہ غایت درجہ معتدل ہوں کہ ایک قوت دوسری قوت کے حقوق مختصہ میں مداخلت نہ کرے جس سے ایک خاص صورت اعتدالیہ پیدا ہوجائے اور اسی اعتدال کی بناء پر انسان فرشتوں سے بھی بازی لے جاتا ہے، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی تسبیح وتحمید ملائکہ کی تسبیح وتحمید سے افضل واکمل تھی۔ اس لئے کہ ملائکہ چونکہ امور حسیہ اور جسمانیہ کھانا پینا وغیرہ وغیرہ کو کما حقہ نہیں جانتے اس لئے فرشتوں کی تسبیح وتحمید فقط امور معنویہ پر ہوتی ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام روحانیت اور جسمانیت دونوں کے جامع تھے اور فرشتے فقط روحانی ہیں۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کی تسبیح وتحمید ملائکہ کی تسبیح وتحمید سے اعم اور اتم ہوئی۔

ہفتم یہ کہ بخت مسعود اور فتح ونصرت اور غلبۂ اعداء اور محبوبیت قلوب اس کی ہمرکاب ہو۔ ''کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغالبون'' اور اس قسم کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

خلافت نبوت یا خلافت راشدہ: خلافت الٰہیہ کے سمجھ لینے کے بعد اب خلافت نبوت کو سمجھئے کہ جس طرح خلیفۂ خداوندی خدا نہیں ہوتا اسی طرح خلیفۂ نبی نبی اور رسول نہیں ہوتا مگر نبی کی صفات کا نمونہ اور ظل اور عکس ہوتا ہے۔

پس خلیفہ راشدہ وہ ہے کہ جس کا نفس ناطقہ اپنی دونوں قوتوں یعنی قوت عقلیہ اور قوت عملیہ میں نبی کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کے مشابہ اور ہم رنگ ہو۔

اور جن اغراض اور مقاصد کے لئے نبی کی بعثت ظہور میں آتی ہو ان اغراض و مقاصد کی تکمیل اس خلیفہ کے ہاتھ پر ہو۔ یعنی نبی اور رسول جس کام کی بنیاد رکھ گئے ہوں مگر وہ کام ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ دنیا سے رحلت فرما گئے تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید سے ان کاموں کو اس نبی کے خلیفہ خاص کے ہاتھ پر پورا فرماتے ہیں، پس جو خلیفہ نبی کے باقی ماندہ امور کا علما اور عملا اور فتوحا مکمل اور متمم ہو وہ اس کا خلیفہ خاص اور خلیفہ راشد ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے باقی ماندہ امور کی تکمیل یوشع علیہ السلام نے کی۔ اور داؤد علیہ السلام کے باقی ماندہ امور کی تکمیل و تتمیم سلیمان علیہ السلام سے ہوئی۔ حق جل شانہ کے اس ارشاد "**فاما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا یرجعون**" میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جو وعدے ہم نے آپ سے کئے کچھ تو آپ کی وفات کے پہلے آپ کی زندگی ہی میں پورے ہو جائیں گے اور جو وعدے باقی رہ جائیں گے وہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر پورے ہو جائیں گے۔ جو وعدے آپ سے کئے گئے ہیں وہ اپنے وقت پر پورے ہو جائیں گے۔

خلافت کا ظاہر اور باطن: خلافت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ خلافت کا ظاہر وہ ریاست اور فرماں روائی ہے کہ جو دین متین کی تمکین اور اس کی اقامت اور استحکام کے لئے ہو۔ اور خلافت کا باطن وہ خاص تشبہ ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان افعال اور صفات میں مشابہ ہوتا ہے جو افعال اور

صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت پیغمبری حاصل تھے۔

پس جس طرح حقیقت نبوت ارادۂ الٰہیہ ہے جو عالم کی صلاح اور فلاح اور مفسدین اور کفار کے اہلاک اور دین متین اور شریعت الٰہیہ کی ترویج کے متعلق ہو۔اسی طرح حقیقت خلافت ارادۂ الٰہیہ ہے جو کسی شخص کے اشاعت اور ترویج اور غلبہ کے تکمیل اور تتمیم کے متعلق ہو۔

اور یہ وہ شخص ہے کہ جو قوت عاقلہ اور قوت عاملہ اور قوت اعتدالیہ (جو قوت عاقلہ اور عاملہ کے امتزاج اور اتصال سے پیدا ہوتی ہیں) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت اور خاص مشابہت رکھتا ہو۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں قوت عاقلہ کے کمال ثمرات اور نتائج میں سے وحی الٰہی تھی اور خلیفہ راشد کی قوت عاقلہ کے کمال کے ثمرات اور نتائج میں سے صدیقیت اور الہام اور فراست صادقہ ہے جس کی وجہ سے اس کے مظنونات حکم میں یقینیات کے ہوتے ہیں۔اور اکثر واقعات میں اس کی رائے وحی الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں قوت عاملہ کے کمال کے ثمرات ونتائج میں سے عصمت کاملہ اور سیرت صالحہ تھی اور خلیفہ راشد حق میں قوت عاملہ کے کمال کے اثرات ونتائج میں سے صلاح کامل اور عفت کاملہ ہے جس کو اصطلاح میں محفوظیت سے تعبیر کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی شان میں فرمایا ''ان الشیطان یفر من ظل عمر'' تحقیق شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے۔

اور قوت اعتدالیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان میں دو

خصلتیں رکھی ہیں ایک خصلت بہائم اور ایک خصلت ملائکہ۔ پس خصلت بہمیت اور خصلت ملکیت کے درمیان اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے، نہ ملکیت کو بیکار چھوڑ دے اور نہ بہمیت کو۔ ہر ایک کے حق ادا کرے۔ کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ اعتدال اور میانہ روی ان دونوں قوتوں کے درمیان حد فاصل ہے اور یہی میانہ روی ہمیشہ انبیاء کرام کا مطمح نظر رہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قوت براعت یعنی قوت اعتدالیہ اور امتزاجیہ کے ثمرات میں سے معجزات اور خوارق عادات اور عجیب وغریب واقعات کا ظہور تھا اور خلیفہ راشد کے حق میں قوت اعتدالیہ کے ثمرات اور نتائج میں مقامات عالیہ اور کرامات خارقہ اور تاثیر دعوات صالحہ اور تاثیر مواعظ خلیفہ ہیں جیسا کہ آیت کریمہ ”اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ“ اس امر پر دال ہے کہ نبی کا مقرر فرمودہ بادشاہ اسی قسم کے خیرات وبرکات اور کرامات کا مصدر ہوتا ہے۔ پس جب خلیفہ میں یہ تینوں صفتیں پائی جائیں تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کا تشبہ حاصل ہوگا۔ ان تینوں صفتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ خلافت کا باطن ہے۔ اور تمکین دین اور ترویج ملت کے لئے ریاست اور فرماں روائی یہ خلافت کا ظاہر ہے۔ پس نبی کا خلیفہ خاص وہ شخص ہے کہ جس میں خلافت ظاہر اور باطن دونوں پہلو پائے جائیں۔ اور یہ خلافت خاصہ مراتب ولایت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جو مقام نبوت سے اقرب اور اشبہ ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ کے علماء وصلحاء کو دین محمدی کی ترویج وتجدید کی وجہ سے

جو مدارج ومراتب حاصل ہوئے وہ اپنی جگہ پر ہیں۔اور خلافت ان تمام مدارج اور مراتب کی جامع ہے جو علماء اور صلحاء اور امراء اور ملوک کو حاصل ہوئے۔

خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلیفہ خاص کی صفات کا بیان

اوپر جو کچھ بیان کیا وہ زیادہ تر مطلق نبی اور مطلق پیغمبر کے خلیفۂ خاص سے متعلق تھا۔اب ہم خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ خاص کی صفات کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے نبی اکرم ورسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء ورسل سے افضل تھے اور آپ کی شریعت کاملہ تمام شرائع الٰہیہ سے اکمل اور افضل تھی، اور آپ کی کتاب تمام کتب سماویہ سے افضل تھی، اور آپ کی بعثت عام اور دائم تھی۔ یعنی تمام عالم کے لئے تا قیامت آپ کی بعثت تھی اور آپ کی ذات بابرکات جامع الفضائل والکمالات تھی اور آپ سے پہلے جس قدر حضرات انبیاء ومرسلین گذرے ان کو خاص خاص معجزات اور کرامتیں عطا فرمائیں اور خاص خاص قوموں کی طرف ایک محدود زمانے کے لئے ان کو مبعوث فرمایا، آپ سے پیشتر نبوت ورسالت کا ظہور مختلف صورتوں اور مختلف شکلوں میں ہوتا رہا۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نبوت بصورت بادشاہت تھی تاکہ اس بے مثال اور خارق عادت بادشاہت کو دیکھ کر اس زمانہ کے بادشاہوں کی گردنیں بارگاہ نبوت کے سامنے خم ہوجائیں۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام کی نبوت بصورت حَبریت اور عالمیت تھی یعنی وہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے حَبر اور عالم تھے۔جو ان کو اپنے علوم اور

معارف اور مواعظ بلیغہ سے سیراب فرماتے تھے۔

اور حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت بصورت زہد وعبادت تھی۔ دونوں بزرگ عابد وزاہد تھے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت بصورت اصلاح وتربیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت جیسی روشن کتاب دے کر بھیجا تاکہ بنی اسرائیل کی اصلاح وتربیت اور ان کی دینی اور دنیوی عزت ورفعت کا سبب بنے اور بنی اسرائیل کی دشمن قوم فرعون اور قبطی ذلیل اور مقہور ہوں اور بنی اسرائیل ان کے تخت وتاج کے وارث بنیں اور سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہوجائے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت بصورت طب وحکمت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ وابرص کا اعجاز عطا فرمایا جس کو دیکھ کر فلاسفہ اور اطباء دنگ اور حیران رہ گئے۔

صد ہزار طب جالینوس بود پیش عیسیٰ ودمش افسوس بود

بہرحال نبوت جس وقت بھی جس صورت میں نمودار ہوئی ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو عزت، وجاہت اور غلبہ عطا فرمایا۔ اور امت کو انقیاد اور اطاعت کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ غلبہ اور عزت ووجاہت اور قوم کا انقیاد بمنزلہ بدن انسانی کے تھا۔ اور اس کے اندر جو عنایت الٰہیہ اور فتح غیبی مستور تھی وہ بمنزلہ نفس ناطقہ کے اندر ہی اندر کارفرما تھی وہ نبوت کی روح تھی۔ اور آیت کریمہ ''اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ

وَمَاتَأَخَّرَ'' میں اسی روح نبوت کی طرف اشارہ ہے، بدن میں جو حرکت نظر آتی ہے وہ روح کا اثر ہے مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ہے ؎

ما ہمہ شیراں ولے شیر علم　　جنبش از باد باشد دم بدم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل الرسل اور خاتم الانبیاء تھے اس لئے منجانب اللہ آپ کی نبوت ان تمام صورتوں کی جامع ہوئی۔ یعنی بادشاہت اور جبریت اور علم وحکمت اور زہد وعبادت اور فقیری ودرویشی آپ کی نبوت ان سب کی جامع تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء علم وحکمت ،فقرو درویشی، اورزہدوعبادت سے ہوئی جیسا کہ ''هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ'' میں اسی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد اہل مکہ کو توحید اور رسالت کی دعوت دی، چند لوگ آپ کے پیرو ہو گئے اور پھر اسی طرح سے ترقی ہوتی گئی اور دن بدن آفتاب نبوت کی روشنی اطراف وجوانب میں پھیلنے لگی ، اور روز بروز حق کے قبول کرنے والے بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کی نبوت ایک رئیس شہر کی صورت میں نمودار ہوئی۔ بعد ازاں آپ کو ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ مدینہ طیبہ اوراس کے اطراف وجوانب کے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے، اوراسی طرح اسلام کی جمعیت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ مکہ معظّمہ فتح ہوا، اور قبائل عرب جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور وعدۂ الٰہی ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا'' کا ظہور ہوا۔ فتح مکہ میں

دس ہزار صحابہ آپ کے ہمرکاب تھے اس کے بعد آپ نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار اشخاص اور ایک روایت میں ہے کہ ستر ہزار اشخاص آپ کے ہمرکاب تھے۔ اور ایک سال بعد حجۃ الوداع میں ایک لاکھ بیس ہزار اشخاص آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس وقت میں تہامہ، نجد اور نواحی شام آپ کے دست تصرف میں تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان مقامات اور شہروں میں زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سراپا خیرات وبرکات میں مدینہ طیبہ ایک دارالسلطنت کی صورت میں تھا۔ اور آپ کی نبوت بشکل بادشاہت تھی۔ شیر خوار بچہ کی طرح یہ اسلام کے ابتداء کی حالت تھی۔ مگر لمحہ بہ لمحہ ترقی پر تھی۔ ترقی کے مدارج ابھی پورے نہ ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے رحلت فرمائی۔ اور وہ درجہ جو ترقی کا ابھی باقی تھا وہ ذوالقرنین جیسی سلطنت تھی کہ جملہ سلاطین وقت ان کے لواء سلطنت کے مطیع اور منقاد تھے اور یہ وہ سلطنت تھی جس کا بادشاہ شہنشاہ کہلاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا اس کی بشارت دی لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا آئی ”یَاۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لبیک کہا تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ آپ کے بعد روم وفارس کی فتح سے خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور فارس وروم کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور یہ سب کارہائے نمایاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ حسنات میں محسوب ہوئے اور اس طرح مضمون آیت کریمہ ”هُوَ الَّذِیْ

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" ظہور پذیر ہوا۔ فالحمدللہ علی ذالک۔ یہ صورت سلطنت تھی۔

اور صورت حَبریت اور عالمیت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہلاء عرب کو کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔ عرب نے یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں، لکھے پڑھے نہیں مگر ایسی کتاب کی آیتیں پڑھ کر ہم کو سناتے اور سمجھاتے ہیں کہ جس کی فصاحت اور بلاغت حیطۂ ادراک سے باہر ہے اور وہ کتاب باعتبار معانی اور مضامین ہر قسم کے دینی اور دنیوی اور تہذیبی اور تمدنی احکام پر مشتمل ہیں۔ ایسا کلام بندہ کی طاقت سے باہر ہے۔ ایسا کلام تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہوسکتا ہے۔ اور پھر آپ کی زبان فیض ترجمان سے جو احادیث سنیں وہ بھی عجیب وغریب علوم ومعارف کا خزینہ اور گنجینہ تھیں، سمجھ گئے کہ یہ شخص کوئی اللہ کا فرستادہ ہے۔ رفتہ رفتہ حضورؐ کی پیروی کرنے لگے۔ اور علم ورشد کی روشنی عربوں میں پھیلنی شروع ہوئی اور اتنی پھیلی کہ گھر گھر علم کی روشنی سے منور ہوگیا۔ حتیٰ کہ جو لوگ بادیہ نشین تھے وہ بھی علماء وقت اور فضلاء ملت بن گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیٔ الٰہی کی حفاظت اور نگہداشت شروع کی اور ایک جماعت کو اس کی کتابت کے لئے متعین فرمایا۔ اور ایک جماعت کو قرآن کریم کی تعلیم دینی شروع کی۔ اور ایک جماعت کو تفسیر قرآن کی اور ایک جماعت کو حفظ احادیث کی اور ایک جماعت کو قضاء اور افتاء کی تعلیم دینی شروع کی کہ شریعت الٰہیہ کے چشمۂ آب حیات اور حوض کوثر کی اس طرح ایک حد بندی ہوجائے تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس چشمہ سے سیراب اور فیضیاب ہوسکیں۔

تعلیم کتاب وحکمت کے یہ مراحل تو حضور پرنور کی زندگی میں طے ہوگئے ہنوز

کچھ مراحل اور مدارج باقی تھے۔ مشیت الٰہی یہ تھی کہ ان مراحل و مدارج کی تکمیل خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر ہو۔ اور وہ قرآن مجید کا ایک جگہ بین الدفتین جمع کیا جانا تھا۔ چنانچہ خلفاء راشدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کو پتھروں اور کھجور کے شاخوں اور لوگوں کے سینوں سے ایک جگہ بین الدفتین بشکل مصحف جمع کرایا اور جمع کر کے تمام آفاق میں اس کو شائع کیا تاکہ مسلمان اس کو اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ رکھ سکیں۔ اور اس طرح ''اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَه'' میں جمع قرآن کا وعدہ کیا گیا تھا وہ خلفاء راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ اور احادیث نبویہ کے متعلق یہ خدمت انجام دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ احکام جو ہنوز عامۂ مسلمین میں شائع نہ ہوئے تھے خلفاء راشدین حسب ضرورت ان کی تحقیق اور تفتیش کرتے گئے اور انہیں کے مطابق حکم دیتے رہے یہاں تک کہ وہ احکام تمام مسلمانوں میں شائع ہوتے گئے۔ اور روایت حدیث میں حزم اور احتیاط کی تاکید کی اور اسی لئے کسی کسی موقعہ پر گواہ بھی طلب کئے، اور جو آیات اور نصوص قرآنیہ محتمل المعنی تھیں یعنی جن میں متعدد اور مختلف معانی کی طرف ذہن جا سکتا تھا اہل حل وعقد اور اکابر صحابہ کے مشورہ سے ان کے معنی متعین کر دیئے۔ اور بہت سے مختلف فیہ مسائل کو مشورہ اور اتفاق سے طے کیا۔ اس طرح مختلف فیہ مسائل میں اجماع کی بنیاد ڈالی۔

اور جن امور میں کوئی نص شرعی نہ تھی ان میں اجتہاد کرنے کا طریقہ بتلایا۔ امام دارقطنی نے ادب القضاء میں روایت کیا ہے کہ فاروق اعظم نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا اور اس میں یہ حکم لکھا کہ جو امر تمہارے دل میں باعث خلجان پیش آئے جس کے متعلق تمہیں کتاب وسنت سے کچھ نہ پہنچا ہو تو اس میں نہایت فہم

اور سمجھ سے کام لو۔ اور کتاب وسنت میں جو اس کے امثال ونظائر ہیں ان کو دیکھ کر ان پر قیاس کرو۔ اور اس کی پوری کوشش کرو کہ جو امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے زیادہ حق کے مشابہ ہو اس کو اختیار کرو۔ انتہیٰ

اس طرح فاروق اعظم نے قیاس اور اجتہاد کی بنیاد ڈالی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امور یعنی اجماع وقیاس کتاب وسنت کے علاوہ ہیں۔ اس لئے کہ ان امور پر کتاب وسنت کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا لیکن کتاب وسنت کے مخالف نہیں بلکہ عین مطابق اور عین موافق ہیں، انہیں سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے خود کتاب وسنت کے بے شمار نصوص اجماع اور قیاس کے حجیت کی طرف مشیر ہیں۔ پس شریعت کے دو آخری مرتبے اجماع وقیاس خلفاء راشدین کے ہاتھ پر مکمل ہوئے، جن کی تکمیل زمانہ سعادت میں نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے وہ کتاب وسنت میں منحصر ہے اور یہ امور کتاب وسنت کے علاوہ ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک خلیفہ کی ضرورت تھی کہ جو قرآن مجید کو جمع کرتا۔ اور احادیث نبویہ کی نہایت حزم اور احتیاط کے ساتھ نشر واشاعت کرتا۔ اور ان کی تفسیر اور شرح سے لوگوں کو آگاہ کرتا اور کتاب وسنت کے بعد ادلہ شرعیہ میں جو سب سے افضل اور بہتر دلیل ہے یعنی اجماعِ اہل علم وتقوی کی بنیاد رکھتا اور غیر منصوص مسائل میں قیاس اور استنباط کی تعلیم دیتا۔

چنانچہ کتاب وسنت کے بعد باتفاق علماء افضل ادلہ شرعیہ اجماعیات خلفاء ہیں جو فقہاء صحابہ کے اتفاق اور مشورہ سے منعقد ہوئے اور تمام امت نے دل وجان سے ان کو قبول کیا۔ اور ظاہر ہے کہ عہد نبوت اور زمانہ نزول وحی میں کسی

مسئلہ کا مشورہ اور اتفاق سے طے کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے اجماع اور اتفاق کی بنیاد حضورؐ کی وفات کے بعد پڑی۔

اور اسی طرح قیاس اور استنباط کی بنیاد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پڑی۔ اور اس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی جو ابتدائی صورت وشکل تھی یعنی حبریت وعالمیت اور تعلیم کتاب وحکمت اس کی تکمیل وتتمیم خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر ہوئی کہ ادلہ شرعیہ کی تکمیل ہوئی۔ یعنی کتاب وسنت کے بعد اجماع اور قیاس کی بنیاد پڑی۔ اور فقہاء کرام نے اپنے اپنے مذاہب کی بنیاد جن ادلہ پر رکھی وہ بھی چار ہیں۔ کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت زہد اور عبادت اور صورت ارشاد وتزکیہ اور تلقین وتربیت کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ خلفاء راشدین نے حضور پرنورؐ کے افکار اور اوراد اور انواع احسان واخلاص اور وظائف عبودیت اور توحید اور توکل اور صبر وشکر وغیرہ وغیرہ کی تلقین وتعلیم کو قولاً اور عملاً جاری رکھا۔

خلفائے راشدین کی خدمات عالیہ: اور جس طرح حضور پرنورؐ اپنی فیض صحبت سے صحابہ کے نفوس کا تزکیہ اور تربیت فرماتے تھے۔ اسی طرح خلفاء راشدین بھی امت کے قلوب کا تزکیہ اور تجلیہ کرتے رہے اور بادشاہت کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ فارس وروم کی سلطنتیں اسلام کی باز گذار بنیں۔

غرض یہ کہ جس طرح حضور پرنورؐ کی نبوت تینوں صورتوں کی جامع تھی اسی طرح خلفاء راشدین کی خلافت بھی تینوں صفتوں کی جامع ہوئی۔ یعنی بادشاہی اور علم وحکمت اور فقیری ودرویشی کا مجموعہ ہوئی۔

خلافت راشدہ کی مثال: خلیفہ راشد کی مثال بانسری کی مانند ہے کہ جس طرح بانسری بجانے والا آواز بلند کرنے کے لئے یا اس آواز میں کوئی شدت یا خاص کیفیت پیدا کرنے کے لئے بانسری کو اپنے منہ سے لگا لیتا ہے تو اصل آواز تو بجانے والے کی ہوتی ہے اور شدت اور کیفیت بانسری کی ہوتی ہے، اسی طرح جو کام خلفاء راشدین کے ہاتھ سے پورے ہوئے وہ سب نبی ہی کی آواز تھی اور خلیفہ بمنزلہ بانسری کے تھا۔ (یا یوں کہو)

کہ خلیفہ راشدہ کا وجود نبی کے حق میں بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہوتا ہے کہ اصل فرمانروا قلب اور دماغ ہوتا ہے (یعنی نبی کی ذات بابرکات) اور خلفاء راشدین اس کے لئے بمنزلہ دست و بازو کے ہوتے ہیں کہ جن کی حرکت نظر آرہی ہے اور دل و دماغ کی حرکت نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ خلافت راشدہ کا زمانہ، زمانہ نبوت کا بقیہ ہے، فرق اتنا ہے کہ زمانۂ نبوت میں خود اپنی زبان مبارک سے صراحۃً امور کو بیان فرماتے تھے۔ اور زمانۂ خلافت میں نبی ساکت وصامت بیٹھے ہیں۔ اور لسان نبوت خاموش ہے اور ہاتھ اور سر اور پیر سے اشارے کر رہے ہیں۔ اور اہل فہم اور اہل دانش مقصود کو سمجھ رہے ہیں۔ اور جس نے اعضاء و جوارح (یعنی خلفاء راشدین) کے حرکات وسکنات کے سمجھنے میں غلطی کی وہ اس کی سمجھ کا قصور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین کے اقوال وافعال باجماع امت حجت شرعیہ ہیں۔ ان کی اجماع واجب اور لازم ہے۔ خلفائے راشدین کے سنت کے اتباع اور خاص ابوبکرؓ وعمرؓ کے اقتداء کے لزوم اور تاکید کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ (خلافت راشدہ تلخیص وترجمہ ازالۃ الخفائ: ص/ ۵ تا ۳۰)

وفات: بالآخراس بیش قیمت وبابرکت مدت حیات کے،جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی، اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید اور احیائے سنت، قرآن وحدیث کی نشر واشاعت،تعلیم وتربیت، یاد الٰہی واعلائے کلمۃ اللہ کی فکر میں مصروف تھا، خاتمہ بالخیر کا دن آ گیا،جس سے ’’کل نفس ذائقۃ الموت‘‘ کے اعلان ووعدہ کے مطابق نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی، نہ مجدد نہ مجاہد،١٧٦اھ شروع ہوا تھا،محرم کی آخری تاریخ تھی کہ یوم موعود آ پہنچا،اور حضرت شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد باسٹھ سال کی عمر میں اس دار فانی کوخیر باد کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ؎

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار نزدیک یار

دنیا میں اس سے بہتر کیا ہوگا کہ دوست دوست سے جا ملے اور یار یار کے پاس پہنچ جائے۔

مدفن: تدفین دلی دروازہ کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی جومہندیان کہلاتا ہے،یہیں مہندیوں کے قبرستان میں شاہ صاحبؒ کے چاروں صاحبزادگان نیز شاہ صاحب کے والد محترم حضرت عبدالرحیم صاحبؒ کی قبریں ہیں جن پر کتبے نصب ہیں۔رحمہم اللہ تعالیٰ (تاریخ دعوت وعزیمت: ج/۵ ص/۱۲۹)

الحمد للہ اس حقیر کو ان حضرات اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کی سعادت باربار نصیب ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرماتا رہے،اوراس حقیر کومع متعلقین کے قیامت میں ان حضرات کی رفاقت سے مشرف فرمائے۔آمین (مرتب)

حضرت مفسر کبیر شیخ یحییٰ احمد آبادیؒ متوفی ۱۱۰۱ھ

نام ونسب: نام یحییٰ، لقب محی الدین، کنیت ابو یوسف، والد کا نام شیخ محمود بن شیخ محمد چشتیؒ ہے۔ آپ نے تفسیر حسینی کے نام سے بیالیس رسالوں میں ایک تفسیر تالیف فرمائی ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۲۰؍رمضان المبارک ۱۰۱۰ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: جدامجد شیخ محمد چشتیؒ کی خدمت میں رہ کر بیس سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری وباطنی حاصل کئے، اور کسب باطن کو بھی کمال تک پہنچایا۔ حافظ قرآن بھی تھے۔ معاشی ضروریات کی بناء پر آپ نے شروع میں کچھ مدت سیف خاں اور مرزا عیسیٰ خاں کے یہاں ملازمت بھی کی مگر اس دوران بھی ورع وتقویٰ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ آپ فوج کے ساتھ سوراشٹر کے علاقہ میں ایک علاقہ کو فتح کر کے تمام فوجی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور تمام فوجی دیہات کا غلہ اور گھاس وغیرہ لا کر خود بھی کھا رہے تھے اور جانوروں کو بھی کھلا رہے تھے، لیکن آپ اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر ایک طرف کونے میں کھڑے ہو گئے۔ ساتھی فوجیوں نے بہت اصرار بھی کیا کہ ہمارے لئے اور ہمارے جانوروں کے لئے غذا اس کے سواء کوئی میسر نہیں مگر پھر بھی قبول نہیں کیا۔ اور اسی بھوک کے عالم میں سو گئے، اسی دوران ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا جس کے ایک ہاتھ میں رومال تھا جس میں روغن لگی ہوئی کھجوریں اور دوسرے ہاتھ میں گھوڑے

کے لئے چارہ تھا۔جس کو آپ کے حوالے کیا۔آپ نے سیر ہوکر خود بھی کھایا اور گھوڑے کو بھی کھلایا۔بعد میں بتایا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

استغناء کا حال: جب آپ اپنے جدامجد کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے تو آپ نے تمام آمدورفت چھوڑ دی اور گوشہ نشین ہو گئے۔اور عزلت وتنہائی اختیار کی۔چنانچہ اس قدر خلوت نشین تھے کہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ جس وقت اس صوبہ کے حاکم تھے تو اس وقت انھوں نے اپنے استاد شیخ نظام الدین کو شیخ کی خدمت میں بھیجا،اور ملاقات کی درخواست کی، شیخ نے جواب دیا کہ ان کی ملاقات کا مقصد دعا ہے۔حقیر اس جگہ بیٹھ کر دعا کر رہا ہے اور اگر اس کا اعتبار کیا جائے کہ اولوالامر کی اطاعت واجب ہے تو میں آسکتا ہوں۔لیکن خوش دلی سے یہاں بیٹھ کر جو دعا ہوسکتی ہے وہ اس حال میں نہیں ہوگی۔یہ سن کر اورنگ زیبؒ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس کی دعا فرمائیں کہ دین محمدی کی سربلندی اور برتری قائم ہو۔شیخ نے اس کی دعا کی اور فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا۔چنانچہ اورنگ زیبؒ بادشاہ ہوئے اوران کے ذریعہ حمایت دین اور شرع مبین کی حفاظت کا کام لیا گیا۔اس کے بعد عالمگیر اپنی شاہزادگی کے زمانے میں اور تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد بھی برابر آپ کی خدمت میں ہدایا بھیجتے رہے۔اورساتھ ہی اپنی طرف سے مکتوب گرامی بھی ارسال کرتے جو ان کے دست خاص سے لکھا ہوا ہوتا۔خاندان چشتیہ میں □ سماع کا ہمیشہ معمول رہاہے، اس لئے آپ کے یہاں بھی بغیر مزامیر کے صرف اشعار پڑھے جاتے۔نعتیں پڑھی جاتیں،مگر اس سلسلہ میں جب حکومت کی طرف سے زیادہ

قیود بڑھادی گئیں تو جس کی بنا پر مرزا باقر جو محتسب تھے انھوں نے تمام جگہ اس بارے میں سختی کردی کہ کہیں بالکل مولود نہ ہو۔ اور نعت گوئی، شعر گوئی وغیرہ کی مجالس قائم نہ کی جائیں۔ چنانچہ ہر جگہ یہ مجلسیں موقوف ہو گئیں مگر شیخ کی خانقاہ میں پھر بھی یہ مجلس برابر جاری رہی۔ یہ چیز محتسب اور اس شعبہ کے ذمہ داروں کو بہت شاق گذری، ایک روز محتسب نے یہ طے کیا کہ تمام لوگوں کو شیخ کی خانقاہ سے پکڑ کر لے آؤں۔ اور ان کی تنبیہ وتادیب کروں، تاکہ اس سے باز آجائیں۔ اس ارادہ سے محتسب خود میر عرب کے گھر میں جاکر بیٹھ گئے۔ جب یہ خبر شیخ کو پہنچی تو شیخ ناراض ہوئے اور ادھر شیخ بھی ان کی آمد کے منتظر مستعد ہو کر بیٹھ گئے۔ جب شیخ کی اس برہمی کی اطلاع محتسب اور میر عرب کو پہنچی تو میر عرب کہنے لگے کہ پہلے جاکر شیخ کو سمجھانا چاہئے۔ اگر وہ قبول کرلیں تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ میر عرب شیخ کی خدمت میں آئے، اور عرض کی کہ محتسب اس ارادہ سے آئے ہوئے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ چند روز کے لئے اس کام کو موقوف کردیا جائے۔ اور بادشاہ کے حکم کا انتظار کیا جائے۔ شیخ یہ سن کر بہت برہم ہوئے اور فرمایا: بادشاہ کون ہے، میں جس کو چاہوں تخت شاہی پر بٹھاتا ہوں۔ جاؤ محتسب سے کہو کہ جلدی یہاں آئے۔ میر عرب اٹھ کر گئے اور سارا ماجرا محتسب سے عرض کیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اس وقت جانا مناسب نہیں ورنہ عظیم فتنہ برپا ہوجائے گا۔ مصلحت یہ ہے کہ اس کو دوسرے وقت پر موقوف کردیا جائے۔ چنانچہ محتسب نے بھی سمجھ لیا کہ اس وقت جانا مناسب نہیں اس لئے اٹھ کر اپنے گھر آگئے۔ شیخ نے کئی مرتبہ یہ قصہ لکھ کر شیخ نظام الدینؒ کے صاحبزادے شیخ

عبداللہ کے واسطے سے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا مگر وہ خطوط بادشاہ کے پاس نہ پہنچ سکے۔ بالآخر شیخ نے وہ خطوط میر سید علی رضوی کی معرفت بادشاہ کی خدمت میں بھیجے، بادشاہ نے جب خط پڑھا تو اس کو بوسہ دیا، سر پر رکھا اور جواب میں معذرت کا خط لکھا، اور چار خطوط الگ الگ افسران کے نام تحریر فرمائے، ایک راجہ جسونت سنگھ کے نام جو اس زمانے میں وہاں کے ناظم تھے، دوسرا نظام الدین احمد کے نام جو دیوان تھے۔ تیسرا میر بہاء الدین کے نام اور چوتھا قاضی محمود شریف کے نام۔ ان خطوط میں یہ لکھ کر بھیجا کہ مرزا باقر محتسب کو بتاکید منع کر دیں کہ دوسری مرتبہ ایسا کام نہ کریں اور مختلف فیہ مسائل میں نہ الجھیں۔ چاروں نے شیخ کی خدمت میں جا کر معافی مانگی۔ اور حکم شاہی کے مطابق ایک ہزار روپیہ اور چار تولہ عطر شیخ کی خدمت میں پیش کئے۔ اس کے بعد کسی نے اس سلسلہ میں آپ سے مزاحمت نہیں کی۔

زیارت حرمین: حضرت شیخ دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے۔ پہلی مرتبہ والدہ بالکل راضی نہیں تھیں، فرماتیں کہ اگر اس ضعیفہ کا وقت آخر آ پہنچا تو میری تجہیز و تکفین کون کرے گا کہ تمہارے بھائی بھی یہاں حاضر نہیں ہیں وہ بھی دکن کی طرف گئے ہوئے ہیں مگر کسی طرح سے والدہ کو راضی کیا کہ ہم جلدی حرمین کی زیارت سے واپس حاضر ہو جائیں گے۔ چنانچہ حج و زیارت سے فارغ ہو کر آپ جلد واپس لوٹ آئے۔ اور والدہ کی خدمت میں پہنچے۔ والدہ ماجدہ کے وصال کے بعد پھر دوبارہ حرمین شریفین کی زیارت کا اشتیاق غالب ہوا بلکہ وہاں قیام کے ارادہ سے لوگوں کو اطلاع کئے

بغیر آپ چل پڑے اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی مسجد میں نزول فرمایا۔ شہر کے اکثر لوگ الوداعی اور رخصتی ملاقات کے لئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ ان سے رخصت ہو کر مکہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد پاؤں کے عارضہ کی بناء پر حضرت نے حرمین میں اقامت اختیار فرمالی۔ ایک سال مکہ مکرمہ اور ایک سال مدینہ منورہ میں قیام فرماتے اس طرح آپ نے چودہ سال حرمین میں گذارے۔

وفات: یہاں تک کہ ۱۱۰۱ھ میں ۲۸/صفر یکشنبہ کے روز سجدہ کی حالت میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر کے متصل بقیع غرقد مدینہ منورہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر ۹۱/ برس ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(مشائخ احمد آباد: ج/ ۲ ص/ ۳۹۷)

حضرت مولانا قطب الدین[ا] شہید سہالوی بارہ بنکویؒ متوفی ۱۱۰۳ھ

نام ونسب: نام قطب الدین، والد کا نام مولانا عبدالحلیم بن شیخ عبدالکریمؒ ہے، مولانا قطب الدین شہیدؒ والد بانی درس نظامی حضرت مولانا نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ایک اندازہ کے مطابق ۱۰۴۰ھ قصبہ سہالہ ضلع بارہ بنکی یوپی میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: معتبر حضرات کا بیان ہے کہ مولانا قطب الدین شہید بچپن میں اپنے نانا کے یہاں جن کا نام ملک حمزہ تھا (قصبہ گڑھی بھلول بارہ بنکی) گئے ہوئے تھے۔ ملک حمزہ کو شاہ حمید ابدال کی خدمت میں انتہائی عقیدت اور رسوخ تھا، اسی لئے جب وہ شاہ حمید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نواسے مولانا قطب الدین کو بھی ہمراہ لے گئے۔ شاہ صاحب نے دور ہی سے مولانا کی شکل دیکھتے ہی (حالانکہ مولانا کا بچپن تھا) انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور اپنی گود میں لے لیا، بے اندازہ شفقتیں فرمائیں، اس کے بعد مولانا قطب الدین کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اس بچے کے پیٹ کو علم سے بھر دیا

ا۔ مشاہیر علماء فرنگی محل مؤلفہ مولانا خالد رشید فرنگی محلی سے یہ حالات لکھے گئے ہیں اور چند فرنگی محلی بزرگوں کے حالات مزید لکھے جائیں گے، ماشاء اللہ مؤلف خود اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ مرتب

گیا ہے، پشت در پشت اس کے گھرانے میں اسی طرح علم کا چلن (سلسلہ) رہے گا۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے دریافت فرمایا، کیا پڑھتے ہو، مولانا نے جواب میں عرض کیا، کافیہ شیخ ابن حاجب، اس کے بعد شاہ حمید ابدال قدس سرہ نے بطور تبرک کوئی چیز مرحمت فرما کر مولانا کو جانے کی اجازت دی اور تحصیل علم کی سخت تاکید فرمائی۔

اب ملا قطب جو کافیہ تک پڑھ چکے تھے، تکمیل علم کے لئے اپنے والد ماجد کے پاس لاہور حاضر ہوئے۔ ایک مدت تک اپنے والد کے پاس لاہور میں تحصیل علم کرتے رہے۔ اکثر علوم کی تحصیل ملا عبدالسلام دیوی کے مدرسہ میں ہوئی، بہر حال تمام فنون (اصول، فقہ، معانی، منطق، طبعیات، الٰہیات، ریاضیات اور دیگر نادر علوم وفنون اور حدیث) میں کمال حاصل کر لیا۔

تذکرہ نویسوں کی صراحت کے مطابق مولانا قطب الدین تیس سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون ظاہری سے فراغت حاصل کر کے اپنے والد ماجد کے ہمراہ وطن لوٹے اور سہالی میں مسند درس پر بیٹھے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ نے حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ کے خلیفہ وجانشین قاضی گھاسی الہ آبادیؒ سے جن کا نام قاضی صدر الدینؒ تھا علوم باطنی حاصل کئے اور سلسلہ چشتیہ میں ان کے مرید اور خلیفہ ومجاز ہوئے، تخمینی حساب سے یہ ۱۰۸۰ھ ہوگا۔ ملا قطب شہید کی ذات سے درس وتدریس اور رشد وہدایت کا سلسلہ اس قدر وسیع ہوا کہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے مطابق:

درس وتدریس: اساتذہ کے سرگروہ، دانشوروں کے پیشوا، معقولات کے

معدن اور منقولات کے مخزن ملا قطب الدینؒ نے ایک عرصہ تک مسند درس کو رونق بخشی اور جگہ جگہ کے طلبہ علم کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ آج مملکت ہندوستان کے بیشتر علماء کا سلسلہ تلمذ ملا قطب الدین تک پہنچتا ہے۔ (مآثر الکرام مطبوعہ)

مولانا قطب الدین شہیدؒ کی ایک خصوصیت کا تقریبا سب تذکرہ نویس متقارب الفاظ میں ذکر کرتے ہیں، یعنی طلبہ علم کو درجہ کمال تک پہنچایا، (غلام علی آزاد بلگرامی) اکثر طلبہ کو مقام شاگردی سے کمال فن اور استادی کے مقام بلند تک پہنچایا۔ (فرحۃ الناظرین) آپ کی درسگاہ میں طلبہ کو نسبتاً جلد فراغ حاصل ہوتا تھا۔ (عمدۃ الوسائل) ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے عہد میں ملا صاحب کا اصل امتیاز خوبی درس وتدریس تھی جس کے نتیجہ میں تحصیل فراغ بسیاری، یعنی جلد فارغ التحصیل کرادینے کا مقصد حاصل ہوتا تھا۔ تحصیل فراغ بسیاری کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بڑی تعداد میں لوگ مولانا صاحب کی خدمت میں پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے، اس سے بھی درس وتدریس کی خوبی ہی پر روشنی پڑتی ہے۔

مولانا قطب الدینؒ کے درس کی خوبی متانت اور امتیازی تفوق کو ان جلیل القدر علماء کے کارناموں سے بھی پہچانا جاسکتا ہے جو ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کرکے استادی کے درجہ تک پہنچے، ان میں سے چند نام تاریخ نے محفوظ کرلئے ہیں۔ (۱) قطب الدین شمس آبادیؒ (۲) حافظ امان اللہ بنارسیؒ، صاحب محکم الاصول (۳) قاضی محب اللہ بہاریؒ صاحب سلم ومسلم الثبوت (۴) قاضی شہاب الدین گوپامئویؒ (۵) حاجی صفت اللہ خیرآبادیؒ وغیرہم۔

تصانیف: تلامذہ کی طرح تصانیف بھی فرزندان معنوی کے درجہ میں آتی

ہیں۔افسوس کہ مولانا قطب الدین شہید کی تصنیفات کے مطالعہ سے دنیا محروم رہ گئی۔اب صرف ان کے نام باقی رہ گئے ہیں۔درحقیقت ملا صاحب کے قاتلوں نے آپ کا کتبخانہ بھی نذر آتش کردیا تھا۔علامہ غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں:۔

مولانا قطب الدینؒ نے شرح عقائد علامہ دوانی پر بڑی دقت نظر سے ایک حاشیہ لکھا تھا،فتنہ پردازوں نے جب ملا صاحب کے گھر پر شبخون مارا تو گھر کے سامان کے ساتھ یہ حاشیہ بھی بے رحم آگ کا لقمہ بن گیا۔(مآثرالکرام)

مولانا ولی اللہ فرنگی محلیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ہر فن میں ایک مبسوط تصنیف اور مستحکم کتاب انھوں نے تصنیف فرمائی تھی، ان کی مشہور تصانیف میں حاشیہ تلویح، حاشیہ شرح عقائد نسفی، تفریعات بزدوی کی شرح، حاشیہ مطول اور دارالحرب کی تحقیق میں ایک رسالہ ہے۔یہ سب بڑی ضخامت والی تصانیف ظالم بدمعاشوں کے ہاتھوں برباد ہوگئیں۔

مصنف رسالہ قطبیہ ملا عبدالاعلیٰؒ نے لکھا ہے:

مولانا قطب الدینؒ کی بہت سی تصانیف تھیں، سب مفقود ہوگئی ہیں، شرح حکمت العین کا حاشیہ ملا بحرالعلوم کی کتابوں میں موجود ہے اور امور عامہ سے متعلق ایک رسالہ کے چند اجزاء بھی پائے جاتے ہیں، حاشیہ تلویح ملا نظام الدینؒ کے زمانہ تک موجود تھا، اب لاپتہ ہوگیا ہے۔

یہ صورتحال بارہویں صدی ہجری کے آخر کی ہے جو مصنف رسالہ قطبیہ نے لکھی ہے۔محضر میں جو ملا قطب کے فرزند کی طرف سے عالمگیر کو پیش کیا گیا

تھا، تحریر ہے۔

ظالموں نے ملا صاحب کے کتبخانہ کو جس میں نوسو کے قریب کتابیں تھیں ان میں اکثر کو آگ لگا کر جلا ڈالا، جن میں قرآن شریف کے چار نسخے، مشکوٰۃ اور حدیث کی دوسری کتابیں اور ملا قطب شہید کی تصانیف حاشیہ تلویح، شرح عقائد نسفیہ، شرح تفریعات بزدوی اور حاشیہ مطول وغیرہ شامل تھیں اور جو بڑی ضخیم اور بہترین مباحث پر مشتمل تھیں سب جل گئیں یا حملہ آور اٹھالے گئے۔

بہر حال اس وقت مولانا صاحب کی کوئی تصنیف نہیں پائی جاتی ہے، ان کی افسوسناک بربادی کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ اس سے علمی دنیا ایک ایسے مصنف اور مدرس کے نقطۂ نظر سے محروم ہوگئی ہے جو تدریسی پہلو سے بلاشبہ صدآفریں تھا۔

شہادت: درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور ارشاد وہدایت کا یہ سورج اپنی کرنوں کی ضیاء پاشی سے طالبین علوم ومعرفت کی راہوں کو روشن کرنے میں شب وروز مصروف ہی تھا کہ ۱۹/ رجب ۱۱۰۳ھ مطابق ۲۷/ مارچ ۱۶۹۲ء کو بعض شرپسند عناصر نے آپ کو شہید کردیا اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آپ کے کتبخانہ کو بھی نذر آتش کردیا۔

عبدالاعلیٰ فرنگی محلیؒ نے رسالہ قطبیہ (قلمی) میں مولانا قطب شہید کے بارے میں لکھا ہے:۔

ملا قطب شہیدؒ اکثر اپنی شہادت کی تمنا کیا کرتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم والی عمر کی دعا کیا کرتے تھے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔ نور اللہ مرقدہ

(مشاہیر علماء فرنگی محل اور ان کی علمی خدمات: ص/۸)

حضرت شیخ محمد سعید انبالویؒ متوفی ۱۱۰۳ھ

نام ونسب: نام محمد سعید والد کا نام محمد یوسف بن غلام محمد بن محمد افضل حسینی، ترمذی، انبالوی ہے، مشائخ چشتیہ کے بزرگوں میں تھے۔

فضل وکمال: علم طریقت حضرت شیخ ابوالمعالی انبیٹھویؒ سے حاصل کیا اور ایک زمانہ تک ان کے ساتھ ہی رہے۔ پھر انبالہ میں مشیخت کی گدی سنبھال لی۔ سنت کی اتباع میں ان کی بڑی شان تھی، اور سلف صالح کی اقتداء میں قدم بقدم تھے۔ ساتھ ہی زہد وعبادت میں مشغول رہتے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ مشغول، اسباب دنیا سے کنارہ کش اور ساری مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہتے۔ یہ باتیں حضرت وجیہہ الدین اشرف لکھنویؒ نے ''بحر زخار'' میں بیان کی ہیں۔ جس میں کہا ہے کہ یہ بڑے عارف باللہ، زاہد اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف لولگائے رہتے تھے۔

زہد وقناعت: دنیاوی جھمیلوں سے دور رہتے، نہ مال جمع کرتے اور نہ تنگ دست ہونے کا دل میں خطرہ پاتے۔ بادشاہوں اور امراء نے لاکھوں روپے مختلف اوقات میں نقد دیئے، لیکن انھوں نے ان میں سے کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھا بلکہ فقراء ومساکین پر خرچ کر دیا۔ ان کی فطرت میں یہ بات بھی تھی کہ کوئی چیز جو دوسروں کو دی جاسکتی ہو گھر میں رہتے ہوئے کوئی رات ایسی نہیں گذرتی کہ وہ باقی رہ جاتی بلکہ اسے رات تک خرچ کر ڈالتے۔ شیخ محمد صابر بن آیۃ اللہ

بن علم اللہ حسینیؒ، رائے بریلوی کہا کرتے تھے کہ میں نے آپ سے ملاقات کی ہے۔ آپ کو کبھی سنت کے خلاف کوئی کام کرتے نہیں پایا۔ البتہ آپ کو صرف اپنے شیوخ کی موافقت میں غناء (سماع) سنتے ہوئے پایا تھا۔ انتہیٰ

وفات: ۵/رمضان المبارک ۱۱۰۳ھ کو کہرام میں انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ورحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر: ج/۶ ص/ ۲۸۲)

حضرت سید جلال حمید عالم بخاری گجراتیؒ متوفی ۱۱۰۴ھ

نام ونسب وولادت: آپ کا نام سید جلال الدین، لقب حمید عالمؒ ہے۔ آپ کے والد کا نام حضرت محبوب عالم ہے۔ آپ ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۰۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: نشوونما کے بعد گیارہ برس کی عمر میں حفظ قرآن شریف تمام کیا۔ اور علماء وفضلاء سے کتب درسیہ سترہ برس کی عمر میں ختم کی۔ ذکی الطبع وذہین تھے۔ جامع علم وادب اور محاورات عرب کے ماہر تھے۔ علامہ عصر وفہامۂ دہر تھے۔ انھوں نے درس وتدریس کا دروازہ کشادہ فرمایا۔ اور اپنے والد ماجد کے مرید وخلیفہ ہوئے۔ تمام علم سلوک ومعارف کو والد ماجد ہی سے حاصل کیا۔

خدمت دین: گجرات کے دیہات وقصبات میں دین اسلام کی اشاعت کے لئے دورہ فرماتے تھے۔ ہر ایک مقام وموضع پر وعظ ونصیحت اور توحید ورسالت کے مسائل بیان کرتے تھے۔ آپ کی توجہ سے اکثر ہنود اسلام سے مشرف ہوئے اور اہل اسلام کے بچوں کو ارکان دین اور اسلام کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ ہی کی کوشش وتوجہ کی بدولت اطراف وجوانب میں اہل اسلام دین کے مسائل سے واقف ہوئے۔ اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوئے۔

جزاہ اللہ خیر الجزاء

تصنیف وتالیف: آپ کو تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا۔ آپ کی تصنیف

میں ''مرات الرویا'' خواب کی تعبیر میں اور ''مفتاح الحاجات'' اشغال ووظائف میں ہے۔آخر میں آپ کوضعف ہاضمہ کی شکایت ہوگئی تھی۔ثقیل غذا نہیں کھا سکتے تھے۔صرف میوہ جات پر اکتفاء فرماتے تھے۔کریم الطبع اورحلیم المزاج تھے۔ہر ایک سے خوش طبعی وشگفتہ روئی سے ملتے تھے۔فقراء وعلماء کو دوست رکھتے تھے۔آپ کی مجلس میں اکثر علمی مذاکرہ رہتا تھا۔شہر کے مشائخ کرام وعلمائے عظام آپ کی تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔

وفات: آپ نے ۲۰رذی الحجہ ۱۱۰۴ھ میں اس جہاں فانی سے بہشت بریں کو رحلت کی۔اور بیرون روضۂ ثانیہ والد ماجد کے مرقد کے مقابل رسول آباد علاقہ احمدآباد گجرات میں مدفون ہوئے۔

(محبوب التواریخ،یعنی تذکرہ اولیاء دکن: ج۱ص۲۳۵)

حضرت سید شاہ محمود قادری بالا پوریؒ [۱] متوفی ۱۱۰۵ھ کے بعد

نام ونسب: نام سید محمود قادری، والد کا نام سید حلیم قادری ہے۔

تعارف: آپ کے والد حضرت سید حلیم شاہ قادریؒ بغداد سے گجرات تشریف لائے۔ اور انکلیشور ضلع بھروچ میں فروکش ہوئے، اور اسی کو اپنا ماویٰ ومسکن بنالیا۔ اور تادم حیات وہیں مقیم رہے اور وہیں مدفون بھی ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں اپنے صاحبزادے سید محمود قادریؒ کو دین کی خدمت کی غرض سے بالا پور صوبہ مہاراشٹر بھیج دیا تھا، آپ نے اسی شہر کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنا کر بھینس ندی سے متصل بالا پور کی مغربی جانب خانقاہ قادریہ کی بنیاد ڈالی اور فیوض وبرکات کا چشمہ جاری کیا۔

۱۔ اس مبارک شہر بالا پور مہاراشٹر میں مدرسہ جامع العلوم بالا پور کی نئی تعمیر کی تاسیس کے موقع پر مکرم مولانا اسماعیل بھوٹا ٹنکاروی اور عزیزم مولانا محمد اسلم صاحب بستوی کی دعوت پر ۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ کو حاضری ہوئی۔ اس سفر میں خانقاہ نقشبندیہ وقادریہ بالا پور میں مکرم سجادہ نشین صاحب کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ مزارات پر فاتحہ پڑھنے کی بھی توفیق نصیب ہوئی۔ فللہ الحمد والمنہ

اس موقع پر کچھ بزرگوں کے مختصر حالات عزیزم مولانا اسلم بستوی نے تحریر کر کے دیا تھا اس کے بعد مشہور کتاب ''محبوب ذوالمنن فی تذکرہ اولیاء دکن ملقب بہ محبوب التواریخ'' میں مزید بزرگوں کے حالات تفصیل سے مل گئے، لہذا اس کتاب سے بھی مفید اقوال واحوال اقتباس کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ (مرتب)

اوصاف وکمالات: حضرت سید شاہ محمود قادری علیہ الرحمہ علوم صوری ومعنوی کے جامع، روحانی فیوض وبرکات کا سرچشمہ، چمن طریقت وسلوک کے گل شاداب، کشف وکرامات کے مقام پر فائز المرام اور گونا گوں اوصاف حسنہ کے حامل تھے، مبدأ فیاض نے ممدوح کو غیر معمولی ذہن کے ساتھ وسیع النظری اوراعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ کی شخصیت میں کچھ ایسی دلنوازی اور کشش تھی کہ جس کی وجہ سے خلق خدا کشاں کشاں آپ کی طرف چلی آتی تھی۔

آپ کی خدمت میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کی حاضری: ایک مرتبہ حضرت اورنگ زیبؒ بالا پور کے شمال میں واقع نواب اسماعیل خان کے قلعہ کے قریب بھینس ندی کے مغربی کنارے پر فروکش ہوئے۔ اسی لئے وہ خطہ لوگوں میں اورنگپورہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ بہر حال جب حضرت اورنگ زیبؒ کو آپ کی بزرگی اور جلالت شان کا علم ہوا تو دل میں ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا اور حاضری کی اجازت کے لئے یہ خط لکھ کر حضرت کے پاس بھیجا کہ میں آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں، حضرت کو (لفظ) قدم بوسی کا شرف حاصل کرنے کی بات اتنے بڑے عالم کی زبان سے اچھی نہیں لگی۔ چنانچہ خط کے جواب میں اس کا اظہار بھی فرمایا اور لکھا کہ آپ کو ملاقات کی اجازت نہیں۔ ہاں آپ آسکتے ہیں لیکن میں پردہ لگا کر صرف قدم باہر نکالوں گا۔ چنانچہ حضرت اورنگ زیبؒ جب آستانۂ مبارک پر حاضر ہوئے تو حضرت نے شرط کے مطابق پردہ لگا کر صرف قدم باہر نکالا اور پردہ کے اندر سے ملاقات کی، چہرہ نہیں دیکھایا، حضرت اورنگ زیبؒ اس واقعہ سے بہت متأثر ہوئے اوران کی عقیدت

میں مزید اضافہ ہوگیا، خوش ہوکر نو گاؤں پر مشتمل ہزاروں ایکڑ زمین کی سند مہر لگا کر حضرت کی خدمت میں پیش کی، آپ نے لینے سے انکار کردیا آخر کار حضرت اورنگ زیبؒ مجبور ہوکر ہزاروں ایکڑ زمین کی سند مسجد کے محراب میں رکھ کر چلے گئے۔ لیکن حضرت نے تا حیات اس سند کو ہاتھ نہیں لگایا وہ سند اسی طرح مدتوں پڑی رہی۔ مقطوعہ زمین بے توجہی کی بناء پر غاصبانہ قبضوں کا شکار ہوتی رہی بالآخر حضرت کے پڑپوتے سید شفیع اللہ قادری نے ہزاروں ایکڑ زمین میں سے باقی ماندہ تین گاؤں کی چار ہزار ایکڑ زمین خانقاہ قادریہ کے قبضہ میں لی، آج بھی خانقاہ کے ٹرسٹ کے نام پر ۱۸۹۰/۱ ایکڑ زمین باقی ہے۔ جس کا نظم ونسق آپ کی اولاد کے زیر نگرانی ہے۔

قرآن کریم کا ایک نادر نسخہ: حضرت سید شاہ محمود قادری انکلیشور گجرات سے بالا پور تشریف آوری کے وقت اپنے ہمراہ ایک نادر ونایاب قلمی قرآن شریف بھی لے کر آئے تھے، عجیب بات یہ ہے کہ ایک ورق میں پورا ایک پارہ لکھا ہوا ہے۔ اور پورا قرآن صرف تیس اوراق میں لکھا ہے۔ سینکڑوں سال گذرنے کے باوجود آج بھی دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی کتابت ہوئی ہے۔ اس مصحف کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس کی ہر سطر الف سے شروع ہوتی ہے اور اس کی ہر پہلی سطر، ہر سورہ، ہر پارہ کا شروع سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے، اسی طرح لفظ اللہ اور آیت کا نشان پورے قرآن میں سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے۔ یہ مختصر خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے ورنہ تو حضرت کے کارہائے نمایاں اور شبانہ روز کی مصروفیتوں کو قلمبند کرنے کے لئے ایک ضخیم

کتاب درکار ہے۔

تاریخ پیدائش ووفات: آپ کی تاریخ پیدائش ووفات تو معلوم نہ ہوسکی تاہم آپ کے والد محترم کے اس خط کے ذریعے جو انھوں نے ۱۱۰۵ھ میں اہل بالاپور کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپ کے پاس ارسال کیا تھا اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں ۱۱۰۵ھ میں باحیات تھے۔ حضرت سید شاہ محمود قادری صاحب کا مزار خانقاہ کی مسجد کے بازو میں آج بھی مرجع خلائق ہے اور اس کے گنبد پر پانچ کلو خالص سونے کا کلس لگا ہوا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدہ۔ حضرت کی تیرہویں پشت میں سید محمود قادری ملقب بہ خان بہادر کی حیات تک اس خانقاہ سے دین کا کام چلتا رہا اور دور دور سے لوگ آکر مشرف باسلام ہوتے رہے۔

۱۹۲۰ء میں کریم بخش نامی ایک بزرگ اور جید عالم دین یمن سے بالاپور تشریف لائے اور تادم حیات فی سبیل اللہ لوگوں کو تعلیم دیتے رہے ان کے بارے میں کسی کو یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ البتہ آخر عمر میں انھوں نے اپنے ایک خادم شیخ منیر سے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ میرا آبائی وطن یمن ہے اور میں یمن سے آیا ہوں۔ ۱۹۵۵ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی وفات کے بعد ۱۹۶۸ء تک خانقاہ میں لنگر اور مدرسہ چلتا رہا۔ فالحمد للہ تعالیٰ

حضرت شاہ محمدی فیاضؒ آگرہ متوفی ۱۱۰۷ھ

نام ونسب: نام محمدی فیاض، والد کا نام سید شاہ عیسیٰ ہرگامی ہے۔
ولادت: ۱۴/شوال المکرم ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۲ء میں آپ ہرگام میں پیدا ہوئے۔
تعلیم وتربیت: شیخ محمدیؒ کو ابتداء میں پڑھنے لکھنے کا شوق نہ تھا۔ کھیل کود میں زیادہ منہمک رہتے تھے، ایک دن والد ماجد شیخ محمد عیسیٰ نے سختی سے تاکید اور تنبیہ کی تو آپ تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ حافظہ اچھا تھا اور فطرت نے صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ متداول درسی کتابیں جلد ہی ختم کرلیں اور معقولات ومنقولات میں درجۂ کمال حاصل کرلیا۔ اس زمانہ کے اچھے مسلمان خانوادوں میں یہ روایت تھی کہ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد علوم باطنی اور تربیت روحانی کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے، آپ بھی یہی طلب صادق لے کر گھر سے نکلے۔ اور شیخ کبیر حضرت محب اللہ الہ آبادیؒ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہوئے۔ شاہ محمدیؒ چودہ سال تک اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں رہ کر سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے اور سند خلافت واجازت حاصل کی، اور کمالات روحانی کا وہ بلند مقام حاصل کیا کہ ان کے قدرداں مرشد نے فرمایا:۔

محب اللہ اگر پیر خود را ندیدے	محب اللہ اگر اپنے پیر سے نہ ملا ہوتا اور محمدی
ومحمدی را بدیں کمالات صوری	کو ان ظاہری وباطنی کمالات کے ساتھ
ومعنوی کہ دارد یافتے ارادت	پہلے پالیتا تو ان سے ارادت پیدا کرلیتا اور
بوے آوردے ومرید اوشدے۔	ان کا مرید ہوگیا ہوتا۔ (انوارالعارفین:۵۰۹)

آپ کی سیرت واخلاق: حضرت شاہ محمدی فیاضؒ ایک بلند پایہ اور صاحب نسبت عالیہ بزرگ ہونے کے ساتھ عالم باعمل بھی تھے، ان کے مریدین ومعتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے وہاں کے باشندے پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہوجاتے تھے۔ آپ کی خانقاہ میں عوام وخواص کا ہجوم رہتا تھا اور آپ قبلہ رو ہوکر باادب بیٹھا کرتے تھے، ہر شخص کا سوال پورا کرتے تھے اور عام لوگوں سے مسائل شریعت وطریقت میں گفتگو اردو زبان میں فرماتے تھے۔ اتباع سنت کا اتنا اہتمام تھا کہ علوم ظاہری میں تکمیل کرنے کے بعد بھی قلم ہاتھ میں نہ لیتے تھے۔

عادات: آپ کے عادات وخصائل کے بارے میں مؤلف تذکرۃ الکرام نے لکھا ہے کہ کبھی کشف وکرامات کا تذکرہ زبان پر نہ لاتے، اہل دل کو بہت دوست رکھتے اور اہل علم کا بہت احترام فرماتے، جو لوگ آپ کے حال سے واقف ہوجاتے ان کو بخوشی تعلیم فرماتے، تمام عمر قلم ہاتھ میں نہ لیا اس کو سنت نبی خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے، جو لوگ آپ کو صاحب قال کہتے اور صاحب حال نہ کہتے ان سے بہت خوش ہوتے اور فرماتے الحمدللہ کہ لوگ مجھے صفت کلام سے متصف کرتے ہیں۔ ہر نماز کے لئے تجدید وضو کرتے اور نصف شب کے بعد عبادت الٰہی میں مشغول ہوجاتے، کوئی شخص ہدیہ پیش کرتا قبول فرمالیتے، وہ ہدیہ اگر دوستوں کے لئے ہوتا ان کو عطا کرتے، نماز باجماعت ادا فرماتے اور اکثر خود ہی امامت کرتے۔ ہمیشہ صرف ایک وقت کھانا تناول فرماتے اور وہ بھی محض اس لئے کہ قوت وتوانائی باقی رہے۔ آپ زبان مبارک سے جو کچھ فرماتے اور اس کی تائید کتاب وسنت سے مقصود ہوتی، تو جب کتاب کھولتے وہی مضمون لکھا پاتے۔ آپ کی عادت تھی کہ

زیادہ تر ہندوستانی زبان میں گفتگو کرتے، مخاطب خواہ عرب ہوتا یا ایرانی مگر انداز گفتگو ایسا مؤثر اور دلکش تھا کہ ہندی زبان سے ناواقف بھی آپ کے کلام کو اچھی طرح سمجھ لیتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ عربی یا فارسی میں کلام نہیں فرماتے، ارشاد ہوا کہ میں ہندوستان میں پیدا ہوا ہوں اس لئے میری مادری زبان ہندوستانی ہے، دوسری زبانیں مجازی ہیں اس لئے اصل زبان کو چھوڑنا ضروری نہیں ہے۔

ارشادات

آپ کا قول ہے کہ کامل کی شناخت کلام سے ہے کرامت سے نہیں کیونکہ شعبدہ باز شعبدہ اور سحر واستدراج سے مخلوق کو اپنا گرویدہ بنا سکتے ہیں۔ مگر اہل حق جیسا کلام نہیں کر سکتے۔

ف: سبحان اللہ کیا ہی خوب اہل حق کی شناخت ارشاد فرمائی۔ (مرتب)

آپ کا ارشاد ہے کہ ہر شخص کو اس کے وجدان و ذوق سے پرکھا جاتا ہے جس کے خیالات حصول دنیا کی طرف مائل ہوں تو وہ بندۂ دنیا ہے، اور اگر طالبِ آخرت ہے تو وہ بندۂ آخرت ہے۔ اور جو طالب حق ہے وہ بندۂ الٰہی ہے۔

یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص راہ حق سے منحرف ہو کر پھر رجوع کرے تو یقین کرنا چاہئے کہ وہ فریب نفس میں مبتلا تھا سالک راہ حق نہ تھا کیونکہ ہر چیز کو زوال ہے مگر محبت الٰہی کو زوال نہیں ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کو رزق کے لئے طلب کرتا ہے وہ بندۂ رزق ہے اور جو پارسائی و عفت کے لئے طلب کرتا ہے وہ بندۂ عفت ہے جو مغفرت کا خواہاں ہے وہ بندۂ مغفرت ہے۔ اور جو ان میں سے کسی کا طالب نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا طالب ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ شرافت سلوک محاسبۂ نفس میں ہے اور شرافت دولت خشوع اور تواضع میں، اور شرافت خانہ داری اہل خانہ کی تقصیرات سے درگزر کرنے میں ہے۔

ف: سبحان اللہ شرافت سے متعلق کیسی حکمت و معرفت کی بات ارشاد فرمائی، یقیناً اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے۔ (مرتب)

اور یہ بھی آپ کا قول ہے کہ انتہائے کمال کمالِ بندگی (عبدیت) ہے جس کو یہ میسر نہ ہو وہ متوسط ہے، شوق کا مرتبہ ذوق کے بعد ہے، جو مشاہدہ حق سے خالی ہے وہ سراپا ہوائے نفس ہے۔

وفات: حضرت محمدی فیاضؒ نے ۱۹/دن تک تپ محرقہ میں بیمار رہ کر ۲/رجب ۱۰۷ھ مطابق ۲۸/جنوری ۱۶۹۶ء کو دوشنبہ کے دن دس بجے عالم باقی کی طرف رحلت فرمائی۔ عمر شریف ۸۵/سال ہوئی، آپ کا انتقال اورنگ آباد[1] ہی میں بحالت نظر بندی ہوا تھا، آپ کے خادموں اور عقیدتمندوں نے وصیت کے مطابق نعش مبارک کو ایک چوبی تابوت میں رکھا اور منزل بمنزل قیام کرتے ہوئے ساڑھے تین ماہ میں آگرہ لے آئے، اور یہاں اسی حجرے میں دفن کیا جس میں کبھی آپ کا قیام رہتا تھا۔ چھم چھم گلی آگرہ میں آپ کی تدفین ۱۴/شوال ۱۱۰۷ھ مطابق ۷/مئی ۱۶۹۶ء کو ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (مقدمہ مقاصد العارفین)

---

۱ چونکہ شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کے خلیفہ تھے اس لئے شیخ کی اتباع میں آپ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ اس نظریئے کے مخالف تھے اس لئے ہندوستان سے عرب ہجرت کا حکم دیا پھر ان کو اورنگ آباد کے قلعہ میں نظر بند کر دیا تھا۔

الحمدللہ یہ حقیر آپ کے مزار پر بغرض فاتحہ خوانی حاضر ہوا ہے۔ (مرتب)

حضرت سید جعفر مجید عالم بخاری گجراتیؒ متوفی ۱۰۹ھ

نام ونسب: سید جعفر نام، مجید عالم لقب ہے۔ آپ سید جلال حمید عالمؒ کے صاحبزادے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۸؍ربیع الثانی ۱۰۸۱ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: نشوونما کے بعد نو برس کی عمر میں حفظ قرآن شریف تمام کیا۔ اور والد ماجد سے علوم وفنون حاصل کئے، جدامجد کے مرید وخلیفہ تھے۔ اور جد بزرگوار ہی نے آپ کو وفات کے وقت سجادہ نشین کیا تھا۔ آپ بزرگان سلف کی طرح طالبین ومریدین کو ہدایت وتلقین ودرس وتدریس سے سرفراز فرماتے تھے۔ آپ کی وجہ سے خانقاہ میں رونق وزینت تھی۔ آپ کی خدمت میں اکثر طلبہ کا مجمع رہتا تھا۔

اخلاق: متوکل علی اللہ تھے۔ امراء واہل دنیا سے کم ملتے تھے، اور امراء کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ فقراء وغرباء سے ملتے تھےاور بزرگان کرام کے اعراس ومجالس میں خوشی سے جاتے تھے۔ صاحب وجد وحال تھے، آپ کا کلام پرتاثیر ہوتا تھا، آپ کی عادت تھی کہ جمعہ کی نماز کے بعد بیماروں کی عیادت کوجاتے تھے، غرباء ومساکین کی ہمدردی ومعاونت کرتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب متبع سنت بااخلاق حسنہ تھے جن کی سیرت ہم سب کے لئے لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہے۔ واللہ الموفق (مرتب)

وفات: آپ نے ۱۸؍محرم ۱۱۰۹ھ میں رحلت کی۔ والد ماجد کی قبر کے متصل رسول آباد علاقہ احمد آباد گجرات میں مدفون ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج۱/ص۲۳۴)

حضرت قاضی مرزا محمد زاہد افغانستان متوفی ۱۱۱۱ھ

نام ونسب: نام قاضی محمد زاہد، اور شہرت میر زاہد کے نام سے ہے۔ والد کا نام قاضی محمد اسلم ہروی ہے جو منطق وحکمت میں اساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

ولادت وفضل وکمال: آپ کی ولادت ہرات افغانستان کی ہے اس لئے نسباً ہروی کہلاتے ہیں۔ آپ محقق، مدقق، جامع معقول ومنقول، متقی، پرہیزگار، فن منطق وفلسفہ میں یکتائے روزگار، کم سنی میں علوم کی منازل طے کرنے والے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے منطق وفلسفہ کے معلم، مقبول ''حواشی زواہد ثلثہ'' کے مصنف قاضی محمد زاہد جو سرزمین ہندوستان میں میر زاہد کے نام سے مشہور ہوئے۔

تحصیل علم: اپنے والد ماجد قاضی محمد اسلم اور ملا محمد فاضل وغیرہ جیسے علماء عصر سے مروجہ تعلیم حاصل کی، آپ کے ذہن وصلاحیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تیرہ سال کی عمر میں ہی سند فراغت حاصل کی اور علم وفن میں یکتائے روزگار ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جو منطق وحکمت میں امام فن تھے اس لئے آپ کی صلاحیتوں نے ان کے کمال میں اور چار چاند لگادیئے، حضرت العلامہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

لم يكن له نظير فى عصره فى المنطق والحكمة كان مفرط الذكاء سريع الادراک قوى الحافظة لم يكن يحفظ شيئا فينساه فمهر

فی الفضائل و تاهل للفتوی و التدریس و له ثلاث عشرة سنة۔

ترجمہ: اپنے زمانہ میں منطق وحکمت میں بے نظیر تھے، بیحد ذہین، سریع الادراک، قوی الحافظہ تھے جو کچھ یاد کرتے بھولتے نہ تھے، اسی طرح سارے فضائل میں مہارت ہوئی اور فتوی وتدریس کے جب اہل ہوئے تو عمر تیرہ سال تھی۔

درس وتدریس: آپ کی جائے پیدائش ہرات ہے لیکن عمر کا بہت حصہ ہندوستان میں گذرا، درس وتدریس مشغلہ رہا، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے معقولات کی کتابیں آپ سے پڑھی ہیں خود ان کا قول ہے کہ:

''شرح مواقف اور اصول کی ساری کتابیں مرزا زاہد سے پڑھیں ان کی مجھ پر خصوصی توجہ تھی یہاں تک کہ اگر میں کسی دن کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے تو فرماتے کہ ایک دوسطر پڑھ لوتا کہ ناغہ نہ ہو''۔

ف: سبحان اللہ! اس سے درسی کتابوں کے مطالعہ کی کس قدر اہمیت وافادیت معلوم ہوئی، اس لئے طلبہ کو پڑھنا ہو یا اساتذہ کو پڑھانا ہو مطالعہ ضروری ہے، بلکہ طلبہ کے لئے مزید تکرار بھی ضروری ہے۔ (مرتب)

علوم معقولات وحکمت میں آپ نے بڑا نام پیدا کیا، بڑے بڑے علماء آپ کی اس صلاحیت کے ثناخواں تھے لیکن علوم عقلیہ میں اس کمال کے باوجود فقہ میں اتنی مہارت نہ تھی، چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ آپ کی فقہی قابلیت پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مرزا زاہد کو فقہ میں قابلیت نہ تھی ایک امیر شرح وقایہ پڑھتا تھا آپ اس وقت تک سبق نہ پڑھاتے تھے جب تک میرے دادا صاحب (شاہ عبدالرحیم صاحب) موجود نہ ہوتے تھے کیونکہ فقہ میں اپنے اوپر اعتماد نہ تھا''۔

ف: یہ بھی دیانت کی بات تھی کہ بغیر شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی موجودگی کے سبق نہ پڑھاتے تھے۔ (مرتب)

سلطنت کے مشاغل: آپ کے والد ماجد کی طرح اسوقت کے بادشاہ نے آپ کو بھی حکومتی عہدوں کے لئے منتخب کیا، شاہجہاں کے زمانہ میں واقعہ نویسی اور پھر عالمگیر کے زمانہ میں لشکر کے محتسب جیسے فرائض آپ کو سونپے گئے، لشکرگاہ کے محتسب رہنے کے زمانہ میں قیام اکبرآباد میں رہا اسی زمانہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب نے اصول وغیرہ کی کتابیں پڑھیں پھر آپ کو کابل کی صدارت سپرد کی گئی آخر میں تمام منصبوں سے استعفٰی دے کر تعلیم وترویج علم کی خدمت اپنے ذمہ لی اور گوشہ نشین ہوگئے اور وقت کے نامور اور جید علماء میں سے شمار کئے گئے۔

تقویٰ اور دیانتداری: حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مرزا صاحب نے رمضان المبارک میں شاہ عبدالرحیم کی دعوت کی، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں مرزا صاحب کے گھر پہنچا افطار کا وقت قریب تھا، ایک کباب فروش حاضر ہوا اور اس نے کباب کا پورا خوان مرزا صاحب کے سامنے رکھ کر عرض کیا یہ حضور کی نیاز ہے، آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ عزیز من! میں تمہارا پیر نہیں استاد نہیں پھر نیاز کیسی؟ بظاہر کوئی اور غرض ہے اسے بیان کرو، کباب فروش نے پہلے تو یہی کہا کہ کوئی غرض نہیں مگر جب زیادہ اصرار کیا

گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی دکان لب سڑک ہے اور قاضی صاحب کے پیادے اس کو وہاں سے اٹھوانا چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب نے تسلی دی اور کہا کہ کل کسی دیندار پیادے کو بھیجوں گا جو تحقیق کر کے فیصلہ دے گا، اب آپ جایئے۔ کباب فروش نے کہا کہ حضور افطار کا وقت قریب آ گیا ہے یہ کباب کہاں لے کر جاؤں، فروخت کا تو وقت ہی نہ رہا میں نے تو یہ آپ ہی کے لئے بنائے تھے، آپ منظور فرمالیں۔ مرزا صاحبؒ نے بچوں کے معلم سے فرمایا کہ ان کبابوں کی قیمت طے کر کے گھر میں بھجوا دو اور قیمت ان کے حوالے کر دو۔ چنانچہ معلم نے کباب فروش کو علیحدہ لے جا کر قیمت دریافت کی اس نے آٹھ آنے مانگے، معلم صاحب نے دے دیئے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے معلم سے کہا کہ یہ مال تو بہت زیادہ کا لگتا ہے آٹھ آنے بھی تو اس نے خوشامد میں مانگے ہیں رشوت سے تو اب بھی خالی نہیں ہے، میری یہ گفتگو مرزا صاحب نے سن لی فوراً کباب فروش کو بلوا کر دریافت کیا کہ ان کبابوں پر کتنا خرچہ ہوا ہے اور تمہاری محنت کتنی لگی ہے ٹھیک ٹھیک بتاؤ، بہر کیف جب حساب کیا گیا تو ان کبابوں کی قیمت ساڑھے تین روپے ہوتی تھی مرزا صاحب نے اس کو یہی قیمت دلوائی اور معلم کو بلا کر بہت ڈانٹا اور فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ اپنا روزہ حرام مال سے افطار کریں یہ کون سی عقلمندی ہے اور کیا خیر خواہی ہے۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھا مرزا زاہدؒ کا زہد، اللہ تعالیٰ جملہ علماء و معلمین و مرشدین کو ایسے ہی زہد و ورع اختیار کرنے کی توفیق دے اس لئے کہ یہ اپنے لئے تو مفید ہے ہی عوام کے لئے بھی علماء سے حسن ظن کا سبب ہے اور یہ یقیناً ان کے زہد

وورع اختیار کرنے کا باعث ہوگا۔ واللہ الموفق (مرتب)

تصانیف: جس زمانہ میں شاہ عبدالرحیم صاحبؒ شرح مواقف پڑھتے تھے مرزا صاحب نے شرح مواقف کا مشہور حاشیہ تحریر فرمایا، شرح تہذیب علامہ دوانی اور رسالہ تصور وتصدیق ملا قطب الدین رازیؒ کے حواشی یہ تینوں حواشی زواہد ثلثہ کے نام سے مشہور ہیں، ہندوستان کے درس وتدریس کے حلقوں میں بڑی مقبولیت رکھتے ہیں اور شرح ہیاکل بھی آپ کی تصنیف ہے۔ آپ کی تصانیف اساتذہ وعلماء کی توجہ کا مرکز اور معیار فضیلت بنی رہی ہیں۔ بخارا، کابل اور ہندوستان کے عربی مدارس میں داخل نصاب رہی ہیں ایک زمانہ تک کسی عالم کو عالم نہیں کہا جاتا تھا جب تک کہ اس نے ان سے کچھ نہ کچھ استفادہ وافادہ نہ کیا ہو، اگرچہ برکت کے لئے ہی سہی مشہور ہے کہ مولانا محمد حسن کان پوریؒ میرزاہدؒ کو اس کے تیس حاشیوں کو سامنے رکھ کر پڑھایا کرتے تھے، اس کے علاوہ شرح تحریر پر بھی آپ کے حواشی ہیں۔

وفات: سنہ ۱۱۱۱ھ میں علوم عقلیہ وحکمت کے اس شہسوار اور باکمال ونامور شخصیت نے اس دنیا فانی سے کوچ کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور کابل افغانستان میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں: ص/۴۷۶)

حضرت سید محمد محبوب عالم بخاری گجراتیؒ متوفی ۱۱۱۱ھ

نام ونسب: سید محمد نام، ابوالمجد کنیت ومحبوب عالم لقب ہے۔ بخاری الاصل وگجراتی المولد تھے۔ آپ سید جعفر بدر عالم کے صاحبزادے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۲؍ربیع الاول ۱۰۴۷ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: نشوونما کے بعد پانچ سال کی عمر میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا، آٹھویں سال حفظ قرآن ختم کیا اور دیگر تحصیل علوم میں مصروف ہوئے، انہیں ایام میں شاہجہاں بادشاہ نے آپ کے نام سے تولیّت کا فرمان دستخط خاص سے مزین کرکے عطا کیا، اس وقت آپ کی عمر نو برس کی تھی۔ مگر چہرہ سے بزرگی وعظمت کی نشانیاں عیاں تھیں۔ شاہجہاں آپ کو دیکھنے سے بہت خوش ہوا۔

آپ تولیت نامہ ہاتھ میں لے کر دیکھ رہے تھے، اور چہرہ سے خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اور تولیت نامہ زرافشاں کاغذ پر سنہری حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ شاہجہاں نے آپ سے بطور خوش طبعی کہا کیا مُطلاّ فرمان کے دیکھنے سے خوش ہوتے ہو، آپ نے جواب دیا کہ ہمارا دامن آپ کی عنایت سے ہم وزن طلا ہے، مجھ کو آپ کا مبارک خط دیکھنے سے خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ شاہجہاں آپ کے اس فقرہ سے پھڑک گیا۔ اور بہت ہی خوش ہوا۔ اور پاس بلا کر خلعت خاص سے سرفراز فرمایا۔

آپ عالم شباب میں علماء وفضلاء کی صحبتوں کی برکت سے تحصیل علوم ومعارف سے فارغ ہوئے، عالم علامہ وفاضل فہامہ (بہت بڑے فہیم) ہوئے۔ تدریس وتلقین

کا بازار گرم کیا۔ اور بزرگی و مشیخت کی مسند کو رونق دی۔ آپ کو خوردسالی سے خدا طلبی کا شوق تھا۔ اور اپنے والد ماجد کے مرید وخلیفہ ہوئے۔ درس وتدریس کے بعد ریاضت وعبادت میں مشغول رہتے تھے۔ روزانہ اوراد ووظائف کے سوا ہر روز قرآن شریف چار پارے پڑھتے تھے۔ مدۃ العمر اوقات کے پابند رہے، کبھی ناغہ نہیں کیا۔

تصانیف: آپ کو تصنیف وتالیف کا بھی شوق تھا۔ آپ کی تصانیف میں ایک تفسیر بروایت اہل بیت ہے۔ دوسری تفسیر مختصر بطور جلالین، وزینۃ النکات شرح مشکوٰۃ وغیرہ کتب ہیں۔ مولانا شیخ نورالدین جو آپ کے خاص خلیفہ تھے، ان سے منقول ہے کہ میں آپ کی خدمت میں ماہ جمادی الاخریٰ میں حضرت شاہ عالم قدس سرہ کے عرس کے لئے گیا۔ مصاحبت سے مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا مولانا دربارعام شاہی کے روز ہمارا وصال ہوگا۔ چنانچہ اسی شب کو حضرت کا مرض شروع ہوا، اور روز بروز بڑھتا گیا۔ جب انیسویں تاریخ جو دربار گاہ شاہی کا روز ہے آیا، آپ تمام روز عصر تک تسبیح وتہلیل میں مشغول رہے اور دریافت کرتے تھے کہ مجلس منعقد ہوئی یا نہیں۔ خادم نے عرض کیا مجلس منعقد ہوئی۔ علماء وفضلاء ومشائخ وفقراء مجتمع ہیں، بعدازاں آپ کو اطلاع ہوئی کہ اب مجلس برخاست ہوئی۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا کہ مجید عالم کو میری جگہ سجادہ نشین کرو۔ چنانچہ مریدین نے اسی وقت حکم کی تعمیل کی۔ یعنی مجید عالم کو ان کا قائم مقام بنایا۔ بعدازاں آپ نے زبان سے کلمہ پڑھا۔ اور واصل بحق ہوئے۔

وفات: ۲۹ / جمادی الاخریٰ ۱۱۱۱ھ کو آپ کی وفات ہوئی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مقبولیہ گنبد واقع رسول آباد علاقہ احمد آباد میں مدفون ہوئے۔ رحلت کی تاریخ (محمد بود ثانی شاہ عالم) سے برآمد ہوتی ہے۔ (محبوب التواریخ: ج / ۲ ص / ۸۸۱)

حضرت بدرالحق شیخ محمد ارشد جونپوریؒ متوفی ۱۱۱۳ھ

نام ونسب: نام محمد ارشد، کنیت ابوالکشف، لقب بدرالحق، والد کا نام شیخ محمد رشید مصطفیٰؒ ہے۔

ولادت: آپ ۱۰۴۱ھ میں پیدا ہوئے، تاریخ ولادت ابوالکشف محمد ارشد ہے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں حضرت شیخ عبدالشکور منیریؒ سے پڑھیں، اور کافیہ کی شرحوں میں شرح جامی اور شرح حضرت مولانا الہداد جونپوریؒ اور میزان ومنطق وغیرہ حضرت ملا نورالدین مداریؒ سے اور چند سبق اپنے حقیقی چچا حضرت شیخ محمد ولید قدس سرہ سے اور قطبی وشرح ہدایۃ الحکمۃ استاد العلماء حضرت شیخ محمد افضل جونپوری سے پڑھیں۔ باقی ساری کتابیں درسی اور تصوف کی مثلاً فصوص الحکم وعوارف المعارف اور بستان ابواللیث وغیرہ اپنے پدر بزرگوار حضرت قطب الاقطاب سے پڑھا تھا۔ اور عمر کے اکیسویں سال فارغ ہوکر طلبہ کو درس دینے لگے۔ (تاریخ شیراز ہند جونپور: ج/۲ص/۱۲۲۵)

بیعت وخلافت: آپ جب علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہو چکے تو بائیسویں برس سلسلہ چشتیہ احمدیہ میں اپنے والد حضرت قطب الاقطاب سے مرید ہوئے اور تمام سلاسل کے اذکار واشغال وغیرہ کی تعلیم والد سے پائی ان کے علاوہ اور خاندانی نعمتیں پاکر خلافت واجازت کے خرقہ سے مشرف ہوئے۔ اپنے والد کی طرح آپ بھی علم کے بڑے حریص تھے۔ اس لئے طلب کمالات

میں ہمیشہ سرگرداں رہے۔ آپ کی کوشش یہ تھی کہ یہ سلسلہ جہاں جہاں جس طریقہ سے جاری ہو حاصل کرنا چاہئے۔ اور یہ محض حسبۃً للہ تھا، تاکہ جس سلسلہ کا جو کوئی طالب آئے اس در سے محروم نہ جائے۔ حضرت عبداللطیف میٹھن پوریؒ آپ کے خسر تھے جو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ سلسلہ جنیدیہ نسلاً بعد نسل آپ تک پہنچتا تھا۔ اور سلسلہ چشتیہ اشرفیہ جو حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہ سے جاری ہے اس کے بھی مجاز تھے۔ حضرت بدرالحق کو شادی کے بعد یہ شوق ہوا کہ سلسلہ جنیدیہ چشتیہ اور اشرفیہ بھی حاصل کرنا چاہئے، چنانچہ یہ دونوں سلسلے آپ نے حاصل کر کے خلافت واجازت سے بہرہ ور ہوئے۔

عادات وخصائل: آپ کے حالات وفضائل کا قلمبند کرنا قلم کی قوت اور کاغذ کی وسعت سے باہر ہے۔ اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا جس کی ذات پر اس کے شیخ کو یہ ناز ہو کہ پٹنہ میں حضرت قطب الاقطاب سے پوچھا گیا کہ دوست جب دوست کے پاس جاتا ہے تو کچھ ہدیہ لے جاتا ہے۔ آپ جب اللہ کے سامنے جائیں گے تو اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ میرے واسطے کیا ہدیہ لائے ہو؟ اس پر آپ آب دیدہ ہوئے اور فرمایا کہ ”دست محمد ارشد گرفتہ پیش خواہم کرد کہ ہمیں را ہدیہ آوردہ ام“۔ (یعنی محمد ارشد کے ہاتھ کو پکڑ کر پیش کر دوں گا کہ اسی کو ہدیہ کے طور پر لایا ہوں۔ مرتب)

سبحان اللہ! ایک روز شام کے وقت حضرت دیوان جی اور حضرت بدرالحق وغیرہ سب کے سب موجود تھے اور آسمان ابر وباد سے گھرا ہوا تھا۔ ایک شخص نے

آ کر پوچھا کہ افطار کا وقت ہوا؟ شیخ محمد کاملؒ نے کہا کہ ہاں ہوگیا۔ بعض لوگوں نے افطار بھی کرلیا۔ مگر حضرت نے ابر کی وجہ سے ذرا توقف فرما کر افطار کیا اور محمد کاملؒ سے فرمایا کہ تم روزہ دار نہیں ہو اس لئے تمہارے کہنے کا اعتبار کیا ہے؟ اور جہاں محمد ارشد موجود ہو وہاں تم لوگوں کو بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت بدرالحقؒ ہمیشہ دوپہر تک طلبہ کو مختلف علوم پڑھاتے۔ وظیفہ اور اشراق و چاشت کی نماز کبھی ناغہ نہ کرتے۔ نماز ظہر اول وقت جماعت سے ادا فرماتے، نماز کے بعد مریدوں کو تعلیم و تلقین کرتے۔ اکثر اوقات مراقبہ میں رہتے، قول و فعل ہر امر میں حضرت دیوان جی کے قدم بقدم چلتے۔ نماز جنازہ اور مریضوں کی عیادت میں اکثر پیدل جاتے۔ کھانا اگر مل جاتا تو کھا لیتے ورنہ پروانہ کرتے۔ جس روز فاقہ ہوتا بہت ہی خوش ہوتے۔ فقراء و مساکین کے آنے سے بیحد مسرور ہوتے۔ سائل آپ کے در سے کبھی محروم نہ جاتے۔

واقعہ ہے کہ ایک شب کو ایک مسافر ٹھہرا۔ اتفاق سے اس شب خانقاہ میں فاقہ تھا۔ آپ آدھی رات تک مسافر کی دلجوئی کے لئے خانقاہ میں رہے۔

حضرت شیخ بدرالدین محمد ارشدؒ دنیا کے کاموں سے نفرت رکھتے اور اس کے متعلق کسی کو بھی سفارش کا خط نہ لکھتے، ہاں اگر محتاج کی کوئی غرض امراء سے متعلق ہوئی تو بلا تکلف تحریر فرماتے تھے۔ ایک روز آپ نے ایک ضرورتمند کی سفارش کے واسطے کسی دولت مند کو خط لکھا، اس نے عرض کیا کہ روپیوں کی تعداد بھی لکھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تعداد مقرر کرنا میری عادت نہیں ہے۔ کیونکہ دلانے والا اللہ ہے، کمی بیشی اسی کے علم میں ہے۔ ایک مرتبہ قاضی حبیب اللہ نے

آپ کو خط بھیجا کہ نواب امیر الامراء کی مجلس میں آپ کا اور حضرت دیوان جی کا تذکرہ بہت رہا کرتا ہے۔آپ خط لکھتے تو بہتر ہوتا۔آپ نے جواب لکھ بھیجا کہ کسی کو دو غرض کے لئے خط لکھا جاتا ہے، یا دوستی پیدا کرنے کے لئے۔تو اس کی مجھے ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ میرے دوست بہت ہیں۔انھیں کا حق ادا کرنا دشوار ہے۔ یا اس واسطے کہ وہ مجھے کچھ دے اور یہ دو حال سے خالی نہیں۔ کیونکہ میری قسمت کا اس کے خزانے میں ہے یا نہیں ہے۔اگر ہے تو ضرور پہنچے گا۔اور اگر نہیں ہے تو نہ پہنچے گا۔پھر خط لکھنے سے فائدہ کیا؟

جس وقت آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے ایک بزرگ حق آگاہ حضرت مخدوم ملا محمد جمیلؒ عیادت کے لئے تشریف لائے اور پوچھا کہ شیخ کیا حال ہے۔آپ نے جواب میں یہ شعر حضرت ملا عبدالرحمٰن جامیؒ کا پڑھا ؎

دل بعشق آں پری پیکر نمید انم چہ شد درد سر باقی بجا وسر نمید انم چہ شد
آنکہ میگوئی چرا آشفتہ خاطر گفتۂ دل بزلفش بستہ ام دیگر نمید انم چہ شد

ترجمہ: دل اس پری پیکر کے عشق میں گرفتار ہے اس کے سوا مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔دردسر تو باقی ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ سر کیا ہوا۔آپ سے میں اپنی پریشان حالی کی کیفیت کیا کہوں۔دل اس کے زلف کا قیدی بنا ہوا ہے اس کے علاوہ میں نہیں جانتا ہوں کہ کیا ہوا۔

ف: سبحان اللہ کس قدر عالی حال ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔(مرتب)

وفات: آپ کا وصال ۲۴/جمادی الثانیہ ۱۱۱۳ھ کو ہوا۔مزار مبارک خام رشید آباد جونپور میں مرجع خلائق ہے۔رحمہ اللہ تعالیٰ (تاریخ شیراز ہند جونپور: ج/۲ص/۱۲۲۵)

حضرت شیخ عبدالجلیل الہ آبادی متوفی سنہ ۱۱۱۴ھ

نام ونسب: نام عبدالجلیل، والد کا نام صدرالدین بن سراج الدین ہے۔ آپ حضرت شاہ جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے ہیں، اور حضرت شاہ حسام الحق مانکپوری کے نواسے ہیں۔ اسی لئے آپ حسینی، بخاری اور الہ آبادی سے مشہور ہیں، آپ کا مشائخ چشتیہ میں شمار ہے۔

ولادت: سنہ ۹۹۹ھ میں منڈارہ الہ آباد میں ولادت ہوئی۔ لیکن مشائخ الہ آباد میں سنہ ۹۹۲ھ مذکور ہے۔

تعلیم وتربیت: اور بچپن ہی میں ضلع مئو محلہ قاضی طیب میں چلے آئے اور علامہ محمد جمیل مئویؒ اور ملا دانؒ سے مختصر کتابیں پڑھیں اور بڑی کتابیں مختلف شہروں کے دوسرے اساتذہ سے پڑھیں۔ پھر دہلی گئے اور شیخ عبدالحق بن سیف الدین بخاری دہلوی سے حدیث پڑھ کر ''گنگوہ'' گئے اور علم طریقت شیخ محمد صادق حنفی گنگوہی سے حاصل کر کے ان ہی کی خدمت میں بتیس سال مقیم رہے پھر وہاں سے واپس آئے اور الہ آباد میں مستقل سکونت اختیار کی جہاں ان کو لوگوں کی نظروں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

(اردو ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج/۶ ص/۱۹۰)

اب مزید حالات مشائخ الہ آباد سے نقل کئے جا رہے ہیں ملاحظہ کریں۔

اقتباس الانوار کے صفحہ ۲۲۹ میں جو بزبان فارسی ہے آپ کے حالات

اس طرح لکھتے ہیں:

علم قیل وقال کام نہ دے گا: حضرت شیخ عبدالجلیل الہ آبادی حضرت بندگی شیخ محمد صادق گنگوہی قدس سرہ کے خلفاء میں سے تھے۔ نیز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باطن میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ کا ابتدائی حال یہ ہے کہ ملک العلماء حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمت اقدس میں بمقام دہلی تحصیل علوم ظاہری کر رہے تھے۔ قریب قریب فارغ التحصیل ہو گئے تھے کہ ایک رات بحالت خاص خود کو وسیع نورانی صحرا میں پایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابلق گھوڑے پر سوار دیکھا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے، ارشاد ہوا کہ علم قیل وقال کچھ کام نہ دے گا، اور صورت حضرت شیخ محمد صادق قدس سرہ دیکھ کر فرمایا کہ گنگوہ میں یہ شخص میری امت کے بڑے اولیاء اللہ میں سے ہے جاؤ اور بیعت سے مشرف ہو، علم قال کو چھوڑ و اور علم حال میں مشغول ہو۔

بیعت وخلافت: جب حضرت عبدالجلیل قدس سرہ کو اس حالت سے افاقہ ہوا دہلی سے گنگوہ تشریف لائے اور حلقۂ مریدان حضرت شیخ محمد صادق گنگوہیؒ میں داخل ہو کر ریاضات ومجاہدات شاقہ حضرت کی خدمت میں رہ کر کی، تھوڑی مدت بعد فتح حقیقی حاصل ہوئی۔ حضرت نے آپ کو اپنی خلافت سے مشرف فرما کر جانب الہ آباد رخصت فرمایا۔ جب آپ الہ آباد تشریف لائے اور سکونت اختیار فرمائی ایک عالم آپ کی طرف رجوع ہو کر ارشاد وہدایت کے مرتبہ پر پہنچا۔ آپ بڑے صاحب کشف وکرامات تھے اور بے شمار خرق عادات آپ سے ظہور میں

آئے۔

کرامات: منقول ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ تمام عالم میں پھرا ہوں لیکن میں نے کسی صاحب کمال کو نہ پایا۔ سوائے جھوٹوں کے کہ دوکان کھولے بیٹھے ہیں اور مکر و فریب کر رہے ہیں۔ اس وقت شیخ عبد الجلیل قدس سرہ مرتبہ اطلاق میں غرق تھے۔ اسی حالت میں آنکھ کھول کر فرمایا اگر اب تک نہیں دیکھا اور اندھا نہیں ہے تو اب دیکھ وہ فوراً اندھا ہو گیا۔ اپنی یہ حالت دیکھ کر حضرت کے پاؤں پر گر پڑا اور اس بداعتقادی سے توبہ کر کے آپ کا مرید ہو گیا۔

دوسری کرامت: اور یہ بھی منقول ہے کہ جب حضرت شاہ عبد الجلیل قدس سرہ نے اپنے پیر و مرشد سے خرقہ و خلافت اور دونوں عالم کی نعمتیں حاصل کر کے الہ آباد آکر اپنا مسکن بنایا تھوڑی مدت بعد یہاں بڑا سیلاب آیا۔ جس میں اکثر اہل شہر ڈوب گئے اور بہت لوگوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی یہاں تک کہ سیلاب نے آپ کا گھر بھی گھیر لیا بلکہ سیلاب کا پانی حضرت کے صحن و مکان میں بھی آ گیا لیکن آپ نے گھر سے قدم باہر نہ رکھا ہر چند حاکم نے بروقت کشتی بھیجی اور عرض کیا کہ اس پر سوار ہو کر مع متعلقین و سامان خانہ داری جناب باہر تشریف لاویں، آپ نے منظور نہ فرمایا اور کہلا بھیجا اگر اللہ تعالیٰ کو محافظت منظور ہے تو اس جگہ بھی سلامت رکھے گا اور اگر موت ہی آ گئی تو یہ کشتیاں نہیں بچا سکتیں۔ کہتے ہیں کہ پانی گھر کے اندر آپ کی چارپائی تک پہنچتے ہی گھٹنا شروع ہو گیا اور دو ایک روز میں سیلاب بالکل جاتا رہا۔ کوئی ضرر آپ کے اسباب، مکان و متعلقین کو نہیں پہنچا۔

تیسری کرامت: یہ مشہور ہے کہ ایک چور آپ کے گھر میں آیا اس وقت آپ ایک گوشہ میں عبادت میں مشغول تھے آپ کی ولایت کی ہیبت سے وہ چور گھر میں داخل ہوکر اندھا ہوگیا اور چلایا کہ اس جگہ کوئی کامل ہے جس کی نگاہ قہر سے میری بینائی دفعتہً جاتی رہی۔ اب میں عہد کرتا ہوں کہ دوبارہ میری آنکھ میں روشنی آجائے تو پھر میں چوری نہ کروں گا بلکہ بقیہ عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاروں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اگر تو سچی توبہ کرتا ہے تو بینا ہوجانا چاہئے۔ اس پر فوراً آنکھوں میں روشنی آگئی اور وہ چلا گیا، علی الصباح مع اہل وعیال حاضر خدمت ہوکر مرید ہوا، تازیست باطن کے شغل میں مصروف رہا۔

تصانیف: شاہ عبدالجلیلؒ کی ولایت کا اس زمانہ میں بڑا شہرہ تھا۔ آپ نے اذکار واشغال میں اچھا رسالہ لکھا ہے اور عشق وذوق میں قصیدہ بزبان عربی تحریر فرمایا جن سے آپ کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ جب آپ کی آخری عمر ہوئی تو پیران چشت قدس اللہ اسرارہم کی امانت اپنے فرزند عزیز غلام محی الدینؒ کو سپرد کرکے اس دارفانی سے رحلت فرماگئے۔

معلوم ہوا کہ تصوف ودیگر علوم میں تقریباً ایک سو پچاس رسائل ودیوانجات آپ کی تصانیف ہیں مگر امتداد زمانہ سے اکثر کتابیں گم ہوگئیں جو ہیں وہ ناتمام ہیں ان کے اوراق منتشر ہوکر ضائع ہوگئے۔ مثنوی اسرار العاشقین کی ایک جلد مکمل آپ کے خاندان میں قاضی سید عبدالعلیم صاحب کے پاس تھی جسے آپ نے مطبع نظامی کانپور میں طبع کراکے اہل ذوق پر بڑا کرم فرمایا۔

(مشائخ الہ آباد: ص/۹۹)

حضرت مولانا عبدالحئی صاحبؒ مؤلف نزہۃ الخواطر آپ کی تصانیف یوں شمار کراتے ہیں:

آپ کی تصنیفات مختلف ہیں جو حقائق وسلوک میں ہیں ان میں (۱) چہاردہ علمی، (۲) ہدایۃ الصوفیہ، (۳) معدن الحقائق، (۴) حل المشکلات، (۵) فیوضات، (۶) علم الثقات، (۷) علم النکات، (۸) اسرار العاشقین جو منظوم ہیں، (۹) زاد المشائخ، (۱۰) نغمات حالات۔

وفات: سنہ ۱۱۴۱ھ کے ماہ شعبان کی ۶/تاریخ کو الہ آباد شہر میں وفات پائی۔ جیسا کہ بحر زخار میں ہے۔ اور محلہ چک شہر الہ آباد میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

(اردو ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج/۶ ص/۱۹۰)

حضرت خواجہ محمد نقشبند سرہندیؒ متوفی ۱۱۱۵ھ

نام ونسب: نام محمد نقشبند، والد کا نام حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ ہے، آپ حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ کے پوتے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۲۷؍رمضان المبارک بروز جمعہ ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔

فضل وکمال: ان کے جد امجد حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے فرزند ثانی خواجہ محمد معصومؒ سے فرماتے تھے کہ تمہارا یہ لڑکا کمالات عالیہ میں میرے برابر ہوگا۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے خازن الرحمہ محمد سعیدؒ فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا ظاہری وباطنی کمالات میں اپنے والد ماجد اور جد امجد کے مثل ہوگا۔ علوم ظاہری سے فراغت قبل از بلوغ اپنے والد ماجد سے حاصل کر چکے تھے، اور فقہ وحدیث کے اسرار میں پایۂ اجتہاد رکھتے تھے، مقامات سلوک کو اپنے والد ماجد ہی سے طے کیا اور نسبت احمدیہ مجددیہ سے مشرف ہوئے، حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے تھے کہ یہ جب میرے پاس آتے ہیں تو بے اختیار ان کی تعظیم کرنے کو جی چاہتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ان دنوں عجیب وغریب الہامات وخطابات سے سرفراز فرماتے ہیں۔ جیسے ”انت من اولیائی وانت من عبادی الصالحین، وانت من الذین لاخوف علیهم ولاهم

یحزنون‘‘۔ یعنی تم ولیوں میں سے ہو، اورتم میرے صالح بندوں میں سے ہو، اورتم ان لوگوں میں سے ہو جن پر خوف نہیں اور نہ وہ حزیں وغمگین ہوں گے۔

یہ سن کران کے والدمحترم نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کونہایت آراستہ خلعت اورمنورتاج سے نوازاہے، الحمدللہ کہ تم کوبھی اس خلعت سے مشرف فرمایا۔ اس لئے تمہیں قطبیت ارشاد اورمنصب قیومیت مبارک ہو۔ چنانچہ آپ یقینا کمالات عالیہ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ اورحرمین شریفین کی زیارت سے بھی سرفراز ہوئے اورخلق کثیرآپ سے مستفیض ہوئی۔

(مشائخ نقشبندیہ:ص/۳۳۸)

خاندانی شرافت ووجاہت سے بہت کافی حصہ حاصل کیا تھا۔ تحصیل علوم کے بعد جب طریقت کے مراحل طے فرمانے شروع کئے تووالد ماجداورپیرمرشد کواپنے حالات سے اطلاع دی۔ والد ماجد نے تحریرفرمایا:

’’ازعلومرتبۂ این اسرار چہ بیان نماید کہ ازحیطۂ درک عقل وتصورخیال بیروں ست‘‘۔ (ان اسرار کے بلندئ مرتبہ کوکیا کوئی بیان کرے، اس لئے کہ عقل وتصوراورخیال کے حد سے بالاتراورباہرہے۔ مرتب)

نیزفرمایا کہ: جب ابتداء میں یہ حالت ہےتوانتہاء میں کیاہوگا۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہارمرا

وفات: ۹/محرم الحرام ۱۱۱۵ھ شب جمعہ اسی سال کی عمرمیں آپ داردنیا سے رخصت ہوئے۔ سرہند میں والد ماجد کے پہلومیں بجانب شمال آپ دفن ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ (شاندارماضی: ج/۱ص/۳۰۰)

حضرت شیخ رکن الدین بزرگ چشتی احمد آبادیؒ متوفی ۱۱۱۵ھ

نام ونسب وولادت: شیخ رکن الدین بزرگ نام، آپ شیخ یحییٰ چشتی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت شب یکشنبہ ۱۰۵۹ھ میں ہوئی۔ شیخ رشید الدینؒ نے شیخ یحییٰؒ سے سوال کیا کہ بھائی یہ لڑکا مجھ کو دیجئے میں اس کو اپنا فرزند بناؤں گا، شیخ نے قبول فرمایا۔ رشید الدین لاولد تھے، چنانچہ مولود مسعود کو فرزندی میں قبول فرمایا۔ اوراس کی تربیت و پرورش میں مصروف ہوئے۔

تعلیم وتربیت: جب آپ کی عمر سات برس کی ہوئی کہ شیخ رشید الدینؒ نے رحلت فرمائی۔ تب آپ کے والد شیخ یحییٰ چشتی تعلیم وتربیت کے کفیل ہوئے۔ آپ نے ایک برس میں والد ماجد سے قرآن شریف ختم کیا۔ بعدازاں والد ماجد ومولانا فرید الدینؒ مدرس وغیرہ علماء کی خدمت میں کتب درسیہ علوم وفنون تمام کیں۔ اورفارغ التحصیل ہوکر عالم بے مثل وفاضل اکمل ہوئے۔ اور مثنوی شریف مولانا سید عبدالفتاح عسکری گجراتی سے پڑھی۔اور تصوف وسلوک کو والد ماجد سے حاصل کیا اور خلافت کا خرقہ بھی والد ماجد سے پایا۔ ہدایت وارشاد میں مشغول ہوئے اور شیخ فتح محمد کی لڑکی مسماۃ راجی مراد سے شادی کی، شیخ کے نسب کا سلسلہ شیخ حمید الدین ناگوری سے ملتا ہے۔

والد کے قائم مقام: بعدازاں حضرت یحییٰ چشتیؒ حرمین شریفین روانہ ہوئے اورآپ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ آپ والد محترم کی رخصت کے لئے سورت

تک ہمراہ آئے۔ حضرت کو جہاز پر سوار ہوتے وقت فرمایا کہ مجھ کو بھی ہمراہ لیتے چلئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے تم کو یہاں خلائق کی ہدایت کے لئے رکھا ہے کہ آپ سے دین واسلام کی اشاعت ہوگی، اور حضرت شیخ محمد چشتی محبوب اللہ کی مسند کو رونق ہوگی۔ اور مجھ کو حضرت کی طرف سے اشارہ ہوا ہے کہ آپ جارہے ہیں اور رکن الدین کو بھی لئے جارہے ہیں۔ اس طرح ہماری یہ مسند خالی ہوجائے گی۔ اس بناء پر میں نے آپ کو یہاں چھوڑا ہے، اس لئے آپ مجھ کو اپنے سے دور نہ سمجھیں۔ آپ جہاں ہوں گے میں وہاں ہوں گا (یعنی میری دعا وتوجہ ساتھ رہے گی) بعدازاں آپ کو اپنا ایک خاص پیرہن بقعہ (گٹھری) سے نکال کر مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت کو جہاز پر سوار کرکے احمد آباد واپسی ہوئی۔

آپ کے معمولات: فخر الاولیاء کے مؤلف نے آپ کی تقسیم اوقات کو اس طرح لکھا کہ: صبح کی نماز کے بعد اشراق تک تلاوت قرآن ووظائف میں مشغول رہتے تھے۔ چاشت کی نماز ادا کرکے محل میں جاتے تھے، اور قہوہ نوش کرکے خانقاہ میں برآمد ہوتے اور طلبہ کو کتب حدیث وتفسیر وتصوف ومثنوی وغیرہ کے متعدد سبق پڑھاتے تھے۔ درس سے فارغ ہوکر گھر میں آتے تھے اور ماحضر تناول کرکے قیلولہ کے بعد مسجد میں آتے اور ظہر کی نماز جماعت سے ادا کرکے حجرے میں اذکار واشغال وکتب بینی میں مشغول ہوتے، پھر عصر کے وقت برآمد ہوتے۔ عصر کی نماز ادا کرکے مسجد میں مغرب تک تدریس ومطالعہ میں بسر کرتے۔ مغرب کی نماز کے بعد محل مبارک میں رونق افزا ہوکے خاصہ (امیروں کا کھانا) تناول فرماتے۔ کبھی عشاء کی نماز مسجد میں کبھی گھر میں ادا کرتے تھے۔

اور نصف شب تک کتب کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ بعد ازاں تہجد پڑھ کے استراحت فرماتے تھے۔ انتہیٰ کلامہ

ف: ماشاء اللہ بہت ہی خوب مرتب معمولات ہیں جن پر عمل کرنے ہی سے فوز و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔ واللہ الموفق (مرتب)

فضل و کمال: آپ صاحب خوارق عادات و مظہر کرامات و برکات تھے۔ آپ کی کرامتیں گجرات میں مشہور و معروف ہیں۔ حلیم الطبع و سلیم الطبع، کریم النفس و نیک سیرت تھے۔ علماء دوست و فقراء پرور اور مہمان نواز تھے۔ جو کچھ آمدنی ہوتی تھی وہ سب فقراء و غرباء کو دیدیتے تھے۔ سرمایہ و ذخیرہ نہیں فرماتے تھے۔ امراء و سلاطین آپ سے حسن ارادت و عقیدت رکھتے تھے۔ آپ غرباء و محتاجوں کی سفارش میں دریغ نہیں فرماتے تھے۔ وزراء، امراء آپ کی سفارش کی فی الفور تعمیل کرتے تھے۔ اکثر غرباء آپ کے توسل سے فائز المرام ہوتے تھے۔

وفات: آپ نے ۱۴/ربیع الاول ۱۱۱۵ھ میں اس عالم فانی سے بہشت بریں کو رحلت فرمائی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ شاہپور احمد آباد گجرات خانقاہ خورد میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج/۱ ص/۳۵۰)

حضرت سید آیت اللہ رائے بریلویؒ متوفی ۱۱۱۶ھ

نام ونسب: نام سید آیت اللہ، والد کا نام سید شاہ علم اللہ حسنیؒ ہے۔

فضل وکمال: سید شاہ علم اللہ کی نسبت باطنی کے سب سے بڑے وارث اور امین اوران کے صوری ومعنوی جانشین اوران کے نامور وباکمال فرزند تھے۔سید شاہ علم اللہؒ کی زندگی کا عکس اور پرتو دیکھنا ہوتو ان کے اولاد واحفاد کوسراپا دیکھنا چاہئے، سید شاہ علم اللہؒ کے ارجمند وسعادت مند فرزندوں نے ان کا جوعکس قبول کیا تھااس کی تابانی ودرخشانی اصل سے کسی طرح کم نہ تھی، اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ روشنی اورضوفشانی ان کی دوسری پشتوں میں اس طرح منتقل ہوتی رہی کہ اس کے تسلسل اورفیاضی کودیکھ کرآدمی بے ساختہ پکاراٹھتا ہے۔ ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

ترجمہ: سر سے پیر تک جہاں بھی دیکھتا ہوں، کرشمہ دامن دل کوکھینچتا ہے کہ اصل جگہ یہی ہے۔

ف: یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ’’ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔(مرتب)

تعلیم وتربیت: شاہ آیت اللہؒ شاہ علم اللہؒ کے سب سے بڑے فرزند تھے، بہت کم سنی میں درسیات کی تکمیل کی اورحفظ کی دولت سے مالامال ہوئے، بڑے شجاع، عالی ہمت اور بلند حوصلہ شخص تھے، آغاز شباب ہی میں انھوں نے بعض ایسے کام کئے کہ شجاعان زمانہ ان پر رشک کرتے تھے اوراعتراف کرتے تھے کہ

اس میدان میں ان کا کوئی ہمسر نہیں، دولت باطنی اپنے والد سے حاصل کی اور فیض وارشاد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

آپ کی شجاعت: ابتداء ہی میں جہاد وغزوہ کا شوق دامنگیر ہوا چنانچہ اس مقصد سے اپنے برادران اور اقربا کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ ناظم گورکھپور کی سرکار کے سپاہیوں میں شامل ہو گئے، اسی زمانہ میں اس نواح کے راجہ نے بغاوت کردی اور جمعہ کا دن مقابلہ کے لئے طے ہوا، اور ناظم مقابلہ کے ارادہ سے باہر آیا، شاہ آیت اللہؒ نے ان سے فرمایا کہ آج جمعہ کا دن ہے پہلے نماز ادا کریں اس کے بعد مقابلہ کے لئے آئیں، ناظم نے جواب دیا کہ جب تک میں جمعہ کی نماز پڑھوں گا اس وقت تک دشمن اپنا کام نکال لیں گے، میں دیر نہیں کرسکتا۔ آپ پیرزادہ ہیں، آپ نماز پڑھیں اور توجہ کریں کہ فتح نصیب ہو، یہ جواب سن کر وہ نماز میں مشغول ہو گئے، امیر نے جنگ شروع کی اور سخت ہزیمت اٹھائی، شاہ آیت اللہؒ نماز پڑھ کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان کارزار کی طرف چلے، جب شہر کے دروازہ تک پہنچے تو دیکھا کہ سرکاری فوج ناظم کی سرکردگی میں پسپا ہوکر واپس آرہی ہے، انھوں نے یہ منظر دیکھ کر فوج کو دوبارہ حملہ کرنے پر ابھارنا چاہا اور طرح طرح سے ہمت دلائی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ فوج کے ایک آدمی نے کہا کہ کسی پر آسمان پھٹ پڑے تو کیسے برداشت کرسکتا ہے، آپ اتنی مختصر جماعت کے ساتھ کیا کرلیں گے، بہتر یہ ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں، ان فوجیوں سے ناامید ہوکر انھوں نے بنفس نفیس علم نصرت ہاتھ میں لیا اور آگے بڑھ کر باغیوں پر حملہ آور ہوئے اور نہ جانے کتنے سر قلم کئے، راجہ اور باغی فوج کے

متعدد افسران اس معرکہ میں مقتول ہوئے، اس معرکہ میں ان کے دو حقیقی بھائی اور سید شاہ علم اللہ کے داماد سید محمد رحیم بھی شریک تھے، سید محمد رحیم نے جام شہادت نوش کیا، اور باقی سب لوگ مظفر ومنصور واپس ہوئے۔

حفظ قرآن: قرآن مجید اس قدر اچھا حفظ تھا کہ ایک مرتبہ ان کے والد ماجد سید شاہ علم اللہؒ نے ان کو رمضان میں تراویح سنانے کے لئے نصیر آباد سے تکیہ بلوایا، ان کے چچا حضرت سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ جب تک میں تمہارے پیچھے پورا قرآن نہ سن لوں گا تم کو اجازت نہ دوں گا۔ اب معاملہ نازک تھا، والد کی تعمیل حکم میں چچا کی دل شکستگی تھی اور چچا کی اطاعت میں والد کی مخالفت، انھوں نے اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ رمضان کی پہلی شب میں پورا قرآن مجید ختم کر دیا اور اپنے چچا کی دعا لیتے ہوئے صبح تکیہ روانہ ہو گئے۔

شجاعت وشناوری کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ کسی سفر میں دریائے گنگا عبور کرنا چاہا لیکن ملاح نے کسی وجہ سے کشتی نہ دی، ایک بہت بڑا بوجھ ان کے ساتھ تھا، انھوں نے لنگی باندھ لی اور کچھ لوگوں نے بوجھ اٹھا کر ان کے سر پر رکھ دیا، اس بوجھ کو لے کر سلامتی کے ساتھ دریا کے پار اتر گئے۔

آپ کا فیض: زہد و ورع وتقویٰ، سخاوت وانابت اور دوسرے اوصاف حمیدہ اور مکارم اخلاق میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، سید شاہ علم اللہؒ کے انتقال کے بعد ان کی نیابت وجانشینی کا حق ادا کیا اور اسی روش پر گامزن رہے، بکثرت لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا اور ان کی صحبت وتربیت میں رہ کر نسبت خاصہ سے بہرہ ور ہوئے، اور بعض مریدین واہل اختصاص کی صحبت میں

وہ کیمیا اثری پیدا ہوئی کہ محض ان کے پاس چند لمحہ بیٹھ جانے سے لوگوں کا دل دنیا سے سرد ہو جاتا تھا اور فنائیت و بے نفسی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی۔

آخر میں بعض وجوہات سے دل شکستہ ہو کر اورنگ زیب عالمگیر کے لشکر میں چلے گئے اور اپنے باکمال فرزند سید محمد ضیاء کو اپنا جانشین مقرر کیا، اس کے کچھ ہی روز بعد علیل ہوئے اور بیماری نے نزاکت اختیار کر لی، انتقال کے وقت ان کے بھائی سید محمد ہدیٰؒ اور فرزندان گرامی سید محمد احسنؒ و سید عظیم الدین شہیدؒ اور دوسرے خدام واہل تعلق چارپائی کے پاس موجود تھے، کچھ دیر نصیحتیں فرمائیں اور کچھ وصیتیں کیں، کسی کو اندازہ بھی نہ تھا کہ یہ وقت آخر ہے اس کے بعد چند مرتبہ سورۂ اذا زلزلت الارض تلاوت فرمائی اور چادر اوڑھ لی، لوگوں کو خیال ہوا کہ سو گئے، جب اسی حال پر ایک ساعت گذر گئی تو ایک امیر نے جو حضرت شاہ علم اللہؒ کے مرید تھے حال دریافت کیا، لوگوں نے کہا کہ کچھ دیر پہلی سورۂ اذازلزلت الارض پڑھی اور اب شاید آرام فرما رہے ہیں، اس نے یہ سن کر کہا کہ وہ ہمیشہ کے لئے آرام کر رہے ہیں اور اپنے رب سے جا ملے ہیں، جب تحقیق کی گئی تو یہ بات صحیح نکلی۔

وفات: تجہیز و تکفین کے بعد لاش تابوت میں رکھ کر رائے بریلی لائی گئی اور اپنے والد نامدار کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے۔ تاریخ وفات ۱۲؍رجب سنہ ۱۱۱۶ھ ہے۔ (تذکرہ حضرت شاہ علم اللہؒ: ص؍۱۴۰)

حضرت شاہ یتیم پرہیزی حیدرآبادیؒ متوفی ۱۱۱۷ھ

نام ونسب: شاہ یتیم نام، پرہیزی لقب ہے۔آپ کا وطن ہند تھا۔آپ وہاں سے حیدرآباد دکن میں آئے اور حضرت شاہ محی الدین ثانی قادریؒ کی خانقاہ کے قریب فروکش ہوئے۔آپ شاہ صاحب قادری کی خدمت میں آمدورفت رکھتے تھے، قادری صاحب آپ سے حسن اخلاق وتواضع سے ملتے تھے۔ چندروز کی صحبت کے بعد باہم محبت والفت ہوگئی۔رسالہ مکاشفہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ شاہ یتیم ابتداء سلوک سے دم واپسیں تک غذا کو بے نمک و بے روغن استعمال کرتے تھے۔اسی وجہ سے پرہیزی مشہور ہوئے۔

فضل وکمال: آپ رات دن عبادت وریاضت میں بسر کرتے تھے۔ ہمیشہ یادالٰہی میں مصروف رہتے تھے۔آپ علم قرأت کے استاد تھےاورخوش الحانی میں بےنظیر تھے، جب قرآن شریف پڑھتے تھے تب طیورووحوش (چڑیاں اوروحشی جانور) آپ کے گرد جمع ہوتے تھے۔طیور حالت تلاوت میں خودی سے بیخود رہتے تھے۔اورآپ خوش نویسی میں بھی بے مثل تھے۔نستعلیق ونسخ عمدہ لکھتے تھے، اکثر اوقات قرآن شریف لکھتے رہتے تھے،صاحب مشکوٰۃ النبوہ لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کا لکھا ہوا قرآن شریف دیکھا،نہایت ہی عمدہ تحفہ تھا۔غرض آپ صاحب کمال تھے۔

ف: مجاہدہ وریاضت کا ثمرہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی عنایت فرماتے ہیں، ارشاد

باری تعالیٰ ہے **"ھل جزاء الاحسان الاالاحسان"** (سورۂ رحمٰن) **یعنی غایت** طاعت کا بدلہ غایت عنایت کے علاوہ اور کچھ ہوسکتا ہے۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۰/ربیع الثانی ۱۱۷۱ھ میں واقع ہوئی۔ شاہ محی الدین ثانیؒ کے روضہ منورہ کے متصل حیدرآباد میں دفن ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ

(محبوب التواریخ: ج/۲ ص/۱۱۳۱)

حضرت مولانا سید عنایت اللہ بالا پوریؒ متوفی ۱۱۱۷ھ

نام ونسب: نام سید عنایت اللہ حسینی، والد کا نام سید محمد بن الہداد بن سید موسیٰ بن امام سید ظہیر الدین خجندی (ایرانی) ہے۔ آپ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے خلیفہ ہیں۔

آباء واجداد کی ہندوستان آمد: آپ کے جد امجد سید ظہیر الدین مع فرزند سید موسیٰ خجند (ایران) سے ہند میں آئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ سادات میں صحیح النسب مشہور اور علم وفضل میں معروف تھے۔ توران کے بادشاہ نے چاہا کہ اپنے فرزند کے لئے آپ کے خاندان میں سے کوئی لڑکی منتخب کرے۔ آپ نے بادشاہ کے ضعف نسب کی وجہ سے انکار فرمایا۔ بادشاہ تہدید (ڈرانا) وتنبیہ پر آمادہ ہوا، آپ بھی مستعد ہوئے۔ اس لئے فوج شاہی اور آپ کے مریدین میں خوب قتل وقتال ہوا آخر فوج شاہی غالب ہوئی۔ آپ کے بہت سے اعزہ واقارب مرد وعورت درجہ شہادت کو پہنچے۔ تمام اثاث البیت تاخت وتاراج ہوا۔ اسی سبب سے نسب نامہ جو تھا وہ بھی تلف ہو گیا۔ حضرت ظہیر الدین صاحب مرحوم مع فرزندان کے خجند سے ہجرت کر کے ہند میں آئے۔ امن آباد لاہور میں سکونت پذیر ہوئے۔ سید الہدادؒ وسید محمدؒ امن آباد میں تولد ہوئے۔

ولادت: سید عنایت اللہ صاحب کی ولادت بھی ہندوستان میں ہوئی۔ نشو ونما وسن شعور کے بعد آپ نے والد ماجد ودیگر علماء کی خدمت میں کتب متداولہ سے

فراغت حاصل کی۔ پھر آپ کے دل میں دنیا کی نفرت اور اللہ تعالیٰ کی محبت متمکن ہوئی۔آپ رات دن مرشد کی تلاش میں رہتے تھے۔

بالا پور آمد: آخر آپ مع والد ماجد ۱۰۵۹ھ میں بالا پور آئے۔ چند مدت کے بعد برہان پور گئے۔اور ملا عماد الدینؒ کے مکان پر فروکش ہوئے۔اور شہر کے مشائخ وعلماء کا حال دریافت کیا، ملا نے کہا اگر آپ کو استفادہ صوری مدنظر ہوتو میرا بھائی ملا نجم الدینؒ شہر میں موجود ہے اس سے بہتر کوئی فاضل نہیں۔ اور اگر استفادہ معنوی مطلوب ہوتو شیخ ابوالمظفر بڑے صوفی ہیں، شہر میں تمام مشائخ سے افضل ہیں۔ یہ شیخ برہانپور میں پیر بابنؒ کی مسجد واقع چکلہ میں رہتے ہیں۔

بیعت وخلافت: آپ شیخ کی خدمت میں پہنچے اور ملاقات کی، شیخ کے چہرہ سے بزرگی اور مشیخت کے آثار نمایاں پائے، حسن ارادت کے ساتھ مرید وخلیفہ ہوئے۔اور فیض باطنی سے حصہ کامل پایا۔ شیخ موصوف حضرت خواجہ محمد معصوم بن احمد مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ تھے۔آپ نے شیخ سے چاروں طرق نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ کی اجازت لی۔ تحصیل وتکمیل کے بعد آپ سے مرشد نے فرمایا کہ اورنگ آباد جایئے اور خاص وعام کو ہدایت فرمایئے۔آپ علائق دنیا سے منزلوں دور تھے۔ درویشی لباس زیب تن تھا، مع متعلقین ومریدین برہانپور سے بالا پور برار آئے، اور وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ اولاً بافندگان (کپڑا بننے والے) بالا پور کی مسجد میں رہے۔ اور وہیں حضرت شاہ ابوالحسن نقشبندی سے ملاقات کی، شاہ مذکور صاحب کشف وکرامت تھے، تھوڑے زمانہ کے بعد شاہ صاحب فوت ہوئے تو آپ نے حسب وصیت تجہیز وتکفین کر کے جنازہ کی نماز ادا

کی اور آبادی سے باہر ایک ٹیلہ پر مدفون کیا۔ فی الحال حسن جی کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ صاحب مرحوم کا عصا مسجد مذکور میں ۱۲۰۱ھ تک موجود تھا۔ مارگزیدہ (سانپ کاٹے ہوئے) وعقرب رسیدہ (بچھو کے ڈنک مارے ہوئے) کو اس کے مس کرنے سے صحت ہوتی تھی۔ معلوم نہیں فی الحال موجود ہے یا نہیں۔

ثانیاً آپ بافندوں کی مسجد سے منتقل ہو کر ۱۰۶۵ھ میں مقام کسار کھیڑہ میں جو دریا کے کنارہ واقع ہے تشریف لائے۔ اور وہاں سکونت اختیار کی، وہ مقام ویرانہ اور درندوں کا آشیانہ تھا۔ آپ نے تمام جھاڑیوں کی صفائی کرائی، اور وہاں ایک مسجد بنائی، اور سکونت کے لئے بھی ایک جگہ درست کرائی۔ اس وقت آپ کے والد ماجد جناب سید محمدؒ فوت ہو گئے۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ بالا پور میں آپ کے نانا و ماموں دولت منداور مالدار تھے۔ آپ کے پاس آئے اور آپ کو سمجھایا منایا اور کہا کہ فقیری کو ترک کرو مگر آپ نے نہیں مانا۔ درویشی کے خیال میں ثابت قدم اور راسخ دم رہے۔

کتابت قرآن: آپ کا ذریعہ کسب قرآن شریف کی کتابت تھی، آپ نے اس زمانہ میں ۱۸؍قرآن شریف لکھے، آپ کو فتوحات غیبی اس قدر حاصل ہوتی رہی کہ مصاحف مکتوبہ کو ہدیہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ آپ نے ایک روز اپنے ماموں سے ازروئے قرض حسنہ بیس روپئے مانگے، ماموں صاحب نے قرض دینے سے انکار فرمایا، اس خیال سے کہ شاید آپ مجبور ہو کر درویشی سے نفرت کریں۔ مگر آپ مستقل مزاج و پختہ کار تھے، کچھ پروانہیں کی۔ اسی اثنا میں

معتقدین میں سے ایک مرید آیا اور گیارہ روپۓ نذر کئے اور کہا کہ دس روپۓ زکوٰۃ اور ایک روپیہ نذر ہے۔آپ نے اس میں سے دس روپۓ فقراء کو دیدیۓ اور ایک روپیہ اپنی ضرورت کے لئے رکھا۔ ماموں صاحب نے فرمایا کہ آپ فضول خرچ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس قدر رقم بھیجی آپ نے سب خرچ کردی۔فرمایا کہ ہم سید ہاشمی ہیں ہم کو زکوٰۃ لینا درست نہیں اس لئے دس روپۓ فقراء کو دیۓ اور ایک روپیہ اہل بیت کو دیا۔

آپ کا بالا پور سے دہلی جانا: آپ شرع کے پابند تھے،اوامر ونواہی کو نرمی وسختی سے جاری کرتے تھے۔رفتہ رفتہ برار کے اطراف وجوانب میں آپ کی شہرت ہوئی،تو برار کے اکثر امراء ورؤسا حسن ارادت سے مرید ہونے لگے اور آپ کو قبولیت عام حاصل ہوئی۔ برار کے صوبہ دار وفوجدار اور جو قاضی تھے آپ سے مخالفت کرنے لگے۔اور تمام نے عالمگیر بادشاہ کو وقائع نگاروں کے ذریعہ سے مطلع کیا کہ دو سید زادے ایک عنایت اللہ دوم محمد سعید اس ملک میں وارد ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ فقراء کا مجمع ہے،ملکی معاملات میں ان کی وجہ سے فساد کا خوف واندیشہ ہے۔گاویل وآسیر کے قلعہ دار بھی آپ کے شریک ہیں۔اور بیجاپور کا بادشاہ بھی آپ کی خدمت میں نذر وتحائف بھیجتا ہے،عنقریب زمانہ میں ریاست کے اندر خلل واقع ہوجائے گا۔اس وقت عالمگیر بیجاپور کی تسخیر کی فکر میں تھا۔اس کیفیت کے سنتے ہی درہم وبرہم ہوا۔اور فوج قاہرہ کو روانگی کا حکم دیا کہ دونوں سید زادوں کو حضور میں حاضر کرو۔فوج بادشاہی بالا پور میں پہنچی اور خانقاہ کا محاصرہ کیا۔آپ کو کچھ خبر نہ تھی۔محمد حسین افسر فوج نے بادشاہ کا حکم

آپ کو دیا۔آپ نے ملاحظہ کرکے بمصداق اَطِیْعُو االلّٰہَ وَاَطِیْعُو االرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُم حکم کی تعمیل کی۔اسی وقت فی الفور محمد حسین کی پالکی میں سوار ہوکر بادشاہ کی طرف روانہ ہوئے۔اور محمد سعید کو اطفال وعیال کی خبر گیری کے لئے چھوڑ دیئے۔

آپ کے فضل وکمال کی شہادت: انہیں ایام میں حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی مجددی اور حضرت خواجہ محمد نقشبند بن خواجہ محمد معصوم بادشاہ کے ہمراہ تھے۔دونوں بزرگوں نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ سید عنایت اللہ بالاپوری کس لئے بلائے گئے ہیں۔بادشاہ نے کہا کہ اس نے ضلع میں فساد برپا کیا تھا۔خواجہ نے فرمایا اگرچہ میں سید مشار الیہ(عنایت اللہ) سے نہیں ملا ہوں لیکن ان کی ہدایت وارشاد کی شہرت عالمگیر ہے۔اوران کے اوصاف حمیدہ زبان زد خلائق ہیں۔میں ان کی ملاقات کا مشتاق ہوں۔آپ نے بدون تحقیق مخالفین کے بہکانے سے بیچارے سید کو تکلیف دی۔اللہ ایسا نہ کرے کہ آپ کو کوئی صدمہ پہنچے۔صاحب دل وکامل کا ستانا اچھا نہیں۔بادشاہ یہ سنتے ہی گھبرایا اور ایک فرمان عذرخواہی ومعافی میں لکھا کہ اگر آپ راہ میں ہیں تو اپنے وطن مالوفہ کو مراجعت کریں۔اگر یہاں تشریف لائیں تو میں بھی ملاقات کا مشتاق ہوں۔چنانچہ فرمان مقام کالپی میں پہنچا۔آپ نے مطالعہ کے بعد فرمایا دار الخلافہ نزدیک ہے،بادشاہ اور صاحبزادے کی ملاقات کرکے لوٹوں گا۔بادشاہ نے آپ کی پیشوائی کے لئے شیخ عبداللہؒ وابوالخیرؒ جو بادشاہ کے استاد زادے تھے بھیجا۔آپ دار الخلافہ میں پہنچے۔بادشاہ نے بلایا۔مغرب کی نماز کے وقت پہنچے اور نماز میں شریک ہوئے۔

فرض وسنن کے بعد آپ گوشہ میں بیٹھے، بادشاہ نوافل کے بعد حضرت کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت تعظیم کے لئے اٹھے باہم سلام ہوا۔ پھر بادشاہ نے آپ سے مصافحہ کیا۔ بادشاہ نے خجالت وندامت سے معذرت کی، اور کہا ہم کان رکھتے ہیں اور آنکھ نہیں رکھتے، اس وجہ سے تکلیف دی گئی۔ **العفو عند کرام الناس مقبول**۔ امیدوار ہوں کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ (آپ نے فرمایا کہ ہم کو شکر کرنا چاہئے، شکایت نہیں کرنی چاہئے۔)

بادشاہ دیر تک آپ سے مکالمہ کرتا رہا۔ آخر آپ نے رخصت چاہی۔ بادشاہ نے کہا پھر کب ملاقات ہوگی، آپ نے فرمایا میں گوشہ نشین ہوں کبھی خانقاہ سے باہر نہیں جاتا۔ اگر تقدیر میں تحریک ثانی ہوگی تو جبراً دوبارہ ملاقات ہوگی۔ والعلم عنداللہ۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد بادشاہ نے حاضرین سے فرمایا آپ کے سر سے پیر تک حمیت اسلام وغیرت ایمان نمایاں ہے۔ جن لوگوں نے آپ کی نسبت خلاف واقعہ شکایت کیا، تمام کو خدمات سے معزول کر کے یہاں بلایا جائے۔ دوسرے دن شیخ عبداللہ وشیخ ابوالخیر آپ کی خدمت میں آئے، عرض کیا کہ بادشاہ نے ایک ہزار روپیہ اور چند پارچے خلعت بھیجے ہیں اور ایک فرمان جاگیر معاش اور ایک حکم تمام ممالک محروسہ میں اس مضمون کا کہ حضرت جو امر معروف فرمائیں کسی کو خلاف کی مجال نہ ہوگی۔ تیار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا بادشاہ بیت المال کا امین ہے مالک نہیں ہے۔ امین کو چاہئے کہ مال کو مصارف کے مواقع میں خرچ کرے، جس کے مصارف فقراء ومستحقین ہیں، فقیر ان دونوں سے فارغ ہے، جب تک مکان پر تھا۔ ہر روز روزی ملتی تھی، جب بادشاہ کی

خدمت میں روانہ ہوا۔تب سے احباب برار کی طرف سے اخراجات بھیجے جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے کل ہی خادم سے دریافت کیا کہ اخراجات کے بعد کس قدر رقم باقی ہے،معلوم ہوا کہ دو ہزار موجود ہیں۔پس جو شخص دو ہزار روپئے رکھتا ہو وہ کیونکر بادشاہ سے بیت المال کا روپیہ لیوے۔ اور مسلمین کے حقوق تلف کرے۔آپ رقم واپس لے جایئے ،اور مواقع میں خرچ کیجئے۔ یہ فقیر تو اوائل میں خلائق کو امر معروف و نہی منکر کی ہدایت کرتا تھا،ظلم و بدعت سے مانع ہوتا تھا۔تو اب کیا اس کے خلاف کرے، ہرگز نہ ہوگا۔

یہاں تک کہ بادشاہ کی خدمت میں اس کی خبر دی گئی، پھر فرمایا کہ اب موافق سیرت نبوی جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔یعنی نفس کشی میں مشغول ہوتا ہوں۔اب بادشاہ کو چاہئے کہ ہدایت کے لئے محتسب مقرر کرے اور وہ حکم نامہ اس کے حوالہ کرے اور گاؤں ان کو جاگیر میں مرحمت فرمائے ،فقیر نے مدتوں رزاق مطلق کی رزاقیت کا امتحان کیا ہے، کبھی بھوکا نہیں رہا۔اور یہ خلعت آپ لیجئے ،تاکہ آپ کو ابناء جنس میں سرفرازی ہو جائے۔ مجھ کو اگر صاحبزادہ ایک ٹوپی عنایت کریں تو فخر کروں گا۔

پھر بادشاہ نے مکرر عرض کیا کہ ہماری سرکار سے کچھ تو قبول فرمایئے مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ چند روز کے بعد مکان واپس آئے۔فوجدار و وقائع نگار و قاضی خدمات سے معزول ہوکر حسب الطلب حضور شاہی کیلئے روانہ ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ کا اور ہمارا معاملہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے معاملہ کے مشابہ ہے۔ بھائیوں نے یوسف کو ستایا مگر یوسف نے

معاف کیا۔ میں یوسف علیہ السلام کی طرح آپ کا قصور معاف کرتا ہوں۔

ف: سبحان اللہ! کیا اخلاق تھے کہ سنت یوسفی کو زندہ فرمایا اور ہم لوگوں کے لئے نصیحت وموعظت کی راہ ہموار فرمایا۔ واللہ الموفق (مرتب)

آپ متقی اور بڑے محتاط تھے عبادت وطہارت میں بڑی احتیاط فرماتے تھے۔ فقیہ وعالم تھے، امامت خود ہی فرماتے تھے۔ ہاں اگر کوئی فقیہہ عالم وارد ہوتا تو اس کی اقتداء کرتے تھے۔ اور آپ تارک الصلوٰۃ سے نہایت نفرت کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ کھانا گوارا نہ فرماتے تھے۔

اور کسی امیر کے گھر کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اگر کہیں سے آجاتا تو اس کو کتوں کو کھلا دیتے تھے۔ خانقاہ کے فقراء اور اہل بیت کو بھی مشکوک طعام سے روکتے تھے۔ ہر چہ برخود نہ پسندی بہ دیگرے مپسند۔ (یعنی جو اپنے لئے پسند نہ کرو وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو) آپ خوش تقریر وخوش بیان تھے۔ وعظ نہایت خوبی کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ آپ کا کلام سامعین کے قلوب پر جادو کی طرح اثر کرتا تھا۔ آپ جب محبت الٰہی ودنیا کی نفرت کی نسبت فرماتے تب سامعین کی ایسی حالت ہوتی تھی کہ مال ودولت کو تصدق کر کے صحرانوردی اختیار کر لیتے اور موت اور آخرت کے احوال اس طرح ادا کرتے تھے کہ گویا قیامت کا عالم مجسم نظر آتا تھا۔ اور وعظ میں آپ کی ہیبت وعظمت اس قدر ہوتی تھی کہ کوئی اہل مجلس لب نہیں ہلا سکتا تھا۔ اگر کوئی کسی سے بات کرتا تو آپ فرماتے کہ یہاں اگر آپ استفادہ کے لئے آئے ہیں تو بے فائدہ باہم کیوں مکالمہ کرتے ہیں۔ اگر قصہ خوانی مطلوب ہو تو کہیں اور جائیے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب تعلیم وتربیت تھی جس سے لوگوں کی اصلاح ہوئی۔مگر اب تو اس زمانہ میں نہ کسی بات پر کوئی نکیر کرسکتا ہے اور نہ کوئی مانتا ہی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

نصائح ووصایا: جب آپ مرض موت میں مبتلا ہوئے، تو آپ نے تمام اہل بیت کو بلایا اور سب کو نصائح ووصایا سے سرفراز فرمایا، زوجات وبیگمات سے فرمایا کہ ہمیشہ مکان میں رہو۔ گھر سے باہر قدم نہ نکالو اور ہمیشہ سنت نبوی کے تابع رہنا چاہئے۔ اور شرع کا کوئی امر فروگذاشت نہیں کرنا۔ اور فرزندوں سے فرمایا کہ مسند وسجادہ کو زمینداری ووطن داری کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ دنیا طلبی وشکم پروری کے لئے دنیا میں بیشمار اسباب وسائل ہیں جب تک ہدایت وارشاد کی لیاقت نہ ہو مسند پر جلوس نکریں۔ میں نے جو کچھ مدۃ العمر میں سکھلایا ہے اس میں محنت وریاضت کروگے تو اس وقت مسند کے لائق ہوگے۔ اور میری رحلت کے بعد بلا تعیین تاریخ وروز طعام پکا کے نمازیوں کو کھلانا۔ نصائح ووصایا کے بعد حاضرین سے کہا کہ آہستہ آہستہ قرآن شریف پڑھو۔ حسب الارشاد سورۂ یٰسین وسورۂ ملک پڑھنا شروع کئے۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ آپ بہشت بریں روانہ ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات: یہ واقعہ بروز پنجشنبہ ۲۵ رصفر ۱۱۱۷ھ میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون فقرۂ شمع بہشت (۱۱۱۷ھ) سے تاریخ رحلت برآمد ہوتی ہے۔ آپ کا مدفن بالاپور علاقۂ برار ہے۔ نور اللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج ۱/ص ۲۱۵)

حضرت مولانا سید محب اللہ بالا پوریؒ متوفی ۱۱۱۹ھ

نام ونسب: نام سید محب اللہ والد کا نام سید عنایت اللہ ہے۔سادات خجند سے ہیں۔آپ کے اجداد خجند سے ہند میں آئے اور امین آباد لاہور میں سکونت پذیر ہوئے۔آپ کے والد ماجد ہند سے بالا پور میں رونق افروز ہوئے۔اور شیخ مظفر صوفی نقشبندی برہان پوریؒ کی خدمت میں بیعت وخلافت سے مستفید ہوئے۔ تمام عیال واطفال بھی ہمراہ تھے۔

ولادت: ''عنایت الٰہی'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت برہان پور میں ۱۰۷۵ھ میں واقع ہوئی، شیخ صوفیؒ موصوف نے آپ کے کان میں اذان دی اور محب اللہ نام رکھا۔آپ کے والد ماجد برہان پور سے بالا پور آئے۔

تعلیم وتربیت: آپ کی نشوونما بالا پور میں ہوئی۔آپ نے اولاً قرآن شریف عم بزرگوار مولانا محمد سعیدؒ سے ختم کیا۔ثانیاً قرأت کے قواعد کو بھی مولانا ہی سے حاصل کیا۔قاری خوش الحان تھے،قرآن کو نہایت خوبی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مدوتشدید ومخارج حروف کو عمدہ طرح سے ادا کرتے تھے۔جس سے سامعین کو لطف وحظ حاصل ہوتا تھا،اور قاضی سیف اللہ بالا پوریؒ سے حسن خط اخذ کیا۔خوش خطی میں استاد ہوئے ، پھر آپ کے والد ماجد شیخ صوفی کی خدمت میں دوبارہ بالا پور سے برہان پور آئے۔آپ کو بھی ہمراہ لائے۔آپ کے

والد ماجد شیخ کے حلقہ توجہ میں آپ کو بھی ہمراہ لے جاتے تھے۔آپ شیخ کے فیضان نعمت سے فیضیاب ہوتے تھے۔آپ نے والد ماجدا ورملا نجم الدین برہانپوریؒ سے کتب متداولہ کی تعلیم حاصل کیں، نیز ایک فاضل ہندی ساکن بالا پور سے استفادہ کیا،اور فاضل علامہ وعالم فہامہ ہوئے۔

بیعت واجازت: تحصیل علم کے بعد والد ماجد سے بیعت ہوکر درجہ کمال کو پہنچے، والد ماجد نے خلافت کا خرقہ بھی عنایت کیا۔آپ والد ماجد کی خدمت میں حد سے زیادہ عقیدت وخلوص رکھتے تھے۔ ایک روز والد ماجد کے نعلین (جوتا) پر کسی کا بلغم گرا۔خدام صاف کرنے کے لئے رومال وتولیہ تلاش کرنے لگے،آپ نے فی الفور دامن سے صاف کردیا۔سب نے تحسین وتعریف کی۔اور والد ماجد نے فرمایا ادب اس طرح چاہئے۔

ف: ایسے باادب لوگ بانصیب ہوتے ہیں،مگر یہ چیز اب عنقاء ہورہی ہے اس لئے بے نصیبی ومحرومی عام ہورہی ہے۔(مرتب)

آپ کے والد ماجد نے ۱۱۱۷ھ میں رحلت فرمائی،اور تین لائق صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ ہرایک علم وفضل میں یگانہ تھا۔آپ فنافی الرسول کے مرتبہ میں تھے،آپ نے اپنی جانشینی کے لئے سنت کنایہ سے جو حضرت امیرالمومنین ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بابت ہے استدلال کیا۔ چونکہ والد ماجد نے آپ کو مرض الموت میں عیدین کی نماز وامامت کی اجازت دی تھی۔اورآپ نے امامت کی تھی۔ گویا حضرت نے آپ کو اپنا جانشین کیا۔ آپ اس استدلال سے سجادہ نشین ہوئے۔

ف: اسی سے کنایتی کہا گیا یعنی صراحۃً نہیں بلکہ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کو اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز کی امامت کرانے سے ثابت کیا گیا ہے، اسی طرح ان کی خلافت وجانشین امامت سے بطور کنایہ ثابت کی گئی ہے۔(مرتب)

وفات: آخر آپ اس دار فانی سے ۲۱/ربیع الثانی ۱۱۱۹ھ میں بہشت بریں روانہ ہوئے، بالاپور روضہ شریف میں قریب دیوار شرقی دفن کئے گئے۔نوراللہ مرقدہ۔آپ کی عمر چوالیس سال کی تھی۔مدت خلافت دوسال چوبیس دن ہے۔

(محبوب التواریخ:ج/۲ص/۷۹۴)

حضرت مولانا سید مبین اللہ بالا پوریؒ متوفی ۱۱۵۸ھ

نام ونسب: نام سید مبین اللہ، والد کا نام سید عنایت اللہ بالا پوری ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۸۵ھ میں بمقام بالا پور برار میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی نشوونما کے بعد والد ماجد کی خدمت میں تعلیم وتربیت پائی، ایام طفلگی میں آپ کے چہرہ سے بزرگی وسعادت کے آثار رونما تھے اور وحرکات وسکنات سے پارسائی وسیادت کے اطوار ہویدا تھے۔ آپ علوم باطنی کے اکتساب میں مشقت تامہ اور عبادت وریاضت میں محنت شاقہ فرماتے تھے۔ آپ زہدوتقویٰ میں فرید، درویشی وفقیری میں وحید (یکتا) تھے۔ والد ماجد کے مرید وخلیفہ ہوئے۔ اور برادر بزرگ سے بھی استفادہ کیا۔

دہلی کا سفر: برادر کلاں کے انتقال کے بعد ۱۱۱۹ھ میں دہلی کا سفر اختیار کیا۔ وہاں بارہ سال تک رہے، علماء ومشائخ کرام سے ملے۔ ہر ایک کی خدمت سے مستفید ہوئے۔ بالخصوص میاں محمد صدیق برادر حضرت خواجہ محمد نقشبند کی خدمت میں رہے، اوران کے فیض باطنی سے کامل حصہ پایا۔ دلی میں مشاہیر علماء ومشائخ اور صلحاء میں سے شمار کئے جاتے تھے۔ اکثر شاہزادے وامراء آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ شاہ عالم بہادر شاہ نے موضع سراڈھونڈ تعلقہ ملکاپور برار کی جاگیر بمد معاش عطا کیا تھا۔

قابل تقلید عمل: جب جہاندار شاہ وفرخ سیر میں مخالفت واقع ہوئی۔اور طرفین سے جنگ کا سامان مہیا ہوا تو جہاندار شاہ نے چار مشائخ کرام سے اعانت کی درخواست کی، تین مشائخ نے فتح کی بشارت دی۔ چہارم آپ تھے۔آپ سے بھی درخواست کی کہ آپ عین معرکہ میں فیل سوار کے ہمرکاب رہیں، تاکہ آپ کی حمایت وتوجہ سے کامیابی وفیروزی حاصل ہوجائے۔آپ نے فرمایا، یہ امر فقراء کی شان کے لائق نہیں ہے کہ جنگ میں شریک ہوں۔آپ جنگ کیجئے اور یہ دعا پڑھیے "اللھم یفصل بیننا و اللہ خیر الفاصلین"۔ ''عنایت الٰہی'' کے تکملہ میں مولوی خلیل اللہ لکھتے ہیں کہ جہاندار شاہ چار بزرگان کرام سے استعانت کی تین نے فتح کی بشارت دی، لیکن چہارم آپ خاموش تھے۔آپ سے جہاندار شاہ نے دریافت کیا کہ تین بزرگ کامیابی کی بشارت دیتے ہیں اور آپ کچھ نہیں فرماتے، آپ نے فرمایا کہ ان بزرگ کا باطن صاف ہے اور فقیر کا قلب زنگ آلود ہے۔ اس لئے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ جہاندار شاہ جواب سن کے خاموش ہوا۔آخر جہاندار شاہ مقتول اور فرخ سیر مظفر ومنصور ہوا۔فرخ سیر نے جلوس کے بعد حکم دیا کہ جو فقراء جہاندار شاہ کے طرفدار تھے ان کو حاضر کرو۔ چنانچہ شاہ قدرت اللہ شاہجہاں آبادی ماخوذ ہو کے مقتول ہوئے۔اور میر علی اکبر برہان پوری اور دوسرے ایک بزرگ فرار ہوگئے۔ چوتھے آپ دربار میں حاضر کئے گئے۔فرخ سیر نے آپ کے بارے میں کہا کہ میں آپ کے حال سے واقف ہوں، آپ نے کچھ نہیں کہا، دعا سے بھی تائید نہ کی، اسی وقت صدر الصدور کو حکم نافذ وصادر ہوا کہ آپ کو موضع سراڈھونڈ کی سند مطابق شاہ عالم بہادر شاہ کے دی جائے۔ اور انعام ومعاش

برابر جاری رکھا جائے۔آپ نے ۱۳۱۱ھ میں جدید سند حاصل کر کے وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی۔اوراعزہ واقارب سے ملے تمام آپ کی تشریف آوری سے خوش ہوئے اور خانقاہ کو رونق تازہ حاصل ہوئی۔

اخلاق وعادات: آپ قانع ومتوکل اور محتاط تھے۔صدق مقال واکل حلال اور پسندیدۂ خصال سے موصوف تھے۔تابہ زندگی عطیہ بادشاہی پر قانع رہے۔کسی سے ہدیہ وتحفہ قبول نہیں فرماتے تھے۔آپ نے عالم تجرید میں زندگی بسر کی۔ ہر چند کہ اعزہ واقارب شادی کے معاملہ میں اصرار کرتے رہے۔لیکن ہمیشہ عبادت وریاضت میں مصروف رہتے تھے۔عبادت خانہ میں دروازہ بند کر کے بیٹھتے تھے۔اہل دنیا سے بہت کم ملتے تھے۔مسجد میں جماعت تیار ہونے کے بعد حجرہ سے برآمد ہوتے تھے۔اورنماز سے فارغ ہوتے ہی فوراً حجرہ میں داخل ہوجاتے تھے۔کبھی کبھی تنہا پیادہ پا صحرا میں گشت کرتے تھے۔امراء کی دعوتوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔مگر اعزہ وفقراء کے گھر خوشی سے جاتے تھے۔اورفقراءوغرباء کے ساتھ ہمدردی اوران کی مساعدت فرماتے تھے۔

وفات: آخر مرض الموت میں مبتلا ہوئے،اس کے چند ہی روز بعد ماہ رمضان شروع ہوا۔آپ نے اعزہ واقارب کو بلایا اور ہر ایک سے معافی چاہی۔آخر شب پنجشنبہ ۲۴/ رمضان ۱۱۵۸ھ میں دارفنا سے عالم بقا کو روانہ ہوئے۔ والد ماجد کی قبر سے متصل بالاپور صوبہ مہاراشٹر میں دفن کئے گئے۔آپ کی عمر چھہتر سال کی تھی۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (محبوب التواریخ: ج/۲ ص/۹۳۱)

حضرت مولانا سید منیب اللہ بالا پوریؒ متوفی ۱۱۶۱ھ

نام ونسب: نام منیب اللہ، والد کا نام عنایت اللہ بالا پوری ہے۔آپ کی ولادت ۱۰۸۳ھ میں بالا پور علاقہ برار میں واقع ہوئی۔

تعلیم تربیت: آپ کی نشوونما بھی برار کی آب وہوا میں ہوئی، سن شعور میں حفاظ وقراء سے قرآن شریف ختم کیا۔اور عم بزرگوار سے علم قرأت کو سیکھا اور کتب ظاہری وباطنی والد ماجد اور علماء برہان پور علی الخصوص مولوی نجم الدین برہانپوری سے ختم کیا، اور فارغ التحصیل ہوئے، انہیں ایام میں حضرت خواجہ محمد نقشبند مجددی سرہندی بارادۂ زیارت حرمین شریفین بلدۂ مذکورہ برہانپور میں وارد ہوئے تھے۔

بیعت واجازت: آپ ہرروز خواجہ کے حلقہ توجہ میں شریک ہوتے تھے۔ خواجہ آپ کے والد ماجد کے لحاظ سے آپ کے حال پر نظر خاص فرماتے تھے۔ اگر کسی مانع کی وجہ سے آپ نہیں حاضر ہوتے تھے تو خواجہ آپ کو بلاتے تھے۔ اور حلقہ میں داخل فرماتے تھے۔ چنانچہ چند مدت کے بعد خواجہ شہر سے روانہ ہوئے۔ رخصت کے وقت آپ کو اپنا عمامہ وتاج مرحمت کیا۔ آپ خواجہ کے رخصت ہونے کے بعد بالا پور آئے اور والد ماجد کی خدمت میں خواجہ کی خصوصی عنایت ومرحمت کا حال بیان کیا۔ والد ماجد نے فرمایا کہ منیب اللہ آپ نے حضرت سے استفادہ کیا۔ اور خلافت کا خرقہ بھی لیا۔اس کے بعد خود بھی ان کو ارشاد وہدایت کی اجازت دی۔ چنانچہ آپ نے ہدایت وتلقین کا بازار گرم کیا۔

طالبین ومریدین کودرجہ کمال تک پہنچانے لگے۔

فضل وکمال: علوم ظاہری میں علامہ تھے،تحریر وتقریر میں بے نظیراور علوم باطنی میں آفتاب منیر(روشن)تھے،صاحب دل اورروشن ضمیر تھے۔اخلاق میں عدیم المثال گویا مجسم اخلاق تھے،ہمیشہ خنداں جبین وشگفتہ رور ہتے تھے۔خوشی وغمی آپ کے نزدیک باہم مساوی تھیں۔کبھی چیں بجبیں نہیں ہوتے تھے۔اور زمانہ کے انقلابات کی شکایت نہیں فرماتے تھے۔اورآپ معاد ومعاش کے معاملات میں ہرخاص وعام کے لئے دستورالعمل اوراسوۂ حسنہ تھے۔

نکاح: ایلچپور(اچل پورضلع امراوتی)اورعلاقہ برار(صوبہ مہاراشٹرو مدھیہ پردیس کے چند اضلاع کو برار کہا جاتا ہے،مثلاً امراوتی اور ناگپوروغیرہ) سے مکھن بی بنت شیخ عبدالقادرقادری کا خط آپ کے والد ماجد کے نام سے آیا،جس کا مضمون یہ تھا کہ یتیمہ سیدزادی رکھتی ہوں،اگرآپ اس کوفرزندی میں قبول کریں اورمولوی منیب اللہ سے منسوب کریں تو باعث اجرعظیم ہوگا۔اورآپ مطابق اس حدیث وآیت کے جویتامی کی تربیت میں واردہے،ماجورہوں گے۔ چنانچہ آپ کے والد ماجد نے اس امرکوقبول کیا،اورمشروط کیا کہ شادی شرعی طورسے ہونی چاہئے۔اورآپ کو ۱۳رصفربالاپور سے ایلچپور روانہ کیا۔اور ماہ مذکورمیں عقدبھی ہوا۔لوگ مانع ہوئے کہ یہ مہینہ منحوس ہے۔آپ نے فرمایاایام کی نحوست حضرتؐ کی بعثت کی برکت سے مدفوع ہوچکی ہے۔پھررابعہ ثانی نے آپ کے والد سے درخواست کی کہ منیب اللہ کوایلچپور میں سکونت کی اجازت دیجئے۔آپ کے والد نے منظورکیا۔اورآپ ایلچپور میں سکونت اختیار

کرلی۔آپ صاحب خوارق وکرامات تھے۔

سورۂ لہب کا اثر: قاضی سلیمان تورانی نے آپ کو بہت تنگ کیا تھا اور آپ کی معیشت کے ضبط کرنے کا مدعی تھا۔آپ نے مجبوراً ایک روز مشت خاک پر دم کر کے میر جعفر سیدزادہ کے حوالہ کیا کہ قاضی کے گھر پر ڈال دے۔اب میں قاضی کے ظلم کو برداشت نہیں کرسکتا۔میر جعفر رات کو گیا اور خاک قاضی کے گھر پر ڈال دی۔قاضی صبح دربار میں پہنچا تو نواب خان فیروز جنگ صوبہ دار سے بے ادبی سے کلام کیا،نواب نے غضبناک ہوکر حکم دیا کہ قاضی کو نکالو اور اس کا مال وجائداد تاراج کرو۔ملازمین نے قاضی کی خوب گوشمالی کی اور تمام گھر لوٹ لیا۔ آپ کے صاحبزادے شمس الدین ''غیاث الٰہی'' میں لکھتے ہیں کہ میں نے والد ماجد سے پوچھا کہ آپ نے خاک پر کیا دم کیا تھا۔آپ نے فرمایا سورۂ لہب۔

اخلاق وعادات: آپ کے مزاج میں بڑی احتیاط تھی۔ہمیشہ شرع کا پاس و ادب مدنظر رکھتے تھے۔آپ کو آخری عمر میں قرض کی ادائیگی کی بہت فکر تھی۔قرض زیادہ تھا اس کو آہستہ آہستہ ادا کرکے بہت خوش ہوئے،اور فرمایا الحمدللہ آج اللہ نے مجھ کو اس بلا سے نجات دی اور آئندہ جب بھی ضرورت پڑتی تو قرض نہیں لیتے تھے۔اور اگر ضرورت کے وقت کوئی قرض کی رائے دیتا تھا تو آپ فرماتے تھے، میں مدت کے بعد اس بارگراں سے سبکدوش ہوا ہوں۔اب اگر دوبارہ اس بلا میں مبتلا ہوں گا تو بڑی نادانی ہوگی۔اور اکثر یہ حدیث پڑھتے تھے۔

عن سلمة بن الاكوع قال　　سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ ہم سب

كنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیه وسلم اذ اتی بجنازة فقالوا صل علیها، فقال هل علیه دین قالوا لا فصلی علیها ثم اتی بجنازة اخری فقال هل علیه دین قیل نعم قال فهل ترک شیئا قالوا ثلٰثة دنانیر فصلّی علیها ثم اتی بالثالثة قال علیه دین قالوا ثلثة دنانیر قال هل ترک شیئا قالوا لا قال صلوا علی صاحبکم ثم قال ابو قتادة صل علیه یا رسول اللہ وعلیَّ دینه فصلّی علیه۔ (رواه البخاری)

رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس وقت جنازہ آیا، سب نے کہا حضرت اس پر نماز پڑھیے۔ پس آپ نے فرمایا کیا اس پر قرض ہے۔ سب نے کہا نہیں۔ حضرت ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پھر دوسرا جنازہ آیا پھر آپ نے کہا کیا اس پر قرض ہے۔ کہا گیا ہاں، فرمایا کیا کچھ مال چھوڑا ہے، سب نے کہا تین دینار، پس آپ نے نماز پڑھائی۔ پھر تیسرا جنازہ آیا پھر فرمایا کیا اس پر قرض ہے۔ سب نے کہا تین دینار، فرمایا کیا کچھ مال چھوڑا ہے، سب نے کہا نہیں، فرمایا تم نماز ادا کرو اپنے دوست پر۔ پس ابوقتادہ نے کہا حضرت آپ نماز ادا کیجئے اس کا قرض میں ادا کروں گا۔ اس کے بعد حضرت ﷺ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

آپ آخر عمر میں ایک سال بالاپور اور ایک سال اورنگ آباد میں گذارتے تھے۔ اس طرح پانچ سال تمام ہوئے۔ اور فرماتے عمر آخر ہوئی، چاہتا ہوں کہ بالاپور میں والد ماجد کے قرب میں رہوں اور وہاں کی خاک میں میری تدفین ہو۔

وفات: رحلت کے روز صبح کی نماز اور وظائف سے فارغ ہوئے اور ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اطباء ملاحظہ کے لئے آئے۔ اطباء سے مکالمہ کرتے کرتے حالت جلوس میں بہشت بریں کو روانہ ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۷/ذیقعدہ سنہ ۱۱۶۱ھ میں واقع ہوا۔ بالا پور کی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر ۸۷/سال کی تھی، اور حلیہ مبارک والد ماجد کے مشابہ تھا۔ مجمع فضائل گرامی سید میر غلام آزاد بلگرامی نے رحلت کی تاریخ کہی ؎

تاریخ سید عمدہ منیب اللہ   صدر آرائے محفل عرفان

سال تاریخ رحلتش ہاتف   گفت زین دار رفت قطب زمان

اور فقرہ ''متوجہ بہشت'' (۱۱۶۱) سے بھی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

(محبوب التواریخ: ج/۲ ص/۹۰۶)

حضرت مولانا سید ظہیر الدین بالا پوریؒ متوفی ۱۱۴۱ھ

نام ونسب: نام سید ظہیر الدین، والد کا نام مولانا سید محب اللہ بالا پوری ہے۔
ولادت: آپ کی ولادت ۱۱۰۵ھ میں ہوئی، لفظ ظہیر مادۂ تاریخ ہے۔ شیخ مظفر نقشبندی برہانپوریؒ نے ولادت سے پہلے آپ کے والد کو بشارت دی تھی کہ تجھ سے ایک فرزند جلیل القدر عظیم الشان پیدا ہوگا۔ اور جد امجد کو محبوب سبحانی قدس سرہ نے عالم رویا میں فرمایا تھا کہ تیرے فرزند سے ایک ایسا صاحبزادہ پیدا ہوگا جو میرے فرزندوں میں سے ایک ہوگا۔
فضل وکمال: آپ نے ابتدائی نشو ونما کے بعد دس برس کی عمر میں جد امجد کی خدمت میں قرآن مجید کو ختم کیا اور عم بزرگوار مولانا محمد سعید مرحوم سے فن قرأت حاصل کی۔ آپ ابتدائے عمر ہی سے تقویٰ پسند تھے۔ ایک روز آپ کے والد بالا پور کے قاضی میر سیف اللہ صاحبؒ کی خدمت میں استفادہ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جب ان کے آنے میں دیر ہوئی تو جد امجد نے آپ کو بھیجا، آپ خادم کو ہمراہ لے کر قاضی صاحب کے مکان گئے اور والد صاحب کو جد امجد کا پیغام پہنچایا۔ قاضی صاحب نے آپ کے لئے کھانا طلب کیا آپ نے فرمایا میں آپ کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ ہمارے دادا جان آپ کا بھیجا ہوا کھانا ہم کو نہیں دیتے، بلکہ خدام کو تقسیم فرما دیتے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا آج آپ ہمارے قابو میں ہیں ہم جبراً کھلائیں گے، آپ نے فرمایا مجبور ماخوذ نہیں ہوگا۔

قاضی صاحب نے شیرنی ہمراہ دے کر رخصت کیا۔ آپ کے والد نے جدامجد سے یہ واقعہ بیان کیا۔ جس کی جدامجد نے تعریف کی اور فرمایا کہ یہ سعادتمند ہمارے طریق پر ہوگا۔ اور خاندان کو روشن کرے گا۔ بعدازاں آپ کے والد فوت ہوگئے جب کہ اس وقت آپ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ اور جدامجد بھی فوت ہوچکے تھے۔ آپ کو مولوی منیب اللہؒ نے سجادہ نشین متعین کیا۔ آپ خانقاہ میں رہے۔ مولوی منیب اللہ صاحب ایلجپور (اچل پور) اور مولوی مبین اللہ صاحب دہلی چلے گئے۔ خانقاہ میں صرف تین بھائی صغیرالسن رہے مگر آپ کو بمقتضائے عمر کبوتر بازی کا شوق ہوگیا۔

پڑھنے کی طرف رغبت: ایک روز آپ کے جدامجد کے مرید داؤد خاں خانقاہ میں آئے، اس وقت آپ کبوتر بازی میں مشغول تھے۔ آپ کو بلا کر نصیحت کی اور افسوس کیا اور عرض کیا کہ یہ فعل آپ کی شان کے خلاف ہے، آپ بہت پشیمان ونادم ہوئے۔ اسی وقت کبوتر بازی سے توبہ کرلی اور تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا عبدالغنیؒ سے قرآن شریف حفظ کیا اور کتب درسیہ مولانا سے اور قاضی سیف اللہؒ سے ختم کی۔ اور عم بزرگوار کو حفظ قرآن وتکمیل کی خبر دی اور لکھا کہ آپ یہاں تشریف لائیے۔ ماہ مبارک میں قرآن شریف سماعت کیجئے۔ مولانا منیب اللہؒ ایلجپور (اچل پور) سے آئے اور تراویح میں شریک ہوئے۔ اور آپ کا قرآن سنا بہت خوش ہوئے، اور تحسین وتعریف کی، پھر آپ نے عم بزرگوار سے علم باطنی بھی حاصل کیا، مرید وخلیفہ ہوئے۔ فاضل علامہ وعالم فہامہ وعارف کامل ہوئے۔ آپ کے علم وفضل کی شہرت بلند ہوئی۔ آپ اسی زمانہ میں شیخ ابوالمظفر

مرحوم کی زیارت کے لئے برہانپور گئے۔اور شیخ کے دختر زادہ میر زین العابدینؒ کے مکان پر فروکش ہوئے۔اسی زمانہ قیام میں حسن اتفاق سے حضور آصف جاہ بھی شہر میں وارد ہوئے۔ ان سے ملاقات ہوئی اور مولانا سے دلی چلنے کی درخواست کی مگر انھوں نے منظور نہیں فرمایا، اس کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے۔اور مدینہ منورہ میں مولانا عبدالکریمؒ سے حدیث کی سند لی۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق شیخ زین العابدین یمنیؒ کی ملاقات کے لئے یمن تشریف لے گئے۔آپ شیخ کی خانقاہ میں فروکش ہوئے، اس وقت شیخ خانقاہ میں نہیں تھے۔اپنے باغ میں رونق افروز تھے۔آپ باغ کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں شیخ سے ملاقات ہوئی، شیخ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ السلام علیکم یا ظہیرالدین، آپ نے سلام کا جواب دے کر دریافت کیا کہ آپ کو میرا نام کیونکر معلوم ہوا۔فرمایا عالم رویا میں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بشارت دی کہ ولدی سید ظہیر آپ کی خدمت میں آتا ہے اس کو خرقہ عنایت کیجئے۔ میں آپ کا منتظر تھا۔چنانچہ شیخ نے آپ کو نقشبندیہ خلافت کا خرقہ عنایت کیا، پھر آپ یمن سے اپنے وطن مالوف آئے۔اعزہ واقارب سے ملے، سب آپ کی ملاقات سے خوش ہوئے۔خلائق جوق در جوق حاضر ہو کر مرید ہوتی تھی۔

آپ کے فضل وکمال پر مشائخ کی شہادت: چندروز کے بعد آپ نے برہانپور کا سفر کیا وہاں تمام مشائخ نے آپ کا اعزاز واحترام کیا۔چندروز کے بعد آپ نے ایلچپور سے وطن مالوف بالا پور میں مراجعت فرمائی اور سنہ ۱۱۴۹ھ میں دوبارہ حرمین شریفین کا عزم بالجزم کیا۔اس وقت مع عیال واطفال روانہ

ہوئے۔ اور آپ بخیر و عافیت مکہ معظّمہ میں پہنچے، حج و زیارت سے فارغ ہوکر یمن کی طرف روانہ ہوئے، رخصت کے وقت شیخ عماد الدین دہلویؒ (جو خارق عادت تھے) ملے دیکھتے ہی کہا سبحان اللہ! گویا یہ بزرگ شیخ زین الدینؒ ہے۔ آپ یمن میں پہنچے تو شیخ زین الدینؒ فوت ہو چکے تھے ان کے فرزند شاہ عبدالخالق یمنیؒ سے ملے۔شاہ صاحب نے ملاقات کے بعد کہا کہ والد مرحوم نے مجھ کو رحلت سے قبل فرمایا تھا کہ سید ظہیر الدینؒ میری رحلت کے بعد آئیں گے، سلام کے بعد یہ جبہ وکلاہ ان کو دے دینا جو حاضر ہے لیجئے۔آپ نے جبہ وکلاہ سر آنکھوں پر رکھا۔اور اپنے ہمراہ لے آئے۔جو بالا پور میں موجود ہے۔آپ یمن سے مع الخیر والعافیت اپنے وطن مالوف ہندوستان پہنچے۔

وفات کے وقت کی حالت: چندروز کے بعد بیمار ہوئے۔ ہمیشہ موت کی آرزو کرتے تھے اور فرماتے تھے "الموت [۱] خیر، یوصل الحبیب الی الحبیب" زندگی کو وبال جان سمجھتے تھے۔اسی حالت میں مرض بڑھتا گیا، جناب سید منیب اللہؒ نے اورنگ آباد بلایا۔آپ حسب طلب اورنگ آباد گئے۔اور معالجہ شروع ہوا۔آپ کا قارورہ دیکھ کر اطبا کہتے تھے کہ قارورہ میں حدت معلوم ہوتی ہے۔آپ مرض عشق الٰہی میں مبتلا ہیں، الغرض حکما واطبا کا معالجہ مفید نہیں ہوا۔ مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ آخر آپ نے حضرت منیب اللہ سے رخصت

۱؎ یہ مقولہ حبان ابن الاسودؒ کا ہے، اور موصوف کا دوسرا مقولہ "الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" بھی مشہور ہے، جس کو علامہ مناویؒ نے فیض القدیر میں "تحفة المومن الموت" حدیث کی شرح میں نقل کیا ہے۔(فیض القدیر: ج/۳ ص/۲۳۳)

کی درخواست کی اور کہا کہ آپ بھی اس آخر وقت میں میرے ہمراہ رہیں۔ آپ نے قبول کیا، سب اورنگ آباد سے بالاپور آئے۔ آپ نے زندگی میں تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت کی، اور کہا کہ قبر مسلمان کے ہاتھ سے کندہ کرانا، کفن جو زمزم میں تر کیا ہوا ہے دینا۔ اس کے بعد آخری وقت شب میں پوچھا کیا وقت ہے؟ حاضرین نے کہا صبح صادق کا وقت قریب ہے۔ آپ نے فرمایا اذان کہو مؤذن نے اذان شروع کی جب مؤذن نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا آپ جان بحق وواصل مطلق ہوئے۔ رحلت کا یہ واقعہ شب پنجشنبہ ۲۶/ جمادی الثانیہ سنہ ۱۱۴۱ھ میں واقع ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (محبوب التواریخ: ج/۱ ص/۴۸۱)

حضرت مولانا سید امام الدین بالا پوریؒ متوفی ۱۱۶۵ھ

نام ونسب: نام سید امام الدین، والد کا نام سید محب اللہ بالا پوری ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۱۱۰ھ میں مقام بالا پور علاقۂ برار میں ہوئی۔

حصول علم ظاہری وباطنی: نشوونما کے بعد آپ نے تسمیہ کی تقریب میں بسم اللہ واقرأ اجدامجد سے پڑھی۔ اور کتب درسیہ حضرت مولانا ظہیر الدین برادر بزرگ کی خدمت میں ختم کیں اور علم باطنی میں بھی بھائی سے استفادہ کیا۔ اور بھائی کے مرید وخلیفہ ہوئے۔ مولانا کے انتقال کے بعد عم بزرگوار سید منیب اللہ قدس سرہ سے طریقہ قادریہ وچشتیہ وسہروردیہ کی اجازت لی۔ تینوں طریق کے شجرات میں حضرت مولانا منیب اللہؒ کا نام اور نقشبندیہ طریقہ میں مولانا ظہیر الدینؒ کا نام لکھتے تھے۔ آپ عالم فاضل وعارف کامل تھے۔ دائرہ سیادت کے مرکز اور جمہور خلائق کے مرجع تھے۔ متشرع ومتقی صاحب الجود والکرم، سلیم الوضع وحلیم الطبع تھے۔ معدن حسنات وخیرات، مخزن فضائل وکمالات تھے۔

حضرت سید منیب اللہ نے آپ کو مولانا ظہیر الدین مرحوم کا جانشین کیا۔

خانقاہ کا حال: دونوں خانقاہیں آپ کی ذات بابرکات سے آباد ہوئیں اور طریقۂ نقشبندیہ کا چراغ آپ کی ہدایت کی بدولت علاقۂ برار میں روشن ہوا۔ طالبین ومریدین کثرت سے آنے لگے۔ آپ کی مشیخت وتعلیم وتربیت کی رونق دوچند ہوئی۔ اور اطراف واکناف میں شہرت ہوئی۔ آپ مہمان نواز وفقراء پرور

تھے۔ ہمیشہ آپ کی خانقاہ مسافرین سے آباد رہتی تھی۔ مسافرین کے کھانے کا اہتمام خود فرماتے تھے۔ اور سب کو کھلانے کے بعد آپ کھاتے تھے۔ ایک وقت ایسا اتفاق ہوا کہ خانقاہ مسافرین سے خالی تھی۔ آپ مہمانوں کے انتظار میں بیقرار تھے۔ تین روز تک کوئی مہمان وارد نہیں ہوا۔ سخت ملول ہوئے۔ آپ کے بھائی سید معصوم نے عرض کیا کہ بھائی جان کھانا تیار ہے، فرمایا کہ میں آج سخت مکدر ہوں۔ جب تک کوئی مہمان نہیں آئے گا نہیں کھاؤں گا۔ دور سے یکایک دو مسافر نظر آئے۔ آپ دیکھتے ہی خوش ہوئے۔ جب دونوں خانقاہ میں پہنچے تو آپ نے ان سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔

ف: یہ تھی سنت اطعام طعام کا اہتمام جو سنت ابراہیمی وسنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اللہ تعالیٰ یہ ذوق ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین (مرتب)

ممنوعات شرعیہ سے اجتناب: ایک وقت شاہ باجن برہانپوری کی اولاد میں سے ایک بزرگ مع چند اہل بدع بالا پور میں آئے۔ اور شاہ یٰسین نذر باری بھی ساتھ تھے۔ خانقاہ کی دیوار کے نیچے فروکش ہوئے۔ اور سماع کی مجلس کر کے شور وغل برپا کیا۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ فقیر کا گھر حاضر ہے۔ ممنوعات شرعی سے باز رہئے۔ اور خانقاہ میں تشریف لایئے، مشائخ مذکور نے قبول نہیں کیا۔ اور فرمایا ہم خانقاہ کی دیوار کے تحت میں رہیں گے آپ کے مریدین نے مشائخ کو جبراً خانقاہ کے قریب سے دور کیا۔ شاہ یٰسین کی ملاقات کے لئے ساکنان بالا پور جوق در جوق آتے تھے۔ شجاعت خان تعلقدار بھی ملاقات کے لئے آیا۔ برہانپور کے مشائخ نے واقعۂ شاہ یٰسین ان کی خدمت میں پیش کیا، تو سب حاضرین نے کہا قصور آپ کا

ہے۔شرع کا اتباع ہر ایک پر لازم ہے۔شاہ صاحب نے فرمایا میں نادم ہوں، صبح عفو تقصیر کے لئے خانقاہ میں آئے اور معذرت کی۔حضرت مولانا امام الدین نے فرمایا کہ میں نے اولاً آپ کو مطلع کیا مگر کسی نے نہیں سنا۔آپ محبوب سبحانی کی اولاد میں ہیں اور اہل اسلام کے پیشوا شمار کئے جاتے ہیں آپ کو ایسے امور منہیات سے اجتناب کرنا چاہئے۔خلائق جو آپ کی پیروی میں بدعات ومنہیات کے مرتکب ہوتی ہے قیامت کے دن ان کا وبال آپ پر پڑے گا۔اور آپ مواخذہ میں ماخوذ ہوں گے، زبانی عذر کافی نہیں ہے۔دل سے توبہ کیجئے، شاہ صاحب نے فرمایا آپ میرے لئے دعا کیجئے تا کہ میں ان منہیات سے اجتناب کروں، آپ نے دعا کی، مجلس برخاست ہونے کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں امام الدین کے سامنے اس طرح تھا جیسا کہ چراغ مشعل (بڑی روشنی) کے مقابلہ میں۔

مرض الموت: آخر آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، باوجود شدت مرض عبادت وریاضت میں سستی نہیں فرماتے تھے، مرض بڑھتا گیا، ایک روز شیر بیگ خان عیادت کے لئے حاضر ہوا۔آپ نے سید معصوم سے کہا، خان مذکور کو میرے فرزند کی جگہ سمجھو۔ اور خان صاحب سے کہا سید معصوم کو میرا قائم مقام جانو۔اور تجدیداً بیعت کرو اور اسی اثنا میں مرہٹوں کی آمد کی خبر گرم ہوئی، تو آپ کو خانقاہ سے شہر میں لے گئے۔

وفات: چنانچہ آپ وہاں روز دوشنبہ ۱۷/ذیقعدہ ۱۱۶۵ھ میں خلد بریں کو روانہ ہوئے۔نعش مبارک کو خانقاہ میں لایا گیا۔ تجہیز وتکفین کر کے بالاپور مہاراشٹر میں مولانا سید ظہیر الدین کی قبر کے مقابلہ میں دفن کیا گیا۔رحمہ اللہ تعالی ونور اللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج/۱ص/۶۵)

حضرت مولانا سید مجد الدین نقشبندی بالا پوریؒ متوفی ۱۱۹۸ھ

نام ونسب: نام سید مجد الدین، لقب شاہ محمد، والد کا نام سید محب اللہ ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۱۱۶ھ میں بالا پور برار میں ہوئی۔ اور جد امجد شاہ عنایت اللہؒ نے مولود کے کان میں اذان دی اور ایک خرما اپنے منہ میں چبا کر آپ کے منہ میں دیا اور خرقہ عنایت کیا۔

فضل وکمال: حضرت جد امجد کی برکت سے پیدائشی آپ کے چہرہ پر بزرگی ومشیخت کے آثار نمودار تھے۔ آپ ایک روز ایام شیر خوارگی میں والد کے آغوش میں تھے، حضرت نے اتفاقاً والد کے سر سے کلاہ مبارک اٹھا کے اپنے سر پر رکھ لی۔ اس وقت آپ کے والد نے فرمایا کہ معصوم نے اشارۂ غیبی سے ہم سے اپنی امانت لے لی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے کلاہ مبارک کو حضرت سے لے کر احتیاط سے رکھا۔ اور آپ کو ایام بلوغ کے وقت مرحمت کیا جو تبرکاً مولوی معصوم مثنیٰؒ کے زمانہ تک موجود تھی۔

ظاہری وباطنی علوم کی تحصیل: آپ نے نشوونما کے بعد برادر بزرگ مولوی ظہیر الدینؒ سے کتب درسیہ کی تعلیم تمام کی اور علم باطنی میں بھی مولانا سے فیض پایا۔ اور اپنے بھائی کے مرید وخلیفہ ہوئے اور وادعیہ ماثورہ وغیرہ کی سند واجازت بھی مولانا سے حاصل کی۔

زیارت حرمین: مولاناؒ ہی کے ہمراہ حرمین شریفین گئے، اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ حج وزیارت کے وقت آپ کی والدہ صاحبہ سخت بیمار تھیں۔

آپ نے والدہ صاحبہ کو اپنی پشت پر سوار کر کے ارکان حج وزیارت وطواف ادا کئے۔اور ناز کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ہر حاجی ایک حج ادا کرتا ہے اور میں دو حج کرتا ہوں ایک کعبہ سر پر اٹھا کے دوسرے کعبہ کا طواف کر کے۔آپ حرمین شریفین میں اکثر مشائخ کرام وشرفائے عظام سے فیضیاب ہوئے۔مجاورین حرمین آپ کی تعظیم کرتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! والدہ کی کیسی خدمت فرمائی،جس کا صلہ دنیا میں بھی ملا اور آخرت میں خوب ہی خوب ملے گا۔(مرتب)

اوصاف وکمالات: آپ فن سپاہ گری میں استاد تھے۔گھوڑے کی سواری میں چابک سوار اور تیر اندازی میں یگانہ روزگار تھے۔شمشیر بازی،وفن کشتی میں مشہور تھے۔اور فن بنوٹ کے بھی اصول وقواعد سے علماً وعملاً واقف وماہر تھے۔ باوجود تمام کمالات کے گوشہ نشین وقانع ومتوکل صابر وشاکر اور شاغل تھے۔آپ ۱۱۴۹ھ میں عم بزرگوار مولانا سید منیب اللہؒ کے مرید وخلیفہ ہوئے۔اور چاروں طرق نقشبندیہ وقادریہ وچشتیہ وسہروردیہ میں خلافت پائی۔مولانا نے عمامہ وقبائے خاص عطا فرمائی۔آپ فنا فی الشیخ تھے۔مرشد کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ آپ باوجود خلافت واجازت کے کسی کو مرید نہیں فرماتے تھے۔آپ کے بنی عم مولوی شمس الدینؒ نے اس بات کا اصرار کیا کہ چشمۂ فیض کو جاری کرنا چاہئے۔ آخر ۱۱۷۰ھ میں مولانا قمرالدین صاحبؒ اورنگ آباد سے بالاپور میں آئے،اور آپ سے فرمایا کہ پیری مریدی کا سلسلہ جاری کرو خلائق کو فیض نعمت سے محروم نہیں کرنا چاہئے۔آپ دونوں بنی اعمام کی ترغیب وتحریک سے ہدایت وارشاد کے

چشمہ کو جاری کیا۔ اور خلائق کے قلوب کو آب رحمت وفیض سے سیراب فرمایا۔ آپ کی گذر اوقات کا مدار توکل وقناعت تھا۔ مدت العمر آپ قناعت وتوکل کے میدان میں ثابت قدم رہے۔ کبھی آپ کے عزم واستقلال میں کوئی فرق نہیں واقع ہوئی۔

زیارت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف: ایک رات آپ نے عالم خواب میں رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دو قرص نان عنایت کئے۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے۔ اور اس خواب کی تعبیر کے منتظر تھے کہ غیب سے کیا کشایش ہوتی ہے۔ چند روز کے بعد دو گاؤں ایک موضع رسول پور پرگنہ نادورہ اور دوسرا موضع پلسی سرکار عالی نظام الملک آصف جاہ ثانی سے جاگیر التمغا مقرر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دو گاؤں ملنے کی حقیقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قرص نان کی تعبیر ہیں۔

وفات: جمعہ کے دن پانچوں وقت کی نمازیں بستر پر ہی ادا کیں، شب شنبہ تہجد کی نماز کا ارادہ کیا اور وضو کے لئے پانی مانگا۔ خادمین نے عرض کیا ابھی تہجد کا وقت نہیں ہوا۔ آپ نے اصرار کر کے پانی منگوایا۔ اور وضو کیا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے لا الٰہ الا اللہ کہہ کے جان بحق وواصل رب حق ہوئے۔ یہ واقعہ شب شنبہ ۲۶؍رجب ۱۱۹۸ھ میں واقع ہوا۔ مولوی شاہ امام الدینؒ کی قبر کے متصل بالاپور میں مدفون ہوئے۔ محمد انور سندھیؒ نے قبر کی تعمیر کی۔ مرحوم کی رحلت کی تاریخ مولانا فاضل علامہ میر غلام آزاد بلگرامی نے لکھی جو لوح مزار پر کندہ ہے۔

مات رکن المشائخ المعصوم　　خیر اولاد افضل الشفعا

قال آزاد عام رحلته　　مسکن الخلد زبدة العرفا

(محبوب التواریخ: ج؍۲ ص؍۹۳۷)

حضرت مولانا سید قمر الدین بالا پوریؒ متوفی ۱۱۹۳ھ

نام ونسب: نام سید قمر الدین، والد کا نام مولانا سید منیب اللہ ہے۔آپ کے اجداد سادات خجند سے تھے۔اولاً آپ کے اجداد میں سید مولانا ظہیر الدینؒ خجند (ایران) سے ہند میں آئے اور امن آباد لاہور میں متوطن ہوئے۔مولوی سید محمد نبیرۂ مولانا موصوف مع فرزند سید عنایت اللہؒ دکن میں آئے۔شاہ عنایت اللہ اولیاء کاملین میں سے تھے۔مولانا شیخ مظفر برہانپوری نقشبندیؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔شاہ صاحب نے بالا پور برار میں سکونت اختیار کی۔خلائق برار ودکن آپ کے فیضان نعمت سے فائز المرام ہوئی۔آخر آپ ۱۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔ان کے صاحبزادے مولانا منیب اللہ المتوفی ۱۱۶۱ھ والد ماجد کی یادگار اور جانشین تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۱۲۳ھ میں بالا پور میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: والد ماجد سے کتب متداولہ کی تعلیم حاصل کی، تکمیل کے لئے ۸/شوال ۱۱۵۵ھ میں اورنگ آباد سے دہلی روانہ ہوئے۔ ۲۷/ذی الحجہ ۱۱۵۵ھ میں دہلی پہنچے۔اور وہاں کے علماء کرام ومشائخ عظام کی صحبت سے مستفید ہوئے، اوائل صفر ۱۱۵۷ھ میں دہلی سے سرہند گئے۔وہاں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ وغیرہ بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوئے۔زیارت کے بعد لاہور پہنچے۔وہاں بھی علماء وعرفاء کی صحبت سے استفادہ کیا۔ماہ ربیع الآخر ۱۱۵۷ھ میں لاہور سے دہلی کے لئے مراجعت کی۔آپ نے دہلی میں تین برس گذارے، پھر ربیع الآخر

۱۱۵۸ھ میں دہلی سے وطن روانہ ہوئے۔ ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۵۸ھ میں بالا پور برار مع الخیر والعافیہ داخل ہوئے۔ اس کے بعد مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے ۲۷/شعبان ۱۱۷۴ھ کو جہاز پر سوار ہوکر ماہ ذوقعدہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔

مدینہ میں قیام: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے فارغ ہوئے، روضہ کے خدام نے آپ کو رات روضۂ مبارک میں آمدورفت کی اجازت دی۔ آپ اکثر روضہ کی جالی کے نزدیک قیام پذیر رہتے تھے، چنانچہ ایک وقت آپ نے روضہ کی جالی میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ خدام مانع ہوئے اور کہا جالی میں داخل ہونا بے ادبی ہے، دور سے زیارت کرنا حسن ادب ہے۔ اور آپ سے علماء کے اقوال نقل کئے، مگر مولانا نے ایسی تقریر دلپذیر فرمائی کہ خدام نے جالی میں جانے کی اجازت دیدی۔ آپ روضہ کی جالی میں گئے اور مرقد مبارک سے مشرف ہوئے۔ مدینہ کے علماء وشرفاء آپ کی خدمت میں آئے اور ہر ایک نے آپ کی مہمانداری کی۔ پھر آپ ۲۲/ذوقعدہ ۱۱۷۴ھ کو مدینہ سے مکہ معظّمہ روانہ ہوئے۔

مکہ معظّمہ میں قیام: ۴/ذوقعدہ کو مکہ پہنچے، حج وعمرہ ومناسک ومشاعر ادا کئے۔ مکہ کے شرفاء نے بھی آپ کی مہمان نوازی اعزاز واکرام کے ساتھ کی۔ شریفِ مکہ نے آپ سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ مگر آپ ہی نے سبقت کی اور ملاقات کی۔ اور شریف مکہ سے کہا، میں آپ سے ملا اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ آپ یہاں کے حاکم ہیں اور حاکم کی اطاعت ضروری ہے۔ نہیں تو آپ کو اس معاملہ میں سبقت کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ حدیث پاک ہے "القادم یزار" (یعنی آنے والے کی زیارت کی جاتی ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ سادات سے ہیں۔ اور

سادات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو نسبتیں ہیں۔ ایک خاص کہ سادات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بضعہ (قطعہ جسم مبارک) ہیں۔ دوسرے عام کہ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہیں۔ چنانچہ حضرت کے بضعہ کی تعظیم تمام امت پر واجب ہے۔اسی طرح سادات پر بھی واجب ہے، باہم بعض بعض کی تعظیم کریں۔اس لئے جو جز میرے بدن سے مثلاً ناخن وبال جدا ہوتے ہیں ان کو میں پاک مکان میں دفن کرتا ہوں۔اورآپ کی جزئیت کی عزت کرتا ہوں۔پس سید مکی نے تقریر سنی اور معذرت کی۔اورآپ کے مکان پر آیا،اورتحائف بھیجے۔اوردعوت کرنا چاہا مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔اور ۲۴/ذی الحجہ ۱۱۷۴ھ میں مکہ سے روانہ ہوئے اور جدہ میں آئے۔ اور ۱۱/محرم ۱۱۷۵ھ میں جدہ سے سوار ہوئے۔ اور ۲۶/صفر کو بحری جہاز سے بمبئی کے بھیونڈی بندرگاہ پر بخیر وعافیت اترے، وہاں ہی مولانا کے بال بچے تھے۔اس لئے آپ سب سے ملے بہت خوش وخرم ہوئے۔پھر مولانا بھیونڈی سے مع اہل وعیال اورنگ آباد روانہ ہوئے۔

درس وتدریس کا حال: آپ درس وتدریس میں مشغول ہوئے،آپ کے حلقۂ درس میں دکن کے شہر وقصبات کے طلبہ شامل تھے۔آپ کی تصانیف بھی بہت ہیں تفصیل کے لئے اصل کتاب کی مراجعت کی جائے۔جو اصل کتاب میں مذکور ہے۔

مشائخ کے جلسہ میں آپ کا اعزاز: ایک روز شاہ محمودؒ خلیفہ شاہ مسافر صاحبؒ تکیہ نے آپ کی دعوت کی۔ دعوت میں مشائخ کرام مثلاً حضرت شاہ غلام حسن قادریؒ،سلطان المشائخ شاہ فخر الدین ترمذیؒ،شاہ منجلے صاحبؒ خلیفہ شاہ نور صاحبؒ ومولوی مستان علیؒ وغیرہ تھے۔سب نے آپ کی تعظیم وتکریم کی اور

آپ کو درجۂ اعلیٰ میں مسند نشین کیا۔ اس مجلس میں ایک قاضی بغدادی بھی تھے انھوں نے بھی آپ سے ملاقات کی اور ان کی باتیں سنیں تو کہا کہ میں اکثر علماء ہند وعرب سے ملا ہوں مگر کسی عالم وفاضل کو ایسی لیاقت وفضیلت والا نہیں دیکھا۔ اس فاضل کی طلاقت لسانی (چرب زبانی) وسحر البیانی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ عربی الاصل ہیں۔ جامع ازہر یا بغداد میں علوم وفنون حاصل کیا ہوگا۔ حاضرین مجلس نے کہا یہ بزرگ ہندی ہیں۔ مگر انھوں نے تسلیم نہ کیا اور کہا **واللہ لا نسلم قولکم**۔ (یعنی ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے)۔

آپ باوجود فضائل وکمالات ہر ایک کے ساتھ تواضع وکسر نفسی سے ملتے تھے۔ کبھی اپنے علم وفضل کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ صاحب دل وعارف کامل تھے۔ مگر ہمیشہ اپنے کمالات کا اخفا کرتے تھے، مرید بہت کم کرتے تھے۔ ایک وقت حاجی بیگؒ نامی ایک بزرگ جعفر آباد سے آپ کی خدمت میں حسن نیت سے آئے اور عقیدتمندی ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا میں تم کو بیعت نہ کروں گا۔ طالب نے کہا میں آپ کے خاندان کا معتقد ہوں اور اسی خاندان میں مرید ہونا چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا آپ بالا پور جایئے، بھائی سید معصوم صاحبؒ سے بیعت ہو جایئے۔ طالب نے کہا، میں آپ کے دروازے سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا میں آپ کی زبردستی سے مجبور ہوں، آخر اس کو مرید کرلیا۔

وفات: آپ نے ۲ / ربیع الاول ۱۱۹۳ھ میں دار ناپائیدار سے دار البقا کو رحلت کی۔ آپ کی عمر تہتر سال کی تھی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (محبوب التواریخ: ج/۲ ص/۶۹۱)

اورنگ آباد مہاراشٹر میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ج/۶ ص/۳۰۱)

حضرت خواجہ وفا اورنگ آبادیؒ متوفی ۱۱۱۸ھ

نام ونسب وولادت: نام محمد صالح عرف وفا ہے۔آپ کی ولادت ونشوونما کشمیر میں ہوئی۔

فضل وکمال: حافظ قرآن وقاری تھے۔علم تجوید میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، کشمیر سے اکبرآباد میں آئے۔آپ کسی درویش کامل ومرشد وہادی کی جستجو میں تھے کہ حضرت امیر عبداللہ قدس سرہ جو عارف باللہ تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت نے آپ کو امام مسجد بنایا۔اور تعلیم وتلقین بھی شروع کی۔ آپ سایہ کی طرح پیر کی خدمت میں ملازم ومستعد رہتے تھے۔حضرت امیر جب دکن میں بطریق سیر وسیاحت آئے تو آپ بھی ہمرکاب رہے۔حضرت نے انتقال کے قریب امیر ابوالعلا قدس سرہ سے فرمایا کہ خواجہ وفا کی تعلیم سلوک ناتمام ہے آپ تمام کرادیں۔پس حضرت مرشد کے انتقال کے بعد حضرت خواجہ صاحب حضرت امیر ابوالعلا قدس سرہ کی خدمت میں مستفید ہونے لگے۔تھوڑی ہی مدت میں درجۂ کمال کو پہنچے۔حضرت نے آپ کو خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔اور اورنگ آباد دکن کے خلائق کی ہدایت وتعلیم کے لئے روانہ کیا۔

اورنگ آباد کا سفر: آپ حسب الحکم پیرومرشد اورنگ آباد دکن آئے، اور ہدایت ورہنمائی کا سلسلہ جاری فرمایا۔اہل دکن آپ کی خدمت سے مستفید ہونے لگے۔مدۃ العمر آپ اورنگ آباد ہی میں رہے۔آپ کی عمر تخمیناً سو برس

کے قریب تھی۔

آپ کے مشاغل: آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، شرع شریف کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے، علماء ومشائخ سے حسن سلوک فرماتے تھے۔ علماء ومشائخ بھی آپ کی بزرگی کو مانتے تھے۔ اوراد ووظائف سے فارغ ہوکے طلبہ کو قرآن شریف ورسائل تجوید پڑھاتے تھے، اور کتب تصوف بھی شائقین آپ کی خدمت میں پڑھتے تھے۔ آپ معرفت ووحدت کے نکات نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ طلبہ وشائقین آپ کے حسن تقریر سے محظوظ ہوتے تھے۔ جزاہم اللہ خیرالجزائ۔

وفات: آپ نے بتاریخ ۱۴/ربیع الاول ۱۱۱۸ھ میں دار دنیا سے دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اورنگ آباد میں مدفون ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج/۱ص/۳۱۰)

حضرت سید شاہ محمد ہدی رائے بریلویؒ متوفی ۱۱۱۹ھ

نام ونسب: نام سید محمد ہدیٰ، والد کا نام سید شاہ علم اللہ رائے بریلویؒ ہے۔ آپ نے اپنے والد صاحب سے علم فقہ حاصل کیا۔

فضل وکمال: سید شاہ محمد ہدیٰؒ ایثار وسخاوت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، اور اسی کے ساتھ زہد وعبادت اور سلوک وریاضت میں بھی بہت بلند مرتبہ کے مالک اور عجیب وغریب کمالات کے حامل تھے، مصنف ''سیرت علمیہ'' نے اعلام الہدیٰ کے حوالہ سے ان کے جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر اولیائے متقدمین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے: **مثل امتی مثل المطر لایدری اوله خیر ام آخره۔ رواہ الترمذی** (مشکوٰۃ: ص ر ۵۸۳)

''اس امت کی مثال اس بارش کی طرح ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا پہلا حصہ برکت کا ہے یا آخر کا''۔

ان کی سیرت میں سیدنا زین العابدینؒ کی اس شان کی جلوہ ریزی تھی جس کے متعلق فرزدق نے یہ مشہور شعر کہا ہے۔

ما قال لا قط الا فی تشهده لولا التشهد لكانت لاؤه نعم

ترجمہ: انھوں نے تشہد کے علاوہ کسی اور جگہ لا نہیں کہا اگر تشہد نہ ہوتا تو شاید وہ یہاں بھی نعم ہی کہتے۔

ف: یعنی مطلب یہ ہے کہ تشہد یعنی اشھد ان لاالٰہ الاﷲ میں چونکہ لا کہنا ضروری ہے، تو کہنا ناگزیر ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں بھی لا کی جگہ کلمہ نعم ہی فرماتے۔(مرتب)

قناعت وشجاعت: مصنف ''نزہۃ الخواطر'' نے جو عموماً جچے تلے الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہیں اور زیادہ القاب وغیرہ لکھنے سے پرہیز کرتے ہیں ان کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

(لم یکن فی زمننا مثلہ فی الاعطاء والکرم) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ، ان کے جیسا کوئی عطاوکرم میں ہمارے زمانہ میں نہیں ہے۔

''سیر علمیہ'' کے مصنف مولانا حکیم سید فخر الدینؒ ''اعلام الہدیٰ'' مؤلفہ سید محمد نعمانؒ کے حوالہ سے ان کے دادودہش اور جودوسخا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''نہیں کہنا'' جانتے ہی نہ تھے، دادوعطا کے وقت ان کو اس کا خیال ہی نہ رہتا تھا کہ سیکڑوں دے رہے ہیں، یا ہزاروں، اس کی فکر کبھی دامنگیر نہیں ہوتی تھی کہ اس قدر بذل وعطا اور مسلسل جودوسخا کے بعد گزراوقات کیسے ہوگی اور ضروریات کیسے فراہم ہوں گی، ان کی شان ''یوثرون علی انفسہم ولوکان بہم خصاصۃ'' کے مطابق تھی۔

مولانا سید نعمان جو مولانا سید محمد ہدیٰ کے پوتے اور خود ایک عالم ربانی اور صاحب نسبت شخص تھے، شہادت دیتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوا کہ کئی کئی فاقوں کے بعد کوئی چیز میسر آئی اور اسی وقت کوئی سائل یا صاحب حاجت آگیا تو وہ چیز اس کے حوالے کردی۔ یہاں تک ہوتا کہ کوئی حاجتمند سائل آتا اور اس وقت کوئی چیز دینے کو نہ ہوتا تو گھر تشریف لے جاتے اور اپنی اہلیہ محترمہ کا کوئی زیور سائل کو عطا

فرما دیتے، آپ کا یہ حال تھا کہ سونے چاندی یا سونے چاندی کے سامان تک کو ہاتھ لگانا پسند نہ فرماتے تھے۔

یہ حال کسی مجبوری یا غربت وافلاس کی وجہ سے نہ تھا، کئی جگہ جاگیریں تھیں، بڑے صاحبزادہ سرکار اعظم شاہ میں ایک اچھے منصب پر فائز تھے، خود بادشاہ کے لشکر میں ملازم تھے اور اس کا مشاہرہ ملتا تھا، اس کے علاوہ اپنے والد ماجد کے مخلصین واہل تعلق کی طرف سے ہدایا بھی آتے تھے لیکن دل کا معاملہ کچھ اور ہی تھا اور اس کی وجہ سے ساری جاگیر ودولت ان کے حق میں بچوں کے کھیل، یا ہاتھ کے میل سے زیادہ بے وقعت اور کم قیمت ہوگئی تھی اور اتنی وافر آمدنی کے باوجود ہزاروں روپیہ کا قرض ہوجاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک جاگیر سے بارہ ہزار دینار (سکہ عالمگیری) آئے اسی مجلس میں سب تقسیم فرما دیئے اور دامن جھاڑ کر اٹھ گئے اور رات فاقہ سے گزار دی، صاحب اعلام الہدیٰ ان کی اس شان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

درویش سیرت در لباس اہل دنیا	اہل دنیا کے لباس میں درویش سیرت
وقلندر سیرت درصورت اغنیاء وکامل	اور امراء واغنیاء کے لباس میں قلندر
عامل آیہ "لن تنالوا البر حتی	صفت "لن تنال البر حتی تنفقوا
تنفقوا مما تحبون" بود ولیل	مما تحبون" پر پوری طرح عامل،
ونہار کار ایشاں ایثار لوجہ اللہ الغفار	شب وروز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے
بود۔	سخاوت وایثار سے موصوف تھے۔

ان کے ایثار وسخاوت بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں قربانی ومجاہدہ یا جذب وحال

کے واقعات ایسے محیر العقول اور اس زمانہ کے معیار سے اس قدر بلند اور اس کے مزاج سے اتنے بعید ہیں کہ ان پر شاعری اور مبالغہ آرائی کا شبہہ ہونے لگتا ہے، لیکن یہ واقعات اس شخص کے قلم سے ہیں جس کی عدالت شبہہ سے بالاتر اور جس کا علمی وروحانی مرتبہ اور روحانیت اور للّٰہیت ناقابل تردید ہے، اور جس کے تذکرہ کے لئے خود ایک علیحدہ باب کی ضرورت ہے، ذیل میں اس سلسلہ کے صرف چند واقعات قلمبند کئے جاتے ہیں کہ اس سے زیادہ کی نہ ہم کو ضرورت ہے نہ ہمت۔

ایک مرتبہ لشکر میں سخت قحط پڑا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے اپنے کو فروخت کرنا شروع کر دیا، سید محمد ہدیٰ نے ان میں سے تین آدمیوں کو خرید لیا اور جب تک قحط رہا ان کو کھلاتے پلاتے رہے، قحط ختم ہوا تو ان سب کو آزاد کر دیا۔

لشکر ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ تین فاقے ہو چکے تھے خادم داؤد کسی جگہ سے سو روپیہ کا انتظام کر کے لائے اور مصلحتً اس کو چار جگہ چھپا دیا، تھوڑی دیر میں ایک سائل آیا، خادم سے دریافت حال فرمایا کہ کوئی چیز ہے، انھوں نے جواب دیا نہیں (گفتند بر پائے من دست بگذار) مجبوراً پچیس روپیہ ایک جگہ سے لاکر پیش کئے، سب اس سائل کو عنایت فرما دئے، اسی طرح متواتر کئی سائل آئے اور سب روپیہ ختم ہو گیا آخر فاقے کی نوبت آگئی، صبح کو داؤد سے کچھ کام کے لئے کہا، انھوں نے جواب دیا کہ بھوک کی وجہ سے قوت بالکل ختم ہو چکی ہے، فرمایا اے نامرد چار فاقہ میں ہمت چھوڑ دی اس کے بعد فرمایا کہ مجھے غرباء کی

دعوت کرنی ہے اس کا انتظام کرو، چنانچہ ایک جگہ سے ایک ہزار چار سو روپیہ کی مالیت کا سونا قرض لیا اور اس کو فروخت کر کے دعوت کا انتظام کیا اور لوگوں کو صلائے عام دے دی اور خود اس وقت بھی فاقہ سے گزارا۔

سخاوت و داد و دہش کا یہ شوق یا جذب و حال اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ناممکن تھا کہ کوئی شخص ان سے ملے یا ان کے پاس سے بلا دعوت یا عطیہ کے خالی ہاتھ گذر جائے، ایک مرتبہ ان کے مکان کے پاس ایک بارات ٹھہری، پوری بارات کو مہمانی میں لے لیا اور اس کے مصارف برداشت کئے۔

جاگیر کے دو تین گاؤں گھر والوں کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دیئے تھے اور دو تین عزیز و اقارب و اہل محلہ کے لئے، باقی خود اپنے مصارف میں لاتے لیکن یہ مصارف صرف یہی تھے جو ابھی گزرا ہے۔

زہد و تقویٰ: شجاعت و سخاوت کے ان اوصاف و کمالات کے ساتھ تعلق مع اللہ، انابت اور زہد و تقویٰ کی وہ دولت حاصل تھی جو اس قسم کے سارے اعمال کی جان ہے، اور جس کے بغیر بڑے سے بڑا کمال بے قیمت اور بڑی سے بڑی ریاضت و نفس کشی ناقابل اعتماد ہے، ان کی چچی (والدہ سید محمد ممتازؒ) بیان کرتی ہیں کہ کم عمری ہی سے نصف شب کے بعد بیدار ہو جاتے تھے اور نماز تہجد کے بعد قرآن کی تلاوت فرماتے،

دوسرے مشائخ کی طرح طلوع صبح تک اور عصر و مغرب کے درمیان مراقبہ کا معمول تھا اور اس دستور میں شاذ و نادر ہی فرق آتا تھا۔

اکثر اوقات کو تلاوت سے معمور رکھتے ایک ہفتہ میں آسانی کے ساتھ

قرآن مجید ختم کر لینے کا معمول تھا۔

بیعت کی عام اجازت نہ تھی، بہت مشکل سے بیعت کرتے تھے اور صرف طلب صادق رکھنے والوں ہی کو طریقت کی تعلیم فرماتے اور وہ بھی اخفاء وخاموشی کے ساتھ۔

ف: مگر افسوس اب بہت سے نو آموز پیر اس کے برخلاف طریق اختیار کر کے سلوک وتصوف کو بدنام کر رہے ہیں۔ (مرتب)

دنیا سے بے رغبتی: زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ حال تھا کہ سارے وسائل واسباب کے باوجود پختہ مکان بھی نہ بنایا، جب کسی نے اس کی ترغیب دی تو ارشاد فرمایا کہ دنیا کی چند سانسیں ہیں چھپر میں گزر گئیں یا حویلی میں، دنیا کی ناپائدار تعمیر میں کچھ صرف کرنا اس کو ضائع کرنا ہے، ہوشیار آدمی کو چاہئے کہ اپنا روپیہ آخرت کی پائدار عمارت کی تعمیر میں لگائے، کچا مکان بنایا اور جنگل کی لکڑیوں اور پتیوں کا چھپر ڈال لیا اور عمدہ عمارتی لکڑی تک سے پرہیز کیا۔ مولانا حکیم سید فخر الدینؒ مصنف ''سیرت علمیہ'' ومہر جہاں تاب نے ان کی زندگی کے اس عجیب رنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے خوب لکھا ہے اور ان کی صحیح تصویر کھینچ دی ہے۔

نان ایں جہاں خوردند وکار عقبی ساختند درلباس دنیا کار فقراء کردند وہرچہ از دنیا یافتند بکار آخرت باختند۔	اس جہان کی روٹی کھائی اور آخرت کا کام بنایا، لباس دنیا میں فقراء کا کام کیا، جو کچھ دنیا سے پایا آخرت پر لگایا۔

نسبت باطنی اور یادداشت میں ملکہ قوی حاصل تھا، اوراد ماثورہ، نوافل اور ذکر وشغل کا پورا التزام واہتمام تھا، اور روپئے کی ریل پیل، آمد وخرچ اور ضیافت ومہمان نوازی اور ہمدردی وغمگساری کے کاموں اور مشغولیتوں کی وجہ سے اس کے حصہ میں کوئی کمی نہ تھی۔

کرامت: صاحب ''اعلام الہدیٰ'' نے اپنی کتاب میں ان کے خوارق وکرامات کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ان کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ ان کی دنیا ان کے دین کا زینہ اور ان کی نجات کا سفینہ بن گئی اور وہ اس بحر زخار میں رہ کر بھی تر دامن نہ ہوئے، لشکر شاہی کا مشاہرہ گاؤں اور جاگیریں، اس فارغ البالی اور خوشحالی کے عہد میں کچھ معمولی بات نہ تھی، لیکن گذشتہ صفحات اس پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس بندے نے اس ساری دولت کو ہمیشہ دوسروں پر صرف کیا اور اپنے لئے فقر وفاقہ اور سلوک ومجاہدہ کی راہ پسند کی، اور دم واپسیں تک اس جادۂ استقامت پر قائم رہے۔

وفات: شاہ گردی کے زمانہ میں وطن میں قیام رہا، جب سلطنت کو استقرار نصیب ہوا تو لشکر شاہی تشریف لے گئے اور اپنے فرزند سید محمد سناؒ اور برادرزادہ سید محمد باقیؒ کو بھی اپنی معیت میں رکھا، باشاہ کا کوچ حیدرآباد کی طرف ہوا، سید محمد ہدیؒ راستہ میں برہان پور کے قریب بیمار ہوئے، سید محمد سناؒ فرماتے ہیں کہ ۱۹/ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو استحضار کی کیفیت ہوئی، پالکی اسی وقت راستہ کے ایک کنارے پر رکھ دی گئی اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون برہان پور میں ایک نقشبندی شیخ کی خانقاہ میں تدفین عمل میں آئی اور ایک

سال تک وہیں مدفون رہے، میں (صاحب کتاب) لشکر کے ساتھ حیدرآباد چلا گیا، ایک سال کے بعد بعض اعزہ وطن سے آئے اور تابوت لے کر برہان پور سے وطن روانہ ہوئے۔ ہم لوگ خیریت وسلامتی کے ساتھ وطن پہنچے اور پہلے نصیرآباد میں قیام کیا۔

کرامت: سید محمد نور (فرزند سید محمد ہدیٰؒ) کا بیان ہے کہ ایک سال گزر جانے کے بعد بھی لاش ایسی تھی جیسے آج انتقال فرمایا ہو۔ وہاں سے تابوت رائے بریلی لایا گیا اور قلعہ میں سید محمدؒ کی خانقاہ میں ایک شب گزار کر صبح دائرہ میں تدفین عمل میں آئی، آپ مسجد کے شمالی دروازہ کے بالکل سامنے چبوترہ پر مدفون ہیں، جو مشرق سے مغرب تک مستطیل ہے اور کنویں سے متصل ہے۔

سید محمد ہدیٰؒ نے دو لائق فرزند یادگار چھوڑے، سید محمد نورؒ اور سید محمد سناؒ۔

(تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ رائے بریلویؒ::ص؍۱۴۴)

حضرت ولی احمد آبادیؒ متوفی ۱۱۱۹ھ

نام ونسب مع ولادت: آپ کا نام ولی الدین، حاجی ولی، ولی محمد یا ولی اللہ تھا۔اور بعض اصحاب کے نزدیک آپ کا نام شمس الدین، شمس الحق، شمس مولا تھا۔ بہرحال اس پر سب متفق ہیں کہ آپ کا تخلص ولی تھا۔اور اسی سے مشہور ہیں۔

ولادت: آپ بمقام اورنگ آباد دکن میں ۱۰۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔

فضل وکمال: مولانا آزاد لکھتے ہیں: آپ گجرات کے رہنے والے تھے اور شاہ وجیہہ الدین کے مشہور خاندان میں سے تھے۔اپنے وطن سے ابوالمعالیؒ کے ساتھ دہلی آئے، جہاں سعد اللہ گلشنؒ سے شعر وسخن کی تعلیم حاصل کی۔آپ کا ابتدائی زمانہ شاید عالمگیر کا آخری زمانہ تھا۔آپ اپنے دیوان کے ہمراہ محمد شاہ کے حکمراں بننے کے دوسرے سال دلی پہنچے۔آپ صوفی شاعر تھے۔آپ کے اشعار میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔

آپ کو فارسی زبان میں کامل استعداد اور عبور حاصل تھا۔فارسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اردو ادب کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔یہاں تک کہ آپ ہی کی وجہ سے ہند کی شاعری، نظم فارسی کے مدمقابل بن سکی۔آپ ہی فارسی کی تمام بحریں اردو میں لائے، آپ ہی نے شعر کو غزل اور غزل کو قافیہ وردیف سے سجایا۔ اور ساتھ ہی رباعی، قطعہ، مخمس اور مثنوی کا طریقہ ایجاد کیا۔آپ کو

ہندوستان کی شاعری میں وہی مقام حاصل تھا جو چاسر کو انگریزی شاعری، رودکو فارسی شاعری اور مہلہل کو عربی شاعری میں حاصل تھا۔

آپ کی شاعری اور انشاء پردازی کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ آپ نے ایک زبان کو دوسری زبان سے ایسا جوڑ لگایا ہے کہ آج تک زمانہ کی کئی کروٹیں بدلنے کے باوجود اس میں جنبش نہیں آئی۔

نور معرفت: آپ نے نور معرفت کے نام سے تصوف میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ میں نورالدین محمد صدیقی سہروردیؒ کے مریدوں کا خاک پا ہوں۔ اور شیخ سعداللہ کا شاگرد ہوں۔

ولی شاعر نے دلی کا سفر کیا اور وہاں کے مشاعروں میں اپنا کلام سنا کر وہاں کے شعراء کو اتنا متأثر کیا کہ وہ اردو میں لکھنے کی طرف مائل ہو گئے۔ اس وقت تک وہاں یہ زبان صرف عامی سمجھی جاتی تھی، اور علمی و ادبی محفلوں میں اس کو جگہ نہیں مل سکی تھی۔ ولی کی شخصیت اور ان کے دیوان کی مقبولیت کا یہ اثر ہوا کہ شعرائے دلی نے فارسی کے بجائے اردو میں طبع آزمائی شروع کر دی۔ حاتم، مظہر، آبرو، ناجی اور فغاں وہ شعرائے دہلی ہیں جنھوں نے ولی کا کلام خود ان کی زبان سے سنا۔ اور اپنے کلام کے لئے وہی محاورہ اور زبان اختیار کی جو ولی نے استعمال کی تھی۔

ولی کی تعلیم احمد آباد میں شاہ وجیہہ الدینؒ کی خانقاہ کے مدرسے میں ہوئی، آپ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل　　　شمشیر ہجر سوں جو ہوا ہے فگار دل

میرے سینے میں آ کے چمن دیکھ عشق کا　　ہے جوش خون سوں تن میں میرے لالہ زار دل
ہجرت سے دوستاں کے ہوا جی میرا گداز　　عشرت کے پیرہن کو کیا تار تار دل

منتخب از کلیات ولی

حمد و نعت و منقبت و موعظت

لے زباں پر تو اول اول　　نام پاک خدائے عز و جل
لائق حمد نہیں ہے اس بن　　اس پر متفق ہیں اہل ملل
یاد اس کی ہے سب پر لازم　　شکر اس کا ہے مدعائے مکمل
آسمان اور زمین کے سب ساکن　　یاد کرتے ہیں اس کو ہر پل پل
شکر اس کا محیط اعظم ہے　　وہ ہے سلطان بارگاہ ازل
اس سے بہتر اگر شناور ہوں　　روز محشر تلک سکوں نہ مکمل
بعد حمد خدائے بے ہمتا　　یاد کر نعت سید مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں　　دو جہاں مثل دانہ خردل
اس کی مجلس میں آ ہوا ہے کھڑا　　صف آخر میں جوہر اول
گر ہو وہ آفتاب کرم عتاب　　آسماں جائیں مثل موم پگھل
دیکھ اس کے جلال وعظمت کوں　　بادشاہاں کا دنگ ہے دنگل
گر کرے بحر پر غضب کی نظر　　ماہیاں جائیں جل کے بہیتر جل
اس فصاحت اگے دسے مجکوں　　نطق سحباں عبارت مہمل
کاملاں سوں سنا ہو یہ نکتہ　　عشق اس کا ہے ہادی اکمل
نام اس کا ہے حرز ہر مومن　　یاد اس کی ہے دافع کلول

دیکھ اس زلف ومکھ کوں بے جا ہے بحر اور بر میں عنبر وصندل
بعد اس آفتاب انور کے چار ہیں اہل علم واہل عمل
صاحب صدق وعدل وعلم وحیا ایک سوں ایک اکمل وافضل
ان کو اصحاب میں سباقت ہے دین کو جو کئے قبول اول
میں دجے وہ کہ دین کے بل سوں کفر کے دست وپا کون کینے شل
ہیں تجھے وہ کہ جن کے لوہو سوں رنگ پکڑا کلام عز وجل

کلیات ولی سے دوسرے اشعار ملاحظہ ہوں۔

الٰہی رکھ مجھے تو خاک پا اہل معانی کا
کہ کھلتا ہے اسی صحبت سے نسخہ نکتہ دانی کا
نہیں سنتا کوئی احوال میری دل فگاری کا
کہوں کس سوں گریباں چاک کر دکھ بیقراری کا
ہر ذرہ اس کی چشم میں لبریز نور ہے
دیکھا ہے جس نے حسن تجلی بہار کا
طاقت نہیں کسی کوں جو یک حرف سن سکے
احوال گر کہوں میں دل بیقرار کا
نہ پاوے دین کی لذت جسے دنیا کی ہے خواہش
قفل ہے لذت دنیا حقیقت کے خزانے کا
حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا صورت انساں میں آ

وفات: ڈاکٹر عبدالحق کی تحقیق کی رو سے آپ کی وفات ۱۷۰۷ء مطابق ۱۱۱۹ھ میں بوقت عصر ہوئی۔ اور احمد آباد گجرات میں مدفون ہوئے۔ جب کہ آپ کا سن وفات عام طور پر ۱۷۴۲ء مطابق ۱۱۵۵ھ مشہور ہے۔ نور اللہ مرقدہ

ان کا یہ فیصلہ دیوان ولی کے ایک قلمی نسخہ واقع کتب خانہ جامع مسجد بمبئی کے مطالعہ پر مبنی ہے، جس پر یہ قطعہ درج ہے ؎

مطلع دیوان عشق سید ارباب دل — والی ملک سخن صاحب عرفان

سال وفاتش خرد از سر ایہام گفت — باد پناہ ولی ساقی کوثر علی

(مشائخ احمد آباد: ج/۲ ص/۴۱۰)

حضرت قاضی ملا محب اللہ صاحب بہاریؒ متوفی سنہ ۱۱۱۹ھ

(صاحب سلم العلوم)

نام ونسب وولادت: نام محب اللہ، والد کا نام عبدالشکور، مولانا آزاد نے ''سبحۃ المرجان'' میں لکھا ہے کہ صوبہ بہار میں ''کڑا'' نامی گاؤں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کا تعلق بہار کی ایک شریف قوم ''ملک'' سے تھا، جس کی اس زمانہ میں بھی صوبہ میں معقول تعداد ہے۔ دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے مسلمانوں میں ایک امتیاز رکھتی ہے۔ نہ صرف قدیم بلکہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کا ایک بڑا طبقہ اس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ (ظفر المحصلین: ص/۴۲۹)

تعلیم وتربیت: عنفوان شباب میں دیار پورب کی سیاحت کی اور جا بجا چیدہ چیدہ حضرات سے ابتدائی تعلیم اور درجات وسطیٰ کی کتابیں پڑھیں۔ آخر میں سید قطب الدین شمس آبادی کی خدمت میں پہنچے اور اس قطب والا درجات کی رہنمائی سے درجات تکمیل طے کئے، زیور فضائل سے آراستہ ہو کر دکن کی جانب سفر کیا۔

منصب قضا: اور بارگاہ خلد مکاں (عالمگیر بادشاہ) میں باریاب ہو کر لکھنؤ کے منصب قضا پر فائز ہوئے۔ تھوڑے دنوں بعد اس منصب سے معزول ہو کر دوبارہ دکن کا رخ کیا۔ اور حیدرآباد کے منصب قضا کی خدمت پر مامور اور سرفراز ہوئے۔ لیکن کسی خاص سبب سے معتوب ہو کر یہاں سے بھی معزول ہو گئے۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی: ج/۱ص/۴۰۶)

منصب صدر ہند: قاضی محب اللہ بہاریؒ سلطان کے پوتے رفیع القدر بن محمد معظم معروف بہ شاہ عالم کے اتالیق مقرر ہوئے، اور قاضی صاحب نے صاحبزادہ موصوف کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔شہنشاہ عالمگیرؒ نے اپنی زندگی کے آخر دور میں شاہزادہ محمد معظم کو کابل کا حاکم بنایا۔شاہزادہ دکن سے کابل روانہ ہوا۔قاضی محب اللہ بہاریؒ شاہزادہ کے اتالیق تھے،اس لئے انہیں بھی شاہزادہ کے ساتھ کابل جانا پڑا۔عالمگیرؒ کی وفات کے بعد شاہزادہ محمد معظم پورے ہندوستان کا حاکم تھا، وہ اکبر آباد پہنچا، قاضی صاحب بھی ساتھ تھے، سلطان محمد معظم شاہ عالم نے ان کی انتہائی قدر کی، اور پورے ملک کے لئے صدر کے عہدہ پر بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ بٹھایا۔اور ۱۷۰۷ء میں فاضل خاں کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔(تذکرہ علماء بہار: ۲۵۰)

تصانیف: صاحب ''حدائق حنفیہ'' نے آپ کی تصانیف کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

آپ علوم کے بحر زخار، فقیہ، اصولی، منطقی، حاوی فروع واصول، نتیجۃ السلف اور حجۃ الخلف تھے۔آپ نے اوائل کتب درسیہ کومختلف مقامات سے حاصل کیا جس کی وجہ سے بحر علوم اور بدر بین النجوم ہوکر دکن تشریف لے گئے۔

آپ کی تصانیف میں سلم العلوم علم منطق میں، مسلم الثبوت اصول فقہ میں،اورالجوہر الفرد علم حکمت میں نہایت معقول ہے۔

وفات: ۱۱۱۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔''شیخ دہر'' تاریخ وفات ہے۔انا اللہ وانا الیہ راجعون۔(حدائق حنفیہ:ص/۴۵۰)اوراحاطہ مزار شاہ فریدالدین طویلہ بخش محلہ چاند پورہ بہارشریف میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ(تذکرہ علماء بہار)

حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ سرہندیؒ متوفی ۱۱۲۰ھ

نام ونسب: نام محمد صبغۃ اللہ، والد کا نام خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتے ہیں۔ آپ کا نام محمد صبغۃ اللہ آپ کے دادا ہی نے منتخب فرمایا، اس لئے کہ آپ سے للّٰہیت کی بو بچپن ہی سے ظاہر ہو رہی تھی جیسا کہ مجدد صاحبؒ نے خود فرمایا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۰۳۲ھ میں بمقام سرہند ہوئی۔

فضل وکمال: نقل ہے کہ صغر سنی میں ایک مرتبہ آپ ایسے علیل ہو گئے کہ امید حیات باقی نہ رہی۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا کچھ فکر نہ کرو اس لڑکے کی بہت عمر ہوگی اور بڑا صاحب کمال وارشاد ہوگا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ایک پیر معمر عصا ہاتھ میں لئے کھڑا ہے۔ اور بڑی خلق اس کے گرد حلقہ باندھے استفادہ کے واسطے کھڑی ہے۔ الحق کہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کی عمر نوے سال کی ہوئی۔ نور کمالات باطنی کو پہنچ کر مرجع خلائق ومآب خلائق ہوئے۔

نقل ہے کہ چالیس روز میں آپ نے کلام مجید حفظ کیا تھا۔ بعد تحصیل علوم معقول ومنقول وفروع واصول اپنے والد ماجد کی خدمت بابرکت میں استفادہ علم باطن وجمیع کمالات ومقامات احمدیہ کیا۔ اور ہر مقام پر قدم راسخ اور عبادت اور ورع اور تقویٰ میں استقامت کامل رکھتے تھے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ کو آپ کے حال پر نہایت شفقت تھی۔ اور فرمایا کرتے کہ اگر باپ کو بیٹے کی تعظیم کرنی

ہوا کرتی تو میں اپنے لڑکے صبغۃ اللہ کی کیا کرتا۔ حضرت نے آپ کو اجازت وخلافت سے مشرف فرما کر کابل روانہ فرمایا۔ اور وہاں کی قطبیت بھی آپ کے سپرد کی۔ وہاں آپ کو قبولیت عظیم پیدا ہوئی۔ اور طالبان خدا کو مقامات عالیہ پر پہنچایا۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ کسی سائل نے آپ سے کچھ سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس کچھ موجود نہ تھا۔ دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ سائل محروم جائے۔ ایک مٹی کے ڈلے پر نگاہ کی وہ فوراً سونا ہو گیا۔ آپ نے وہ سونا اس کو عطا فرمایا۔

وفات: آپ کی وفات بروز جمعہ بتاریخ ۸ ربیع الآخر ۱۱۲۰ھ کو ہوئی۔ اپنے والد کے مقبرہ میں بمقام سرہند دفن ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(حالات نقشبندیہ مجددیہ: ۳۳۷)

حضرت شاہ احمد میران جی گجراتی ثم بیجاپوریؒ متوفی ۱۱۲۲ھ

تعارف: آپ کا اصلی وطن گجرات ہے۔آپ گجرات سے بیجاپور میں آئے۔ حضرت شاہ کی خدمت میں پہنچے، بیعت واجازت سے مشرف ہوئے۔طریقۂ شطاریہ کے پیرو تھے، روز وشب اذکار واشغال میں مصروف رہتے تھے۔کوئی وقت معبود حقیقی کے مشاہدہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ہمیشہ عالم حضوری میں مستغرق رہتے تھے۔متوکل علی اللہ وتارک الدنیا تھے۔اس لئے اہل دنیا سے بہت کم ملتے تھے۔

آپ کی عبادت کا حال: ''روضۂ اولیائ'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ جب عالمگیر بادشاہ بیجاپور میں آیا، اور آپ کی بزرگی ودرویشی کی تعریف سن کے آپ کے قیام گاہ پر زیارت کے لئے حاضر ہوا اور ایک خادم کو حضرت کی خدمت میں اطلاع کے لئے بھیجا۔آپ اس وقت وظائف میں مشغول تھے، چونکہ آپ کی عادت تھی کہ ذکر وشغل میں کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اس لئے خادم واپس آیا اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ شاہ صاحب وظیفہ میں مشغول ہیں اور اس وقت کسی سے ملتے نہیں ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے فرمایا کہ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم رہ گئے ہیں ان کے وجود کو غنیمت سمجھنا چاہئے، اور غایت ادب ولحاظ کی بنا پر بغیر شرف ملاقات کے واپس ہوگیا۔بادشاہ نے فرمایا کہ یہ درویش ایک غنیمت ہیں۔ایسے درویش نادر الوجود ہیں۔

ف: سبحان اللہ حضرت عالمگیرؒ کی کتنی خوبی کی بات ہے کہ درویش بزرگ سے ملاقات نہونے پر بھی ناخوش نہ ہونا بلکہ خوشی کا اظہار فرمانا آپ کی تواضع اور نفس کی پاکی پر دال ہے، جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس صحبت وارادت کی برکت تھی جوان کو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ سے حاصل تھی۔ یقینا ایسے ہی ملوک اس ارشاد عالی کے مصداق ہیں: "**نعم الامیر علی باب الفقیر**" یعنی بہترین امیر وہ ہے جو فقراء کے دروازہ پرادب وخلوص سے جاتا ہے اور فائزالمرام ہوتا ہے۔ مگراب توفقیر بھی کبروعار کی بناء پر کسی فقیر کے در پر جانے کو گوارانہیں کرتے، ہاں مگرامیر کے در پر بلاتکلف آمدورفت رکھتے ہیں، جس کے متعلق ارشاد ہے کہ "**بئس الفقیر علی باب الامیر**" وارد ہے۔ (یعنی بدترین فقیر وہ ہے جو امیر کے در کا چکر لگاتا ہے۔ (مرتب)

وفات: آپ نے ۱۱۲۲ھ میں رحلت فرمائی، ابراہیم عادل شاہ کے مقبرہ میں مسجد کے عقب میں مدفون ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ قبرایک چبوترہ پر واقع ہے۔ شیخ محمد اکمل اولیاء آپ کے مرید وخلیفہ تھے۔ جوعلم دعوت میں کامل تھے۔ آپ کے قریب مدفون ہیں۔ نوراللہ مرقدہ

(محبوب التواریخ یعنی تذکرہ اولیاء دکن: ج۱/ص۵۷)

حضرت ملا محمد جمیل جونپوریؒ متوفی ۱۱۲۳ھ

نام ونسب: نام محمد جمیل، والد کا نام ملا عبدالجلیل ہے۔ آپ کے چچا ملا صادق اور ملا خلیل یہ تینوں بھائی اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں تھے۔

ولادت: جونپور کے علمی خانوادے میں ۱۰۵۵ھ میں ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت: علمی خانوادے میں ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی اور پروان چڑھے۔ ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم کے بعد علامہ دیوان عبدالرشیدؒ سے مختصر المعانی اور شرح وقایہ پڑھیں۔ پھر مولانا نورالدینؒ کے درس میں شریک ہوئے۔ ان سے درسی کتابوں کے علاوہ انوار علوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی، ابھی کتاب ختم نہیں ہوئی تھی کہ استاد نے دلی کا قصد کیا۔ شاگرد نے کتاب ختم نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ استاد نے فرمایا کہ اب تمہیں درس کی ضرورت نہیں۔

ملا جمیلؒ طالب علمی کے زمانہ ہی سے ذہانت وطباعی میں ضرب المثل تھے، نہایت اخّاذ (اخذ کرنے والی) طبیعت پائی تھی۔ ایک مرتبہ مطول کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کر کے اپنے استاد مولانا نورالدینؒ کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا۔ استاد نے فرمایا کہ اس عبارت کا مطلب آج میں نے تمہاری تشریح سے سمجھا۔

ملا جمیلؒ کی فطانت اور ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو ملا جلال

اور میر شریف کہا کرتے تھے۔ جس وقت وہ دہلی گئے تو سارے علماء پر ان کی ہیبت طاری ہوگئی۔ مشاہیر جونپور میں ہے:۔

آنچناں جودت ذہن بود کہ اگر یک بار متن کسے کتاب بیند حاجت حاشیہ نہ افتد، ہر مطالب دقیق کہ پیش آید فوراً بہ قوت ذہن حل گردد، بارہا استادش فرمودے کہ ملا جمیل را مماثل علامہ شریف وملا جلال گفتن بیجا نیست، وقتے کہ ملا جمیل وارد دہلی شد، شہرہ فضیلتش چناں شائع گردید وہیبتش طاری شد، کہ بر درس کہ رسیدے درس موقوف گشتے، روزے در مدرسہ لطف اللہ دہلوی رفت در یک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود، ملا لطف اللہ از جوابش عاجز آمدند۔

ایسے ذہین تھے کہ ایک بار جس کتاب کو دیکھ لیتے تو پھر حاشیہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، دقیق سے دقیق عبارت فوراً حل کر لیا کرتے تھے، بارہا ان کے استاد ان کو علامہ شریف جرجانی اور ملا جلال کہا کرتے تھے، ایک بار دہلی آئے تو وہاں کے سارے علماء پر ایک ہیبت طاری ہو گئی، جس عالم کے درس میں جاتے ہیبت کی وجہ سے وہ درس کو موقوف کر دیتے تھے، ایک بار لطف اللہ دہلوی کے مدرسہ میں گئے، وہ کتاب پڑھا رہے تھے اس کی ایک سطر میں متعدد شبہات پیدا کئے ملا لطف اللہ ان کا جواب نہ دے سکے۔

ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، چنانچہ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مسند درس پر بٹھا دیئے گئے اور تشنگان علم ان کے چشمۂ فیض

سے سیراب ہونے لگے۔

مشاہیر جونپور ہی میں ہے کہ:

عالم جملہ علوم گردید ودرس گفتن	تمام علوم میں دستگاہ حاصل کر کے
آغاز کرد وچناں شد کہ بہ زمرۂ	درس وتدریس کا آغاز کردیا اور جلد ہی
علمائے مشاہیر پذیرفت وعلم	ان کا شمار ممتاز علماء میں ہونے لگا اور
یکتائی برافراشت بسیارے طلبہ	بہت سے طلبہ ان سے مستفیض
ازوشان فراغ خواندند۔	ہوئے۔

جونپور کے محلہ مفتی میں ایک بہت وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا، اور خود اس میں درس دیتے اور اصلاح باطن کرتے تھے۔مگر افسوس کہ وہ سب برباد ہوگئے، اس کے آثار بھی باقی نہ رہے۔

تلامذہ: ان کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے لیکن ان میں مولوی نظام الدین اورنگ آبادیؒ ، مولوی نور الہدیٰ امیٹھویؒ اور ملا نور الدین جعفر غازی پوریؒ زیادہ مشہور ہیں۔

اصلاح باطن: مشاہیر جونپور میں ہے:۔

علاوہ فضائل صوری صاحب	علمی کمالات کے ساتھ وہ باطنی
کمالات باطنی ہم بود وبیعت	کمالات سے بھی آراستہ تھے، بیعت
وارادت از دیوان عبدالرشید	وارادت کا تعلق حضرت دیوان
آورد۔	عبدالرشید سے تھا۔

تصانیف: ان کی اصلی علمی یادگار تو تلامذہ کی وہ کثیر تعداد ہے جن کے ذریعہ

ہزار ہا تشنگان علم سیراب ہوئے۔ ان کے علاوہ کچھ قلمی یادگاریں بھی ہیں جن سے اہل علم آج بھی مستفیض ہو سکتے ہیں۔

ف: کاش وہ دستیاب ہوتیں تو ہم لوگ بھی مستفیض ہوتے۔ اللہ تعالیٰ دستیابی کی صورت آسان فرمادے۔ (مرتب)

آپ نے مطول، شرح جامی کے ایک باب عطف اور بہت سی دوسری کتابوں پر حاشئے لکھے۔ اس کے علاوہ دو رسالے ایک فقہ اور ایک تصوف میں تنبیہات جمیلی تحریر کئے۔

وفات: اٹھہتر برس کی عمر پا کر ۶ رجب ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی اور اپنے والد ملا عبد الجلیلؒ کی قبر کے پہلو میں محلہ مفتی شہر جونپور میں سپرد خاک کئے گئے۔ ذیل کی رباعی سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

مرد ملا جمیل علمش مرد　　خانہ باقی نہ صاحب خانہ
بر تاریخ فاضل نامی　　از فضیلت ربود افسانہ

پسماندگان میں تین صاحبزادوں کا ذکر صاحب مشاہیر جونپور نے کیا ہے۔ مولوی غلام معین الدین عرف شاہ امید علیؒ، شاہ طفیل حسینؒ و شاہ یتیم الحسنؒ۔

(فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین۔ مؤلفہ مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی: ص ۳۴)

حضرت شیخ جلال الدین عرف جمن احمد آبادیؒ متوفی ۱۱۲۴ھ

نام ونسب وولادت: شیخ جلال الدین نام، شیخ جمن عرف ہے۔آپ شیخ رکن الدین بزرگ چشتیؒ کے صاحبزادے ہیں۔نسب کا سلسلہ حضرت عمر بن الخطابؓ تک پہنچتا ہے۔آپ کی ولادت ۱۰۸۸ھ میں احمد آباد گجرات میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے نشوونما کے بعد والد ماجد وغیرہ کی خدمت میں کتب درسیہ شروع کیں۔اٹھارہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔اور فضائل وکمالات میں بے مثل، معقولات میں یگانۂ آفاق عالم ہوئے۔علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد علوم باطنی بھی حاصل کیا۔والد ماجد کے مرید وخلیفہ ہوئے۔درس وتدریس، تالیف وتصنیف میں مشغول رہے، اکثر طلبہ آپ کی خدمت میں رہ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

اخلاق کریمانہ: آپ اکمل اولیاء واعظم عرفاء میں سے تھے۔عالی ہمت وپاکیزہ طینت فرشتہ صورت وانبیاء سیرت تھے۔بندہ نواز وغریب پرور، مہمان دوست اور فقراء نثار تھے۔کریم الطبع ونیک سیرت درویش باکمال وباا ثر تھے۔ کثرت ریاضت وعبادت سے ضعیف البدن وقلت طعام سے نحیف تن تھے۔ صلوٰۃ پنجگانہ کے علاوہ رات دن میں ہزار رکعت نوافل ادا کرتے تھے۔آپ کے چہرہ سے انوار ربانی وآثار عرفانی وحقانی عیاں تھے۔آسمان معرفت وحقیقت کے بدر منیر (چودھویں رات کا چاند) صاحب دل روشن ضمیر تھے۔

تصنیف وتالیف: آپ نے اکثر رسائل اور کتب درسیہ پر حواشی وشروح لکھے

ہیں، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ خیالی، حاشیہ مختصر المعانی، حاشیہ تلویح وتوضیح وتنقیح، حاشیہ تفسیر مدارک، حاشیہ بیضاوی، حاشیہ تفسیر محمدی وحاشیہ تفسیر حسینی وغیرہ۔ اور کتب احادیث صحاح وکتب تصوف پر بھی شروح وحواشی تحریر کئے، مثلاً شرح مثنوی شریف مسمیٰ بہ فتح الجمال، شرح فصوص الحکم، وشرح اسماء الاسرار مصنفہ مخدوم سید محمد حسینی گیسودراز وشرح عوارف المعارف وغیرہ۔ ایک سو بیالیس کتب ورسائل ہیں۔

کرامات: آپ صاحب خوارق عادات ومظہر فواضل وکرامات تھے۔ تذکرہ اولیاء مؤلفہ شیخ جلال قادری واظہار خوارق صوفیہ میں آپ کے اکثر خوارق مذکور ہیں۔ اگر چاہو تو وہاں اس کا مطالعہ کرو۔

وفات: آپ نے برادر عزیز شاہ فرخ صوفیؒ کو سجادہ نشین کیا اور نصائح اور وصیت فرمائی، اور فرمایا عزیزی آپ میرے پاس رہیئے اور کلمۂ شہادت اور کوئی سورۂ مبارک پڑھتے رہیئے۔ اور میں جس وقت کہوں اس وقت لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنا۔ چنانچہ صوفی نے حکم کی تعمیل کی، تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا دیکھو، وہ مردود لعین آتا ہے، لاحول پڑھو۔ حضرت صوفی نے پڑھی، وہ مردود فرار ہوا۔ پھر آپ نے اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کی۔ یہ واقعہ ۶/ربیع الثانی ۱۱۲۴ھ میں واقع ہوا۔ شاہ پور احمد آباد گجرات میں والد کی قبر کے متصل مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ (محبوب التواریخ: ج/۱ص/۲۲۹)

ف: معلوم ہوا کہ اخیر میں موت سے پہلے بہکانے کے لئے شیطان آتا ہے، اللہ تعالیٰ اس وقت ایمان کی حفاظت فرمائے اور ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں جانے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین (مرتب)

حضرت سید عبداللطیف قادری بیجاپوریؒ متوفی ۱۱۲۴ھ

نام ونسب: نام عبداللطیف ثانی، غلام لطیف سے مشہور تھے۔ والد کا نام سید شاہ موسیٰ قادریؒ ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۰۲۹ھ میں بیجاپور میں ہوئی۔ مادہ تاریخ ولادت ''لطیف بودہ لطیف آمد لطیف رفت'' ہے۔

فضل وکمال: آپ والد ماجد کے مرید وخلیفہ تھے، والد ماجد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ قادریہ شطاریہ طریق میں تھے، تھوڑی مدت میں مرتبہ کمال کو پہنچے، عارف کامل وصوفی عامل تھے، آپ کے مرید قریب ایک لاکھ تھے۔ آپ کی گذر اوقات توکل پر تھی۔ سکندر ثانی عادل شاہ نے ایک گاؤں کا جاگیر نذر کرنا چاہا اور سند بھی بھیج دی، آپ نے سند واپس کردی اور سند کے کنارہ پر لکھ دیا ؎

شاہ ما را دہ دہد منت نہد
رازق ما رزق بے منت دہد

ترجمہ: بادشاہ ہدیہ دے کر احسان جتلاتا ہے، مگر میرا رازق بغیر احسان جتلائے روزی دیتا ہے۔ (مرتب)

روزانہ آپ کا خرچ بے شمار تھا۔ آپ لباس عمدہ پہنتے تھے اور اسباب ضروری نہایت ہی پر تکلف رکھتے تھے۔

ف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ یمنی منقش چادر بھی استعمال

فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا استعمال بھی سنت ہے۔ چنانچہ ہمارے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے گاہے عمدہ لباس، منقش چادر اس لئے استعمال فرمائی تا کہ امیروں کے لئے اس کا استعمال سنت ہو جائے اور وہ اتباع سنت کی فضیلت سے محروم نہ رہ جائیں۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۴/ جمادی الثانیہ ۱۱۲۴ھ میں ہوئی۔ والد بزرگوار کے روضہ میں شہر بیجاپور میں مدفون ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

(محبوب التواریخ: ج/۱ ص/ ۵۶۴)

حضرت سید نور محمد بدایونیؒ متوفی ۱۱۲۵ھ

تعارف: حضرت سید نور محمد بدایونیؒ علم ظاہر میں فقیہ کامل تھے، آپ نے مقامات سلوک کو حضرت سیف الدین فرزند وخلیفہ حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ سے طے کئے۔

اتباع سنت کا نہایت التزام واحترام تھا، ہر وقت کتب سیر واخلاق پیش نظر رہتی تھیں اور اس کے موافق عمل کیا کرتے تھے، ادنیٰ ادب بھی ترک نہ فرماتے تھے، اگر بمقتضائے بشریت ترک ہوجاتا تو متنبہ ہوجاتے تھے۔اور تلافی فرماتے تھے۔

طریقہ تربیت: نقل ہے کہ آپ کے پڑوس میں بنگ فروش کی دوکان تھی، ایک روز فرمایا کہ ظلمت بنگ سے نسبت باطنی مکدر ہوجاتی ہے، کسی مخلص نے جاکر اس کو بزور ہٹادیا، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اب پہلے سے بھی زیادہ مکدر ہوگئی ہے کہ احتساب خلاف شرع ہوا، اوراس کو نرمی سے توبہ کرانی چاہئے تھی، اس کے بعد شدت کرنی چاہئے تھی، غرض اس کو تلاش کر کے بلوایا اور مریدوں کی جانب سے معذرت کی، اور کچھ روپئے اس کو دیئے اور فرمایا کہ خلاف شرع پیشہ اچھا نہیں ہوتا کوئی مباح پیشہ اختیار کرو، چنانچہ وہ فی الفور تائب ہوگیا۔(حالات مشائخ نقشبندیہ:۳۵۶)

ف: اسی کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "**ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ**" یعنی آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی

نصیحت کے ذریعہ بلائیے۔(مرتب)

اہتمام سنت: ایک مرتبہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیت الخلاء میں داخل ہوئے دایاں پاؤں ◻ پہلے رکھ دیا تو تین روز تک احوال باطن میں قبض کی کیفیت طاری رہی۔ پھر بہت تضرع وزاری کے بعد بسط کی کیفیت نصیب ہوئی۔ کھانے میں بہت احتیاط فرمایا تھے۔ چند روز کا کھانا اپنے ہاتھ سے پکا کر پاس رکھ لیتے۔ بھوک کی شدت کے وقت اس میں سے کچھ کھا لیتے۔ پھر مراقبہ میں مشغول ہوجاتے۔ کثرت مراقبہ سے آپ کی پشت خمیدہ ہوگئی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ تیس سال سے طبیعت سے غذا کی کیفیت ولذت کا احساس جاچکا ہے۔ حاجت کے وقت جو کچھ میسر ہے آتا کھا لیتا ہوں۔ آپ ایک وقت میں دو قسم کے کھانے کو بدعت خیال فرماتے تھے۔ کمال تقویٰ سے اپنے فرزندوں میں سے ایک کو گھی دیتے اور دوسرے کو شکر۔

ف: شاید اس لئے کہ گھی الگ سالن ہے اور شکر دیگر تا کہ دونوں ایک دسترخوان پر جمع ہوجائیں، مگر ایک فرد کے لئے نہیں۔(مرتب)

احتیاط: آپ امراء کے کھانوں کو ہرگز تناول نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ ان کے کھانے اکثر مشکوک ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک دنیادار کے گھر سے کھانا آیا۔ فرمایا اس میں ظلمت معلوم ہوتی ہے۔ اور از روئے نوازش حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ سے فرمایا کہ آپ بھی توجہ کریں، جب آپ نے طعام پر غور فرمایا تو عرض کیا کہ کھانا تو حلال معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں سے ریا کی عفونت (بدبو) معلوم ہوتی ہے۔ اگر کسی دنیادار کے گھر سے کوئی کتاب عاریۃً لیتے تو تین روز

تک اس کا مطالعہ نہ کرتے اور فرماتے کہ اغنیاء کی صحبت کی ظلمت اس پر غلاف کی طرح چسپاں ہوگئی ہے۔ جب آپ کی صحبت مبارک سے اس کی ظلمت زائل ہوجاتی تو مطالعہ فرماتے۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھی مزاج کی نزاکت و لطافت بلکہ ایمان کی نورانیت وبشاشت۔اللھم ارزقنا(مرتب)

حضرت مرزا مظہر جانجاناں صاحبؒ کو آپ سے بہت محبت تھی فقط آپ کا اسم گرامی لینے سے ہی آب دیدہ ہوجاتے اور فرماتے کہ افسوس دوستوں نے حضرت سید نور محمدؒ کی زیارت نہیں کی۔اس لئے کہ ان کے دیکھنے ہی سے دیکھنے والے کا ایمان تازہ ہوجاتا تھا۔

ف: چنانچہ اللہ والوں کی خاص علامت حدیث میں وارد ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیارکم الذین اذا رووا ذکر اللہ۔ (ابن ماجہ:۳۰۳) یعنی تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجائیں۔(مرتب)

آپ فرماتے تھے کہ حضرت کے مکشوفات بہت صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوتے تھے، لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان ظاہری آنکھوں سے اتنا واضح نہیں دیکھ سکتے جتنا کہ حضرت دل کی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت قوی تصرفات کے مالک تھے۔ مخلصین کی حاجت برآری کے لئے یہ حضرات بہت ہمت سے کام لیتے تھے۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ آپ کی دعا اور توجہ سے مراد پوری نہ ہوئی ہو۔

دعا کا اثر: ایک مرتبہ ایک عورت نے آنجناب کی خدمت میں عرض کیا کہ میری

لڑکی کو جن اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سے عملیات اور تعویذات کئے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس باب میں آپ توجہ فرمائیں۔ حضرت نے دیر تک مراقبہ کے بعد فرمایا کہ تیری لڑکی فلاں وقت آجائے گی۔ چنانچہ آپ کی توجہ سے ایسا ہی ہوا۔ جب لڑکی سے ماجرا دریافت کیا گیا تو اس نے کہا میں کسی صحرا میں تھی کہ کسی بزرگ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے یہاں پہنچا دیا۔ کسی نے اس سلسلہ میں حضرت کے سکوت اور مراقبہ کی وجہ دریافت کی کہ آپ نے فوراً کیوں نہ جواب دیا کہ لڑکی آجائے گی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی تھی کہ اگر میری دعا اور توجہ مؤثر ہو تو میں اس باب میں ہمت کروں جب مجھے بذریعہ الہام معلوم ہو گیا کہ تیری ہمت مؤثر ہو گی تو میں نے کہہ دیا کہ تیری لڑکی آجائے گی۔ آپ کا ہر عمل رضائے خداوندی کے موافق ہوتا تھا۔ سبحان اللہ تعالیٰ۔

فراست ایمانی: ایک بار دو رافضیہ عورتوں نے حاضر خدمت ہو کر طلب طریقہ کا اظہار کیا۔ حضرت نے نور فراست سے یہ دریافت کر لیا۔ اور فرمایا پہلے عقیدۂ بد سے توبہ کرو پھر یہ طریقہ اپناؤ، ان میں سے ایک نے آپ کے کمال کا اقرار کر لیا اور توبہ کر کے داخل طریقہ ہوئی اور دوسری کو توبہ کی توفیق نہ ہوئی۔

آپ کے ایک مخلص کو نفسانی خواہش کا غلبہ ہوا تو آپ کی صورت دونوں کے درمیان حائل ہو گئی، عورت نے دہشت زدہ ہو کر فریاد کی اور ایک گوشہ میں پناہ لی اور اس مخلص نے توبہ کی۔ اور وہ مدت دراز تک مارے شرم کے حاضر خدمت نہ ہوا۔

آپ نے فرمایا ایک روز میں اپنے حضرت حافظ محمد محسن کے مزار کی زیارت کے لئے گیا۔ وہاں جا کر میں نے مراقبہ کیا تو بے خودی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ آپ کا بدن شریف اور کفن تو درست ہے مگر پاؤں کے تلووں اور اس مقام کے کفن پر مٹی نے اپنا اثر کیا ہے۔ میں نے آپ سے اس کا سبب پوچھا، آپ نے فرمایا تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم نے وضو کی جگہ پر کسی کا پتھر بغیر اجازت کے رکھا تھا کہ جب اس کا مالک آجائے تو حوالے کر دیں گے۔ ایک مرتبہ اس پتھر پر ہم نے قدم رکھا اس کی وجہ سے مٹی نے ہمارے پاؤں پر اثر کیا ہے۔

یہ درست ہے کہ جو زیادہ متقی ہے قرب الٰہی اور ولایت میں بھی اس کا مقام بلند ہے۔ (مقاماتِ مظہری: ۲۲۷)

احوال وخصائص: آپ کے خلیفہ مرزا مظہر جانجاناںؒ نے جو آپ کے احوال و کیفیات کا تذکرہ کیا ہے، عبرت ونصیحت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

مرزا مظہر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ ایک شخص نے حضرت سید قدس سرہ (نور محمد بدایونیؒ) کے کمالات کا ذکر میرے سامنے کیا۔ حضرت کے اوصاف سنتے ہی دل ان کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مشتاق ہوگیا۔ پس آنحضرت کے دیدار معرفت بار کا شرف حاصل کیا۔ انہیں بزرگ پایا۔ متشرع اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن مبارکہ کا متبع اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اخلاق کا پیکر پایا۔ آپ کی صحبت کے انوار مبارک دل کے لئے صفا بخش اور جان کے لئے راحت افزا تھے۔ یقین کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ شاید

مقصود اسی جگہ ہے۔ اور مردہ دل کو اطمینان ہوا کہ شہود حق یہیں جلوا فرما ہے۔ کس لئے آئے ہو؟ حضرت نے پوچھا، عرض کیا استفادے کے لئے۔ اگرچہ استخارہ کے بغیر تلقین طریقہ آپ کی عادت کے خلاف تھا لیکن فضل الٰہی سے بندہ کے حال پر بلا توقف توجہ فرمائی۔ جس سے میرے لطائف خمسہ اسم ذات کا ذکر کرنے لگے۔ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی پہلی توجہ سے لطائف خمسہ ذکر الٰہی سے جاری ہوجاتے ہیں۔ اور سالک تجلی صفائی کا مورد ہوجاتا ہے۔ آپ کی توجہ کی تاثیر سے باطن میں اس قسم کا رنگ آیا کہ آئینہ میں اپنی صورت آپ کی ہیئت شریف کی مثل پاتا تھا۔ جس سے محبت بڑھ گئی اور آپ سے عقیدت راسخ ہوگئی۔

کشف وکرامات: فرماتے تھے کہ حضرت سید صاحب مستفیدین کے حال پر بہت التفات فرماتے تھے اوران کی لغزشوں پر انہیں متنبہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز میری نگاہ ایک نامحرم پر جا پڑی جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا کہ مجھے تم سے زنا کی ظلمت نظر آرہی ہے۔ شاید تمہاری نگاہ کسی نامحرم پر پڑ گئی ہے۔ اسی وقت میں نے توجہ کی تو اس بیجا نظر کی ظلمت کا اپنے باطن میں معائنہ کیا۔

ایک روز سرراہ میری ایک شرابی سے ملاقات ہوگئی تو حضرت نے فرمایا کہ آج تیرے باطن میں مجھے ظلمت شراب نظر آرہی ہے۔ شاید تم نے شراب پی لی ہے۔ جب انھوں نے میرے حال پر توجہ کی تو شراب کی کدورت مجھ سے عیاں تھی۔ فرمایا کہ فاسقوں سے ملاقات نور باطن کو مکدر کر دیتی ہے۔ معاذ اللہ

گناہ کے مرتکب کی کیا حالت ہوگی۔

ف: دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے گناہوں کے ارتکاب وابتلاء اور گنہگاروں کی مصاحبت سے محفوظ رکھے۔آمین (مرتب)

اسی طرح اپنے اصحاب کے اعمال کے انوار کا مشاہدہ ان کے باطن میں کرتے تھے۔اگر میں کلمہ طیبہ کا ورد کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ آج تو نے کلمہ طیبہ کا ورد کیا ہے۔اور اسی طرح اگر درود پڑھ کر جاتا تو فرماتے کہ آج تم سے انوار درود ظاہر ہورہے ہیں۔

ایک روز فرمایا کہ درود پڑھتے وقت اس کا شمار بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، بندہ نے عرض کیا کہ اعداد کیسے معلوم ہوسکتے ہیں؟ تو فرمایا کہ انوار پتیوں والے پھول کی مثل جدا جدا نظر آتے ہیں۔

مرزا صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت کے حکم سے اصل السوس (ملیٹھی) کوٹ رہا تھا، فرمایا کہ کیا باریک ہوگئی ہے؟ عرض کیا کہ، ہاں۔تو حضرت نے اپنے دست مبارک سے اسے مسل کر فرمایا کہ ابھی باریک نہیں ہوئی ہے۔نیز فرمایا تحقیق کر کے گفتگو کرنی چاہئے۔تاکہ اس طرح جھوٹ کی عادت نہ پڑ جائے۔

ف: سبحان اللہ! جھوٹ سے بچنے کی کیسی تاکید فرمائی جس سے بچنے کی عموماً فکر نہیں رہ گئی ہے۔(مرتب)

آپ فرماتے تھے کہ آنحضرت کی صحبت کی برکت سے بہت تھوڑی مدت میں طریقہ باطن کے حالات وکیفیات حاصل ہو گئے۔چنانچہ متواتر جذبات

عشق حاصل کرنے سے دل غیر کی محبت سے پاک ہوگیا اور حضرت حق سبحانہ کی محبت دل میں گھر کر گئی۔ اور کسی کی محبت دل میں نہ رہی۔ شوق کی بے تابی سے نیند، کھانا اور آرام جاتا رہا۔ سرو پا سے برہنہ ویرانوں میں گشت کرتا پھرتا، بھوک کی شدت سے درختوں کے تھوڑے سے پتے کھالیتا۔ اپنا زیادہ وقت مراقبہ میں گزارتا۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی بلند و بالا احوال تھے، جن سے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو اپنے فضل سے مشرف فرماتے ہیں۔ وباللہ التوفیق والتفصیل (مرتب)

آپ فرماتے تھے کہ ہم نے حضرت سید قدس سرہ سے چار سال تک استفادہ کیا۔ ہمیں اجازت تعلیم طریقہ اور تبرک خرقہ شریفہ عنایت فرمایا۔ اور عقیدہ اہل سنت والجماعت کے مطابق عمل اور بدعت سے اجتناب کرنے کی وصیت کی۔ (مقامات مظہری: ص ۲۶۱)

بے نفسی: تحفۃ السالکین مؤلفہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ میں ہے کہ:۔

حضرت ایشاں (یعنی حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ اپنے) پیر بزرگوار سید نور محمد بدایونیؒ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو آنحضرت کے مریدوں میں کہتا تھا، ایک دن اس شخص نے بدبختی میں آکر آپ کے حضور میں سخت بے ادبی کی اور بہت برا بھلا کہا، جس کے جواب میں آپ نے کچھ نہ فرمایا، دوسرے دن وہ شخص حاضر ہوا تا کہ آنحضرت سے توجہ و فائدہ حاصل کرے، میں نے چاہا کہ اس کو سزا دوں، آنحضرت نے مجھ کو منع کیا اور اس شخص پر اسی طرح

متوجہ ہوئے جس طرح دوسرے مخلصوں پر توجہ فرمائی تھی، فقیر اس بات سے بہت تنگ دل ہوا اور اس کو تمام مخلصوں کے برابر سمجھنے کے باعث آنجناب کی خدمت میں ملتمس ہوا تو فرمایا: مرزا صاحب! اگر میں اس کو سرزنش اور ملامت کرتا اور توجہ نہ دیتا تو مجھ سے اللہ تعالیٰ پوچھتا کہ میں نے تیرے سینے میں ایک نور امانت رکھا تھا اور میرے بندوں میں سے ایک اس نور کو طلب کرنے آیا، تو نے اس کو کیوں محروم رکھا؟ تو اس وقت میں کیا جواب دیتا کہ الٰہی! اس آدمی نے مجھ کو گالی دی تھی اس لئے میں نے محروم رکھا اور کیا یہ جواب مقبول ہوتا؟ کچھ مدت تک میں تنگ دلی کے ساتھ خاموش رہا تو تھوڑے دنوں کے بعد آنجناب نے فرمایا کہ اے بچہ! اگرچہ میں نے اس کو مخلصوں کی طرح توجہ دی ہے مگر حق تعالیٰ منافق کو کب مخلص کے برابر جانتا ہے۔ "وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ" کام کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، فیض صرف مخلص اور مؤدب دوستوں کو پہنچتا ہے۔ (تحفۃ السالکین)

ف: اس واقعہ کو حضرت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ مجلس میں برابر سناتے تھے تا کہ سامعین کو عبرت و نصیحت ہو۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۱/ذی قعدہ ۱۲۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مدفن خام دہلی میں خواجہ نظام الدینؒ کے مزار کے قریب آبادی سے باہر ہے۔

(حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص/۳۵۷)

حضرت مولانا شیخ غلام نقشبندؒ گھوسوی ثم لکھنوی المتوفی ۱۱۲۶ھ

حضرت قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ متوفی ۱۴۱۷ھ اپنی تصنیف باتحقیق ''دیار پورب میں علم اور علمائ'' میں یوں رقمطراز ہیں۔

شیراز ہند میں ہزاروں علماء وفضلاء اور مشائخ پیدا ہوئے جن کے دم قدم سے یہاں کے شہر وقصبات مدرسوں اور خانقاہوں سے معمور تھے، اور یہ خطہ بغداد اور قرطبہ کی ہمسری کررہا تھا۔

سلاطین شرقیہ جونپور کے دور سے مغل دور سلطنت تک کی پوری مدت پورب میں علمی بہار کا دور تھا، خصوصاً سلطان ابراہیم شاہ شرقی، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں یہاں علم وعلماء کی بڑی چہل پہل تھی، عالمگیر نے اپنی شاہزادگی اور سلطنت کے ایام میں جونپور کے علماء وفضلاء پر خاص نظر رکھی اور اس پورے علاقہ کو ان کی توجہ نے علم کا باغ ارم بنا رکھا تھا، مولوی خیرالدین محمد جونپوریؒ نے اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''اورنگ زیب بادشاہ عالم باعمل تھے، انھوں نے علماء کی زیادہ سے زیادہ قدردانی کی، اور زمانہ شاہزادگی سے ان کا خاص خیال رکھا، شاہان شرقیہ کے دور کی طرح علماء ومشائخ کی کثرت اور طالبان علم وفیض کی زیادتی کے باعث جونپور میں علمی ودینی رونق پیدا ہوگئی۔ اور جب عالمگیر تختسلطنت پر بیٹھے تو اس شہر کے مدرسین ومشائخ کے حالات کی تحقیق کے لئے ناظم جونپور کو حکم دیا،

اور تہدیدی تاکید کی کہ اس جماعت کے احوال سے فوراً مطلع کیا جائے۔ اس طرح شہنشاہ عالمگیر کے دور میں یہ خطہ گلزار ارم کا نمونہ بن گیا، اطراف وجوانب کے تمام شہر وقصبات کے قدیم مدرسوں کی تاسیس نو ہوئی۔ اور بہت سی نئی خانقاہیں تعمیر کی گئیں، خاص شہر جونپور کے محلہ محلہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہوا، اور جگہ جگہ مدرسے قائم ہوئے۔ مفتی محلہ میں میر ابوالبقائیؒ، سید مبارکؒ، ملا حفیظؒ اور محلہ شاہ مدار میں مولانا امیر الدینؒ اور محلہ دریبہ میں میر عبدالباریؒ اور محلہ سپاہ میں ملا محمودؒ کے فرزند درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، نیز جونپور کے ہر محلہ میں مدرسہ موجود تھا، جہاں مدرسین طالب علموں کو تعلیم دیتے اور ہر کوچہ میں خانقاہ تھی جہاں درویش طالبان فیض کی رہبری کرتے تھے“۔

اسی طرح عہد عالمگیری میں دیار پورب میں سیکڑوں علماء ومشائخ اپنے اپنے حلقہ میں کام کررہے تھے۔ چنانچہ اس عہد کے مدرسین میں حافظ امان اللہ بنارسیؒ سنہ ۱۱۳۳ھ قاضی محب اللہ بہاریؒ سنہ ۱۱۱۹ھ ملا قطب الدین شمس آبادیؒ سنہ ۱۱۲۱ھ ملا جیون امیٹھویؒ (احمد بن ابوسعیدؒ) سنہ ۱۱۳۰ھ، سید سعد اللہ سلونیؒ سنہ ۱۱۳۸ھ قاضی عصمت اللہ لکھنویؒ سنہ ۱۱۱۳ھ شیخ غلام محمد لکھنویؒ سنہ ۱۱۳۶ھ اور شیخ غلام نقشبند گھوسوی لکھنویؒ سنہ ۱۱۲۶ھ وغیرہ ہمعصر علماء تھے، جن کی تعلیمی وتدریسی سرگرمی سے پورا دیار مشرق دار العلم بنا ہوا تھا، ان میں حضرت شیخ غلام نقشبند گھوسویؒ اپنے تدریسی وتعلیمی کارناموں کی وجہ سے ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ وہ موجودہ ضلع اعظمگڈھ کے مشرقی علاقہ میں قصبہ گھوسی ضلع مئو کے رہنے والے تھے۔ ان کے ہم وطن اور ہمعصر علماء میں شیخ اسماعیل بن مولانا ابوالخیر بھیرویؒ سنہ ۱۱۰۶ھ شیخ عبداللطیف مٹھن پوریؒ (نظام آباد) میر قیام الدین

شکرّویؒ ۱۱۲۸ھ شیخ مرتضٰی چڑیا کوٹیؒ ۱۱۰۹ھ، شیخ محمد شاہ بھیرویؒ ۱۱۱۴ھ مشاہیر وقت تھے۔ اور یہ تمام اکابر پندرہ بیس میل کے حلقہ میں اپنے مدرسوں اور خانقاہوں سے علم ومعرفت کی دولت تقسیم کرتے تھے۔ البتہ شیخ غلام نقشبندؒ نے گھوسی سے لکھنؤ جاکر اپنا فیض جاری کیا، شیخ صاحب اپنے تدریسی و تعلیمی فیوض وبرکات کی وجہ سے اپنے معاصرین میں خاص مقام ومرتبہ کے مالک ہیں اور ان کے تلامذہ خصوصاً ملا نظام الدینؒ کے ذریعہ آج بھی پورے ہندوستان میں ان کا تعلیمی وتدریسی فیض جاری ہے۔

اس وقت دیار پورب کے اسی شیخ الکل فی الکل کا تذکرہ مقصود ہے۔

نام ونسب اور خاندانی حالات: حضرت مولانا شیخ غلام نقشبندؒ بن مولانا شیخ عطاء اللہؒ ابن شیخ قاضی حبیب اللہؒ بن شیخ احمد بن شیخ ضیاء الدینؒ بن شیخ یحییٰؒ بن شیخ شرف الدینؒ ابن شیخ نصیرالدینؒ بن مفتی حسین عثمانی اصفہانی گھوسوی جونپوری لکھنویؒ رحمہم اللہ کا سلسلۂ نسب امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت ابان بن عثمانؓ یا حضرت عمر بن عثمانؓ کی نسل سے ہیں، اصفہانی کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کے آباء واجداد عرب سے اصفہان آئے، پھر وہاں سے کوئی بزرگ ہندوستان آکر دیار جونپور میں آباد ہوئے، یہ کون صاحب تھے اور کب یہاں آئے اس کے بارے میں تذکرہ نویس خاموش ہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ شیخ صاحب کے دادا قاضی حبیب اللہؒ سب سے پہلے گھوسی کے قاضی مقرر ہوئے اور یہیں رہ بس گئے۔

پیدائش اور نشوونما: شیخ غلام نقشبند اپنے والد کے قیام لکھنؤ سے پہلے ہی گھوسی میں ۱۹/ ذی الحجہ ۱۰۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ نزہۃ الخواطر میں ہے۔

ولدلاحدی عشرة بقین من ذی الحجة سنة احدیٰ وخمسین والف بقریة گھوسی۔	وہ ۱۹؍ذوالحجہ ۱۰۵۱ھ میں گھوسی میں پیدا ہوئے۔(پہلے یہ قصبہ ضلع اعظم گڈھ میں تھا مگر اب نئے ضلع مئو میں شامل ہے)

بقول آزاد بلگرامی باپ نے بہ اشارۂ روحانیت اپنے بیٹے کا نام غلام نقشبند رکھا، بچپن کا زمانہ گھوسی میں گذرا اور گھر کے دینی وعلمی اور روحانی ماحول میں پرورش پائی، گیارہ سال کے ہوئے تو سر سے والد کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا اور وہ اپنے والد کے تلمیذ رشید میر محمد شفیعؒ کے ظل تعلیم وتربیت میں چلے گئے۔

زمانۂ طالبعلمی میں منامی بشارت: شیخ غلام نقشبندؒ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ طالب علمی کی ابتداء میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے میرے سینہ کا بٹن کھول رہے ہیں، اور خواب ہی میں اس خواب کی تعبیر یوں سمجھ میں آئی کہ آپ شرح صدر فرما کر مجھ پر علم کا دروازہ کھول رہے ہیں۔

شیخ صاحب نے اپنے والد کی وفات ۱۰۶۳ھ کے بعد میر محمد شفیعؒ کی خدمت میں رہ کر ابتداء سے انتہاء تک پوری تعلیم وتربیت حاصل کی، اور اٹھارہ سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون مروجہ کی تحصیل سے فراغت پائی، اس کے بعد بطور یمن وبرکت کے اپنے والد کے مرشد شیخ پیر محمد جونپوری لکھنویؒ سے تھوڑا سا پڑھ کر ان ہی سے سند فراغت لی، اس وقت شیخ صاحب کی عمر اکیس سال کی تھی، آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:۔

آنجناب از ابتداء تا انتہاء درظل تربیت میرمحمد شفیع قدس سرہ کہ برخے نزد شیخ عطاء اللہ والد شیخ غلام نقشبند تلمذ کردہ بود جاگرفت، وہمت بہ احراز فضائل صرف کردہ درسن ہزدہ سالگی منتی الجموع فنون کمال کردید، دور سن بست ویک سالگی تیمناً قدرے نزدیک شیخ الشیخ خود شیخ پیر محمد قدس سرہ خواندہ رسم فاتحہ بجا آورد۔

شیخ صاحب نے اپنے والد کے شاگرد میر محمد شفیع قدس سرہ کے سایۂ تعلیم وتربیت میں شروع سے آخر تک رہ کر کمالات وفضائل کی تحصیل میں کوشش کی، اور اٹھارہ سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون میں کمال حاصل کیا اور اکیس سال کی عمر میں بطور برکت کے اپنے شیخ الشیخ حضرت پیر محمد قدس سرہ سے فاتحہ الفراغ پڑھی۔

جامعیت: شیخ غلام نقشبند علم وعرفان اور شریعت وطریقت میں جامع شخصیت رکھتے تھے، علوم دینیہ کے علاوہ علوم عقلیہ، علوم ادبیہ، نحو، لغت، اشعار عرب، ایام عرب اور شعر وادب میں اپنے دور ودیار کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے، وہ بیک وقت مدرس، مرشد، مصنف اور شاعر سب کچھ تھے، ان کے اوصاف وکمالات نے ان کو طالبان علوم اور طالبان فیوض دونوں کا مرجع بنا دیا تھا، آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں لکھا ہے:۔

علامہ ایست جامع عجائب و غرائب علوم خدا رسی، خازن اسرار العلوم مکتوم۔

وہ ایسے علامہ ہیں جو اللہ تک پہنچانے والے علوم کے عجائب وغرائب کے جامع اور علوم مخفیہ کے اسرار کے دانا ہیں۔

سبحۃ المرجان میں ہے:۔

هو اوحدالزمان ، والجامع بين العلم والعرفان۔	وہ یکتائے زمانہ اور علم وعرفان کے جامع ہیں۔

تذکرہ علمائے ہند میں ہے:۔

یگانۂ روزگار، جامع شریعت وطریقت بود۔	وہ یگانۂ روزگار اور شریعت وطریقت کے جامع تھے۔

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:۔

الشيخ العالم الكبير العلامة كان من كبار الاساتذة لم يكن في زمانه اعلم منه بالنحو واللغة والاشعار وايام العرب ومايتعلق بها، متون اعلىٰ علوم الحكمة۔	وہ شیخ ، عالم کبیر، علامہ اور کبار اساتذہ میں سے تھے، ان کے زمانہ میں نحو، لغت، اشعار، ایام عرب اور ان کے متعلقات کا ان سے بڑا عالم نہیں تھا، نیز علوم حکمت وفلسفہ سے حصہ وافر رکھتے تھے۔

شیخ صاحب اکیس سال کی عمر میں ۱۰۷۲ھ میں تحصیل وتکمیل سے فارغ ہوئے، ۱۰۸۵ھ میں شیخ پیر محمد کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے اور تعلیم وتدریس اور ارشاد وتلقین میں مصروف ہوئے، اس سے پہلے بارہ تیرہ سال کی مدت غالباً درس وتدریس میں گذری اور ۱۰۸۵ھ سے وفات ۱۱۲۶ھ تک اپنے مرشد کی جگہ مسلسل چالیس سال تک علمی اور دینی خدمات انجام دیں۔

شیخ پیر محمدؒ کی وفات اور شیخ غلام نقشبندؒ کی سجادہ نشینی: حضرت شیخ پیر

محمدؒ کی وفات کے بعد شیخ غلام نقشبندؒ کی جانشینی شیخ صاحب کی دینی اور علمی زندگی کے لئے مبارک ثابت ہوئی اسی کے بعد ان کو قبول عام حاصل ہوا، اسی سلسلہ میں ان کے والد کے شاگرد اور خود ان کے استاد میر محمد شفیعؒ نے اخلاص وایثار کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ تلامذہ کے لئے سبق آموز ہے۔

آزاد بلگرامیؒ نے مآثر الکرام اور سبحۃ المرجان میں اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ شیخ پیر محمد قدس سرہ کی وفات کے بعد ان کے تمام خلفاء اور مریدوں نے باتفاق رائے میر محمد شفیعؒ کو ان کا سجادہ نشین منتخب کر کے ان کے دہلی سے آنے تک سجادہ کو تہہ کر کے رکھ دیا، میر محمد شفیع نے لکھنؤ آ کر چاہا کہ اپنے بجائے اپنے شاگرد رشید شیخ غلام نقشبندؒ کو سجادہ نشین بنائیں، مگر اس کو اس طرح چھپائے رکھا کہ شیخ غلام نقشبندؒ کو بھی اس کی خبر نہیں دی، اور اس رسم کے لئے ایک دن مقرر کیا، جب لوگ جمع ہو گئے تو سجادہ کو خلفاء ومریدین کے سامنے بچھا کر شیخ غلام نقشبندؒ کا ہاتھ پکڑا اور سجادہ پر بٹھا دیا، اور ان کے سامنے آداب مریدی سے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے، ان کو دیکھ کر تمام حاضرین نے ایسا ہی کیا۔ آزاد بلگرامیؒ لکھتے ہیں:۔

قدر ومنزلت شیخ غلام نقشبند از ینجا تواں دریافت کہ او را شایستہ خلافت دیدہ بجائے پیر نشاند، وآداب مریدانہ بجا آورد، فی الواقع شیخ غلام نقشبند سجادہ را رونق دیگر و او مرجع	شیخ غلام نقشبند کی قدر ومنزلت اسی سے معلوم کرنی چاہئے کہ میر صاحب نے ان کو سجادہ نشینی کے قابل سمجھ کر اپنے پیر کی جگہ پر بٹھایا اور خود آداب مریدی بجا لائے، واقعہ یہ ہے کہ شیخ غلام نقشبندؒ نے سجادہ کو کچھ اور ہی رونق بخشی اور علوم

طلاب ظاہری وباطنی گردید وجہانے را بہ یمن تربیت از کمالات جہتیں گران مایہ ساخت سلسلۂ اکثر فضلائے عصر بہ آنجناب منتہی می شود۔

ظاہری وباطنی کے طالب علموں کے مرجع بن کر ایک دنیا کو اپنی تربیت کی برکت سے علمی وروحانی کمالات سے مالا مال کیا، اس زمانہ کے اکثر علماء وفضلاء کا سلسلۂ درس انہی پر ختم ہوتا ہے۔

تدریس وافادہ: شیخ غلام نقشبندؒ اپنے اقران ومعاصرین میں تعلیمی خدمات تلامذہ کی کثرت اور علمی سلسلہ کی افادیت ووسعت میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ یوں تو ان کے دور میں دیار پورب میں بہت سے علماء وفضلاء اور مشائخ تعلیم وتلقین میں مصروف تھے مگر شیخ صاحب کے تعلیمی وتدریسی سلسلہ سے جتنا فیض پہنچا وہ ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

تذکرہ علمائے ہند میں ہے۔

وتمام عمر گرامی خود بافادہ و تدریس طلبۂ علوم بسر بردہ جمعے کثیر ازافاضل نامدار بسایۂ تربیتش بمراد خود رسیدند وسلسلۂ تعلیم اکثر علمائے ہندوستان بدو می پیوندد۔

شیخ صاحب نے اپنی پوری زندگی طالب علموں کے افادہ وتدریس میں بسر کی، اور فضلاء کی ایک بڑی جماعت ان کے زیر تربیت رہ کر بامراد ہوئی، ہندوستان کے اکثر فضلاء کا سلسلۂ تعلیم ان پر منتہی ہوتا ہے۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے ”کان من کبار الاساتذۃ“ کے جامع الفاظ سے شیخ صاحب کی تعلیمی وتدریسی خدمات کو بیان کیا ہے۔

شیخ غلام نقشبندؒ نے شیخ پیر محمدؒ کی وفات کے بعد ان کی جگہ سنبھالی اور تقریباً چالیس سال تک تعلیمی مشغلہ جاری رکھا، یہ چالیس سالہ دوران کی علمی زندگی کا حاصل ہے، ان کی درسگاہ میں طلبہ کی کثرت اور تعلیمی سرگرمی نے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ کے دور کی یاد تازہ کردی، یوں تو ان کی درسگاہ سے صدہا طلبہ عالم وفاضل بن کر نکلے اور اپنے اپنے دیار میں علمی شہرت کے مالک ہوئے۔مگر ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ بانی درس نظامیہ ان سب میں شیخ صاحب کے سچے جانشین ثابت ہوئے، ان کے واسطہ سے شیخ صاحب کا تعلیمی سلسلہ پورے ہندوستان میں جاری وساری ہوا۔

تلامذہ کے ساتھ شفقت ومحبت: شیخ غلام نقشبندؒ بڑے شفیق مدرس تھے، تلامذہ کے علم وفضل کا اعتراف کرکے خوش ہوتے تھے۔ان کی ترقی درجات کے لئے دعائیں اور نیک تمنائیں کرتے تھے،استاد کی اس شفقت سے طالب علموں کو بڑا فیض پہنچتا تھا، اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔میر عبدالجلیل بلگرامی شیخ صاحب کے نامور شاگرد تھے، جن کے فضل وکمال کا وہ کھلے الفاظ میں اعتراف کرتے تھے،اوران کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہتے تھے۔

شرعی امور ومعاملات میں شدت: شیخ غلام نقشبندؒ خالص دینی اور علمی ماحول کے پروردہ تھے۔ان کے دادا گھوسی کے قاضی اور میر علی عاشقاں سرائمیریؒ کے مرید تھے، ان کی ذات شریعت وطریقت کی جامع تھی، ان کے والد علوم نقلیہ وعقلیہ میں کمال کے ساتھ ساتھ تقویٰ میں نمایاں مقام رکھتے تھے، شیخ عبدالقدوس نظام آبادیؒ اور شیخ پیر محمد لکھنویؒ سے روحانی واحسانی نسبت رکھتے

تھے۔غرض شیخ صاحب کا گھرانہ علم ومعرفت کا مجمع البحرین تھا،اورشریعت کے اوامر ونواہی پر شدت سے عمل کرتا تھا،خود شیخ صاحب علوم شرعیہ کے نامور عالم ومدرس ہونے کے ساتھ علوم باطنیہ میں بھی کامل تھے،شریعت کے معاملات میں مطلق رورعایت نہیں کرتے تھے۔البتہ ان کے علم دین کے جلال میں احسان وتصوف کا جمال بھی تھا،شرعی تقصیر پر سخت نکیر کرتے مگر توبہ کے بعد دلداری ودلجوئی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔مآثر الکرام میں ہے:۔

مزاج اقدس ہمہ مصروف حفظ شریعت بود، وبروفق ''الحب للہ والبغض للہ'' چوں از کسے امرے ناملائم شرع می سرزد غبار سخت بر دامن خاطر والا می نشست، واگر آں کس توفیق توبہ می یافت زیادہ تر از سابق مورد الطاف می گردید۔	آپ کا ذہن ومزاج ہمہ تن شریعت کی حفاظت میں مصروف رہتا تھا،اورالحب للہ والبغض للہ کے مطابق اگرکسی سے کوئی بات خلاف شرع سرزد ہوجاتی تو سخت برہم ہوتے اوراگروہ آدمی توبہ کی توفیق پاجاتا تو پہلے سے زیادہ ان کی شفقت ومحبت کا مستحق ہوجاتا۔

سبحۃ المرجان میں ہے:۔

وكان الشيخ حاميالحمى الشريعة الغراء وحارسا لبيضة الملة البيضاء۔	شیخ صاحب شریعت غراء اورملت بیضاء کے محافظ ونگراں تھے۔

''مآثر الکرام''اور''سبحۃ المرجان''میں درج ہے کہ ایک دن ایک قلندر جو قید شریعت سے آزاد تھا شیخ صاحب کی مجلس میں آیا آپ نے ناراضگی کا اظہار

کرتے ہوئے فرمایا کہ:

این طائفہ را نہ دیدار خدا میسر می شود و نہ شفاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔	اس طبقہ کو نہ اللہ کا دیدار نصیب ہوگا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میسر ہوگی۔

یہ سن کر قلندر نے برجستہ جواب دیا کہ شیخ! ہم قلندروں کو دیدار خداوندی اور شفاعت نبوی میسر ہوگی، البتہ آپ لوگوں کو کچھ نہیں ملے گا، شیخ صاحب نے اس کی وجہ دریافت کی، قلندر نے کہا کہ آپ حضرات نے زندگی بھر گناہ نہیں کیا ہے اس لئے کل قیامت میں بلامواخذہ بہشت میں داخل ہوجائیں گے، اور ہم قلندر غرق عصیان ہیں، اس لئے ہم کو رب العزت تعالیٰ شانہ کے حضور میں پیش کیا جائے گا، اور ہم مٹھی بھر گنہ گاروں کی شفاعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم رنجہ فرمائیں گے، یہ سنتے ہی شیخ صاحب پر رقت طاری ہوگئی اور جلال کی کیفیت جمال سے بدل گئی، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ شیخ صاحب اس کے قائل ہو گئے، واقعہ یہ ہے کہ رحمت خداوندی اور شفاعت نبوی پر بھروسہ کر کے غضب خداوندی کا کام جائز نہیں ہے۔

شعر وشاعری: شیخ غلام نقشبندؒ زندہ دل شاعر وادیب بھی تھے، وہ لسانی وادبی علوم کے مشہور عالم اور اشعار عرب وایام عرب کے ماہر تھے۔ الشعر العربی فی الهند میں ان کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ وہ عربی زبان کے اچھے شاعر تھے، ان کی شاعری میں قدیم رنگ پایا جاتا ہے اور وہ بڑی حد تک عجمی رنگ واثر سے مبرا ہے۔

تلامذہ: شیخ غلام نقشبندؒ کی مختلف الجہات شخصیت تعلیم وتدریس میں ممتاز مقام

رکھتی ہے، ان کا حلقۂ درس مشہور تھا، بہت سے فضلاء نے ان کے دامن میں تعلیم وتربیت حاصل کی، ہندوستان کے اکثر علماء کا تعلیمی سلسلہ ان کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔ وہ فقہ، اصول فقہ، عربی ادب اور حکمت وفلسفہ کے زبردست عالم تھے، اور ان کی درسگاہ سے بقول آزاد بلگرامی ایک جہان اور خلق کثیر نے فیض اٹھایا۔ ۱۰۸۵ھ سے ۱۱۲۶ھ تک تقریباً چالیس سال علوم اسلامیہ کا درس دیا، اور ہزاروں طلبہ نے ان سے تعلیم حاصل کی، ان میں سے ملا نظام الدین لکھنوی متوفی ۱۱۳۳ھ بانی درس نظامی، اور مفتی شرف الدین لکھنوی متوفی ۱۱۳۳ھ ہیں۔

تصانیف: شیخ غلام نقشبندؒ تعلیم وتدریس کے ساتھ صاحب تصنیف وتالیف بھی تھے، متعدد علوم وفنون میں ان کی تصانیف ہیں، تذکرہ نگاروں نے حسب ذیل کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

(۱) انوارالقرآن، اس میں ربع قرآن کی تفسیر مع حاشیہ کے ہے۔ (۲) فرقان الانوار، (۳) تفسیر سورۂ اعراف مع حواشی، (۴) سورۂ کریم، (۵) تفسیر سورۂ طٰہٰ، (۶) تفسیر سورۂ محمد، (۷) تفسیر سورۂ یوسف، (۸) تفسیر سورۂ الرحمٰن، (۹) تفسیر سورۂ عم مع حواشی، (۱۰) تفسیر سورۂ کوثر، (۱۱) تفسیر سورۂ اخلاص، (۱۲) تفسیر ’’اللہ نور السمٰوٰت والارض‘‘ وغیرہا۔

وفات: شیخ غلام نقشبندؒ کے سوانح نگار متفق ہیں کہ ان کی وفات آخری رجب ۱۱۲۶ھ میں لکھنؤ میں ہوئی، اور اپنے استاذ مرشد حضرت شیخ پیر محمد لکھنویؒ کے مزار کے قریب ٹیلہ پیر محمد شاہؒ میں دفن کئے گئے، ان کی پیدائش ذوالحجہ ۱۰۵۱ھ میں ہوئی تھی، اس حساب سے وفات کے وقت تقریباً ۷۵ سال کی عمر تھی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

اولاد: اولاد امجاد میں صرف ایک صاحبزادہ شیخ احمد کا حال معلوم ہے، جو اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے مدرسہ اور خانقاہ میں ان کے جانشین ہوئے، لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے۔ پہلے اپنے والد شیخ غلام نقشبندؒ سے پڑھا، پھر ملا نظام الدینؒ سے تکمیل کر کے شیخ پیر محمدؒ کے مدرسہ اور خانقاہ میں ان کی تدریس و مشیخت کی مسند پر بیٹھے اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری کیا، اپنے والد کی طرح شیخ احمدؒ بھی فقہ، اصول فقہ، عربیت وغیرہ میں نامور تھے، بہت سے علماء نے ان سے استفادہ کیا، ۱۱۵۹ھ میں فوت ہوئے اور ان کے صاحبزادے شیخ قطب الہدیٰ ابن شیخ احمد بن شیخ غلام نقشبندؒ نے تدریس وارشاد کی جگہ سنبھالی۔

(دیار پورب میں علم اور علمائ: ص ر ۴۲۵)

ف: بہت ہی فخر کی بات ہے کہ گھوسی ضلع مئو جو ہمارے قریہ کاریسا تھ کے جانب شمال تین کیلومیٹر پر واقع ہے جو اتنے بڑے عالم کی جائے پیدائش ہے۔ جیسا کہ جانب جنوب فتح پور تال نرجا آباد ہے جو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی جائے ولادت اور وطن ہے۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآئ۔** مگر اب تک صحیح تحقیق نہ ہو سکی کہ ان کا مکان کس محلہ میں تھا، غالب گمان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیسواڑہ کے متصل محلہ قاضی پوران کا مولد رہا ہوگا اور ان کے خاندان کے لوگ وہیں مقیم رہے ہوں گے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم (مرتب)

حضرت شیخ عبدالاحد سرہندیؒ متوفی ۱۱۲۶ھ

نام ونسب: نام عبدالاحد، عرف شاہ گل، تخلص وحدت، والد کا نام خازن الرحمہ شیخ محمد سعید ابن مجدد الف ثانی سرہندیؒ۔ آپ مجدد الف ثانیؒ کے پوتے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۴۹ھ بمقام سرہند ہوئی، تاریخی نام ''عبدالاحد جیو'' ہے۔

فضل وکمال: حضرت خازن الرحمۃ کو آپ سے بہت زیادہ انسیت تھی اور آپ کو ''گل'' کہا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ گل آپ کا عرف ہو گیا۔

فطری سعادت اور پھر خانوادۂ تجدید وولایت کی فرزندی کے اقتضاء کے بموجب آپ عہد طفولیت سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔

اپنے خاندان کے طریقہ کے مطابق سولہ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل سے فراغت حاصل کر لی۔ اسی عمر میں والد صاحب کی رفاقت میں سفر حج کی دولت میسر آئی۔ آپ نے حالات سفر ومکاشفات حرمین شریفین کے متعلق عربی زبان میں سفر نامہ تحریر فرمایا جس کی فصاحت وبلاغت حیرت انگیز مانی گئی۔

والد صاحب کی وفات کے وقت آپ سن مبارک کی اکیسویں سال پورے فرما رہے تھے، مگر سلوک وطریقت کے مراحل آخری حد تک طے فرما چکے تھے۔

والد صاحب کی وفات کے بعد عم محترم حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے استفادہ کیا۔ ان دونوں بھائیوں (خواجہ محمد سعید صاحبؒ وخواجہ محمد معصوم صاحبؒ) کے طریقۂ تربیت اور مناسبتوں میں بہت تفاوت تھا مگر آپ ان دونوں نسبتوں کے لئے مجمع البحرین تھے۔

آپ کے کمالات، کرامتوں اور بشارتوں کی فہرست بہت طویل ہے۔سوانح نگار حضرات نے کافی خامہ فرسائی کی ہے۔مگر''کرامات اولیاء حق'' کے عقیدہ کے باوجود اس کتاب کا دامن اس دریائے بے پایاں کے احاطہ سے قاصر ہے۔

ادب واحترام: احترام اکابر بہت بڑی سعادت ہے اور تمام سعادتوں کا زینہ، حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب بڑے بھائی کی تعظیم یہاں تک کرتے تھے کہ آپ کی سواری کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب تک بڑے بھائی کی خدمت میں بیر پیش نہ کر دیتے اپنے گھر کی بیری کے بیر نہ تناول کرتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالاحد صاحبؒ اپنے عم محترم اور شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ کی خالی مسند کی جانب بھی کبھی پشت نہ کرتے تھے۔

ف: اسی ادب ہی کی بدولت تو اس مقام عالی تک پہنچے جو اس زمانہ میں عنقاء ہوتا جا رہا ہے۔اسی وجہ سے کمالات باطنی سے محرومی عام ہے۔(مرتب)

اکل حلال کی فضیلت: اکل حلال کے بغیر روحانی کمالات کے دروازے نہیں کھلتے۔مستجاب الدعاء ہونے کے لئے اکل حلال شرط اول ہے۔اس سلسلہ میں حضرت موصوف کے احتیاط کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ ایک مرید حاضر خدمت ہوا۔تو آپ نے فرمایا،تم سے بدبو آتی ہے،شاید تم نے حرام کھایا ہے۔

مرید نے عرض کیا، حرام سے پورا پرہیز کرتا ہوں۔ البتہ ایک شخص کے ساتھ ایک دنیادار کے گھر دعوت میں چلا گیا۔

آپ نے فرمایا تین روزے رکھو۔ اس کے بعد توجہ کے لئے آنا۔

ف: سبحان اللہ یہ تھی سالکین راہ کی اصلاح وتربیت جس کی وجہ سے باطنی دولت سے مشرف ہوئے۔ (مرتب)

کرامات: سرہند کے حاکم نے ایک مرتبہ عوام پر کچھ زیادتی کی، جس سے شیخ کو ملال ہوا۔ اسی ہفتہ وہ عتاب سلطانی میں ماخوذ ہوگیا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے افعال سے توبہ کی اور دعا کی التجا کی۔ حضرت نے اس کی بشارت دی کہ فلاں روز بادشاہ تمہارا قصور معاف کردے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حاکم مذکور نے ایک باغ اور کچھ تحفے خدمت شیخ میں پیش کئے، مگر وہ سب واپس کردیئے گئے کیونکہ مال مشکوک تھا۔

ف: سبحان اللہ مشکوک مال سے کس قدر احتراز تھا، اسلئے ہمارے بزرگان دین اکل حلال کو اس طریق کے سالکین کے لئے لازم قرار دیتے ہیں۔ (مرتب)

آپ کا صبر وتحمل: صبر وتحمل، عفوودرگذر اور حسن اخلاق مومن کامل کے مفہوم کا جزو اعظم ہے، مگر ولی اللہ کا صبر، گستاخی کرنے والے کے لئے سامان ہلاکت ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ

ایک مرتبہ ایک عورت نے حضرت موصوف کے روبرو آپ کی شان میں ناشائستہ کلمات کہے، آپ نے صبر فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے حاضرین میں سے کسی سے فرمایا۔ اس کے طمانچہ ماردو۔ اس نے توقف کیا، وہ عورت دفعتاً گری

اور مر گئی۔اس کے بعد حضرت شیخ نے اس شخص سے جس کو مارنے کا حکم فرمادیا تھا فرمایا کہ تمہاری سستی اس کی موت کا سبب بن گئی۔ جب اس عورت نے ناشائستہ کلمات کہے اور میں نے صبر کیا، تو میں نے دیکھا کہ غیرت الٰہی انتقام کے لئے حرکت میں آئی، میں چاہتا تھا کہ میری جانب سے بدلہ ہو جائے تا کہ غیرت الٰہی کا قہر فرو ہو جائے، مگر ایسا نہ ہوا جس کی وجہ سے وہ مر گئی۔

ف: اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاً بزرگوں کی ایذاء سے بچائے۔ ثانیاً اگر کسی بزرگ کے ساتھ بدسلوکی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے معاف فرما کر اپنے قہر وغضب سے محفوظ رکھے۔ آمین (مرتب)

تخلص وحدت: آپ کی طبع مبارک نہایت موزوں اور رنگین واقع ہوئی تھی۔ اشعار سے آپ شوق فرماتے تھے۔ وحدت تخلص تھا۔ آپ کا ایک شعر ہے ؎

خانہ زیں ست دنیا عیشِ او پا در رکاب　　　شہسوارست آنکہ زینجا زود دامن چید و رفت

(علماء ہند کا شاندار ماضی: ج/۱ص/۲۹۷)

خواب: نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ارادہ کیا کہ گوشہ نشینی اختیار کریں۔ اور لوگوں کی آمد ورفت موقوف کر دیں کہ اسی اثناء میں ایک شب آپ کے بھائی شیخ سعد الدینؒ نے خواب میں دیکھا کہ بارگاہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائم ہے۔ وہاں ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گل چاہتا ہے کہ سیر کوہسار کرے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گل سے کہہ دو کہ سیر کوہسار موقوف رکھے کہ ہم نے عالم کے کام کو اس کے سپرد کیا ہے۔ اس خواب کو سن کر حضرت خود متوجہ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ

عزلت اور ترک تلقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک نہیں ہے۔ فرمایا کہ ایک شب مجھ کو جنت کے باغوں کی سیر کا اتفاق ہوا جس وقت جنت میں داخل ہوا۔ اور حوض عظیم کے قریب پہنچا۔ اس میں فوارے جاری تھے۔ اس میں سے چند قطرے اڑ کر میرے بدن پر آ کر پڑے، ان کے اثر سے پیر تک تمام بدن میں شیرینی سرایت کر گئی۔ فرمایا کہ اس معاملے کو گیارہ بارہ سال سے زیادہ گذر گئے ہیں، مگر اس پانی کی شرینی کا اثر ابھی تک میں اپنے وجود میں پاتا ہوں۔

نقل ہے کہ ایک روز آپ نے فرمایا کہ مجھے منجانب اللہ یہ معلوم ہوا ہے کہ مجھ کو فتوحات ظاہری و باطنی عنقریب ہونے والی ہے۔ اسی عرصہ میں حضرت کو سرہند کے قصبات کی سیر کا اتفاق ہوا۔ اور آپ ایسے مغلوب الحال اور ساکت الکلام ہو گئے کہ اگر بضرورت اتفاقاً کلام کرنا ہوتا تو الفاظ یا آیات قرآنی سے فرما دیا کرتے۔ جب افاقہ ہوا اور طالبان خدا کی جانب متوجہ ہوئے اور بعض یاروں نے استفسار حال کیا تو فرمایا بکمال لطف الٰہی اس احقر کو خلعت رضا سے سرفراز فرمایا اور ظاہری فتوحات کا یہ ظہور ہوا کہ شہزادی زیب النساء نے بلا وہم وگمان پانچ ہزار روپئے خانقاہ کے واسطے بھیج دیئے۔

ف: باطنی نعمت کے حصول کے ساتھ ظاہری نعمت جو شاہزادی زیب النساء کی طرف سے دستیاب ہوا اس کا بھی ذکر فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نسلاً بعد نسل اور جملہ منتسبین کو باطنی فتوحات کے ساتھ ظاہری فتوحات سے بھی مشرف فرمائے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میرے بھائی کے دو فرزند پیدا

ہوں گے ان کے یہ یہ نام ہوں گے۔ اور ایسی ایسی شکل ہوگی۔ حالانکہ ابھی ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ بعد شادی دولڑکے اسی صورت کے آپ کے بھائی کے گھر پیدا ہوئے۔ اوران کے نام بھی وہی رکھے گئے۔

نقل ہے کہ جب کوئی شخص آپ سے فرزند نرینہ کے واسطے ہمت وتوجہ چاہتا۔ آپ اس کو بشارت دیتے تو ساتھ ہی اس کی شکل وصورت بھی بتلایا کرتے تھے کہ ایسی ہوگی۔ چنانچہ ویسی ہی ہوتی۔ (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ: ص/۲۸۰)

وفات: ۲۷/ذی الحجہ ۱۱۲۶ھ بروز جمعہ بعارضہ حبس بول ودرد مثانہ اٹھتر سال کی عمر پاکر انتقال فرمایا۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی مسجد کی مشرقی جانب سرہند میں آپ کو دفن کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ (علماء ہند کا شاندار ماضی: ج/۱ ص/۲۹۷)

حضرت ملا محمد حفیظ جون پوریؒ متوفی ۱۱۲۸ھ

نام ونسب: نام محمد حفیظ، والد کا نام ابوالبقاء بن درویش محمد حسینی ہے۔

فضل وکمال: علوم ظاہری از ابتداء تا انتہا اپنے چچا مفتی سید مبارکؒ سے حاصل فرمایا اور تھوڑے زمانہ میں زبردست عالم وفاضل ومحقق دنیا میں مشہور ہوئے۔ آپ کی فضیلت کا شہرہ دنیا میں بہت بلند ہوا۔ آپ ستودہ اطوار اور صاحب تقویٰ تھے، بجز درس وتدریس وذکر الٰہی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوئے۔ آپ کا دل دنیا سے متنفر تھا۔ جب آپ کی فضیلت کا شہرہ سلطان عالمگیر تک پہنچا تو سلطان عالمگیر نے بکمال آرزومندی آپ کو دہلی آنے کے لئے خط لکھا۔ مگر آپ نے جواب میں دہلی جانے سے انکار کردیا۔ بالآخر بادشاہ نے اپنا ایک مصاحب حضرت ملا محمد حفیظ کی خدمت میں بھیجا جس نے حاضر ہوکر منت وسماجت بادشاہ کی آرزو وملاقات عرض کرکے آپ کو دہلی تشریف لے جانے پر تیار کرلیا۔

عبرت کا واقعہ: جس وقت حضرت ملا محمد حفیظ اندر دہلی میں داخل ہوئے۔ حسن اتفاق سے ایک مردہ پان کھائے اور چہرے پر ہنسی کے آثار نمایاں نہر علی مردان خان میں پڑا ہوا تھا۔ ایک فقیر آزاد مشرب نے ملا محمدؒ کی پالکی پکڑ کر مردہ کی طرف اشارہ کرکے یہ شعر پڑھا ؎

عیش دنیا را بقائے نیست دیدی غنچہ را　　　یک تبسم کرد باقی در پریشانی گرفت

ترجمہ: عیش دنیا کو بقا نہیں ہے، کلی کی طرف دیکھ کہ ایک مسکراہٹ کے بعد

پریشانی میں آ گئی، اور پھول بن کر مرجھا گئی ہے ایسی ہی دنیا اور اس کا عیش ہے۔

حضرت ملا حفیظ یہ شعر سن کر اتنا متأثر ہوئے کہ محویت میں پالکی کا رخ جون پور کی طرف پھیر دیا۔ بادشاہ کے مصاحب کی منت سماجت کا کچھ خیال نہ کیا۔ جونپور واپس آئے اور تا زندگی گوشہ نشیں ہو کر توکل کے ساتھ بسر کیا ہے۔

اولیاء اللہ کی صحبت کی زبردست تاثیر: ان کی صحبت کیمیا اثر سے برے اخلاق اچھے اخلاق میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے لوگ ان کی شان میں اپنی زبان سے نازیبا کلمات نکال کر بارگاہ الٰہی سے مردود ہو جاتے ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں ان اولیاء اللہ کی صحبت کی تاثیر کا قیامت تک بیان کروں تو وہ ختم نہ ہوگا ؎

تا قیامت گر بگویم زیں کلام صد قیامت بگذرد ویں ناتمام

یعنی اولیاء اللہ دلوں کو پیغام دیتے ہیں اور اسرار الٰہی سناتے ہیں۔ اولیاء اللہ کا شاہانہ مزاج ہوتا ہے اور مریدوں کی اصلاح کے لئے ان سے خدمت گذاری کے خواہاں رہتے ہیں۔ مرید کے لئے مخصوص ذکر وفکر کافی نہیں ہے۔ شیخ کے آداب کا بجالانا بھی ضروری ہے۔ جب شیخ کی پوری اطاعت ہوتی ہے، تب کہیں وہ نسبت کی امانت مرید کے سپرد کرتا ہے، جس کو بھی باطنی دولت ملی ہے اس کو خدمت اور ادب سے حاصل ہوئی ہے۔

اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ شیخ کے شایان شان ادب واحترام اور دلی تعلق ضروری ہے۔ غیر مناسب ادب سے اس میں شکر گذاری کی کیفیت نہ پیدا ہوگی۔

وفات: حضرت ملا حفیظ جونپوری کا وصال ۳۰ / شوال ۱۱۲۸ھ مطابق ۱۷۱۵ء کو ہوا اور جونپور میں دفن ہوئے۔ قبر پختہ مفتی محلہ شہر جونپور میں ہے۔ (تاریخ شیراز ہند جونپور: ج/ ۲ ص/ ۱۶۸۱)

حضرت شیخ احمد عرف ملا جیون امیٹھویؒ متوفی ۱۱۳۰ھ

نام ونسب: نام احمد، عرف ملا جیون، والد کا نام شیخ ابوسعید ہے، یہ شیخ عبداللہ مکیؒ کی اولاد میں سے تھے۔

ولادت: ۲۵ / شعبان ۱۰۴۷ھ بروز منگل صبح کے وقت امیٹھی میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم: اپنے والد کے آغوش میں تربیت پائی، سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، اور دیگر علوم کی تحصیل میں مشغول ہوگئے، جب تیرہ سال کے ہوئے تو ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اکثر کتابیں شیخ محمد صادق سترکھیؒ اور کچھ کتابیں مولانا لطف اللہ کوڑہ جہان آبادیؒ سے پڑھا۔ بائیس سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہوگئے۔ اور فراغت کے بعد اپنے ہی شہر میں درس دینے لگے۔

(اردو ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج/۶ ص/۴۷)

وضع قطع: حضرت ملا صاحب سادہ وضع، تکلفات رسمی سے قطعاً بے گانہ، مگر حافظہ نہایت قوی تھا۔ کتب درسی کی پوری پوری عبارتوں کے حافظ تھے، بڑے سے بڑے قصیدے ایک مرتبہ سننے سے یاد ہوجاتے تھے۔ تمام زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں صرف کی۔

(علماء ہند کی شاندار ماضی: مولانا سید محمد میاں دہلویؒ)

حدائق حنفیہ میں آپ کے فضل وکمال کا تذکرہ یوں ہے:

فقیہ، محدث، اصولی، جامع معقول ومنقول، علامۂ وقت اور حضرت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے استاد مکرم تھے۔ آپ کا نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ اول کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ آپ شہر امیٹھی میں جو مضافات لکھنؤ سے ہے پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، پھر اطراف واکناف کے علماء وفضلاء کی شاگردی اختیار کی۔ اخیر میں مولانا لطف اللہ کوڑہ جہان آبادیؒ ضلع فتح پور ہنسوہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں تک کہ سولہ سال کی عمر میں علوم دینیہ اور فنون لطیفہ کی تکمیل سے فراغت پائی۔ اور اکیس سال کی عمر میں آپ نے ۱۰۶۹ھ میں تفسیر احمدی کو ان احکام فقہیہ کی تشریح میں جو قرآن سے مستنبط ہوتے ہیں تصنیف کیا۔ بعد ازاں حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں بعض طلباء کی استدعاء سے اٹھاون سال کی عمر میں اصول منار کی شرح مسمیٰ بہ نور الانوار تصنیف فرمائی جس کو علماء نے قبول فرمایا اور نصابِ درس نظامیہ میں داخل فرمایا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (حدائق حنفیہ: ص ر ۴۵۴)

تاریخ جون پور مؤلفہ سید محمد اقبال جونپوریؒ میں آپ کے فضل وکمال کو یوں بیان کیا گیا ہے:

فضل وکمال: آپ کا شمار عہد شاہجہانی کے اعظم العلماء وافضل الفضلاء میں تھا، لیکن آپ اپنی عرفیت میں ملا جیون ہی کے لقب سے مشہور ہیں۔ حضرت ملا جیونؒ تمام علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ و مالا مال تھے۔ زہد وتقویٰ، پابندیٔ شریعت وطریقت میں آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا، ظاہری آراستگی اور نام ونمود سے سخت پرہیز تھا۔ توکل آپ کا شیوہ تھا۔

شاہ جہاں بادشاہ کی دعوت: تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ جب شاہ جہاں بادشاہ کوشہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم وتربیت کے لئے ایسے استاد کی ضرورت ہوئی جوعلوم ظاہری کے علاوہ اخلاق وعادات اورآداب نبوی کے طریقہ پرتعلیم دے سکے،اورشاگردکواسلامی سانچے میں ڈھال کرسچاوپکادیندارمسلمان بناسکے۔

پس پہلے دہلی اوراس کے قرب وجوار میں ایسے استاد کی تلاش ہوئی مگرکوئی ان شرائط کو پورانہ کرسکا۔ پھرجون پور پرنظر پڑی اورحاکم جون پورکو بلایااور بادشاہ نے اپنا منشاء ظاہرفرمایا۔حاکم جون پورکوحضرت ملا جیونؒ سے ذاتی واقفیت تھی اور آپ کے زہد وورع کی وجہ سے بہت عقیدت مند بھی تھا۔ درباری علماء سے مرعوب ہوکرحضرت ملا جیون صاحبؒ کے بارے میں کچھ عرض نہ کرسکااور جونپور واپس ہوگیا۔مگرحضرت ملا جیون کی خدمت میں حاضرہوکران سے بادشاہ کا ارادہ ظاہرفرمایا،لیکن ملا جیونؒ نے دہلی جانے سے صاف انکارکردیا۔ الغرض حاکم جونپور نے بڑی منت وسماجت کرکےآپ کوراضی کیااوردہلی لے جاکر دربار میں پہنچایا،اورآپ کی تعریف وتوصیف کی۔علم وفضل اورکمال کے بہت سے واقعات بیان کئے،اس لئے بادشاہ آپ کا بیحد گرویدہ اورآپ کی سادگی پرقربان ہوگیا۔

ف: غورفرمائیے کہ ایک بادشاہ کواپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا کتنا خیال ہےاس کیلئے کامل معلم،ماہرمربی کی کس قدراہتمام ہےجواس زمانہ میں توعنقاءہی ہے۔(مرتب)

حضرت ملا جیونؒ ایک سیدھے سادے مسلمان تھےاورذکروشغل میں رہتے تھے، چنانچہ السلام علیکم بلندآواز سے کہہ کر دربار میں کھڑے ہوگئے،نگاہ سلطانی نے کئی باراوپر سے نیچے تک دیکھا اورشہزادہ اورنگ زیب کو بلایااور

ملا جیون ؒ سے ملاقات کرائی، اس کے بعد شہزادہ آپ کو لے کر شاہی محل میں چلا گیا، اس کے بعد حضرت ملا جیون ؒ کو بادشاہ کی طرف سے خدمت اتالیقی عطا کی گئی اور اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دینے لگے، رفتہ رفتہ بادشاہ ووزراء اور امراء اور تمام اراکین سلطنت حضرت ملا جیون ؒ کے معتقد وارادت مند ہو گئے۔

ف: یہ سنت کی برکت تھی کہ آپ کے بلا تکلف جرأت کے ساتھ سلام کرنے سے بادشاہ متأثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے ہی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے خصوصاً افشاء سلام جو نہایت اہم سنت ہے، مگر اس کی اتباع سے امت کے خواص تک غافل وکاہل ہیں۔ (مرتب)

شاہ اورنگ زیب کی حضرت ملا صاحب ؒ کو نہایت خلوص سے دہلی آنے کی درخواست: اورنگ زیب جب تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے تو حضرت ملا جیون ؒ کی خدمت میں جونپور عرض داشت لکھا کہ خادم بوجہ خدمات سلطنت ومہمات ملکی کے حاضر ہونے سے قاصر ہے۔ مگر یہ بھی بے ادبی ہے کہ حضور کو دہلی آنے کی زحمت دوں۔ یہ جملہ اس قدر صدق وخلوص اور ادب سے پُر تھا کہ حضرت ملا صاحب ؒ اس سے متأثر ہوئے اور دہلی کے سفر کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آپ کے آمد کی تاریخ ووقت سے مطلع کر دیا گیا۔ مگر کسی وجہ سے حاضری نہ ہو سکی۔ لیکن اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد آپ دہلی پہنچے۔ بڑے ہی اکرام کے ساتھ بادشاہ واراکین سلطنت نے آپ کا استقبال کیا۔ شاہی محل کے اندر آپ کے قیام کا انتظام ہوا۔ حضرت ملا صاحب ؒ نے ایک تھان گزی کا بادشاہ کو ہدیہ میں دے کر فرمایا کہ اس کے سوت کے ہر تار پر کلمۂ طیبہ پڑھ کر اس کو

والدہ نے کاتا ہے۔ پھر اس کے سوت کی پنڈی درود شریف پڑھ کر بنائی ہے۔ پھر حلال پیسے سے اس کی بنائی دی گئی ہے۔ اورنگ زیب نے اس متبرک تھان کو آنکھوں سے لگایا اور چوما پھر سر پر رکھا۔ بعدہ داروغۂ توشہ خانہ کو بلا کر حفاظت سے رکھنے کا حکم دیا۔ اسی طرح نہایت اہتمام سے حلال کمائی کے پیسہ سے والدہ نے گلگلہ بھی تیار کر کے بھیجا تھا، جس سے بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے تھے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء

ف: سبحان اللہ! کیا ادب تھا اپنے استاد مکرم کا کہ اس کے معمولی تحفہ کی ایسی قدر کی، جب کہ شاہی دربار میں ایک سے ایک گرانقدر کپڑے وکھانے آتے رہتے ہیں، مگر بادشاہ کی انتہائی کرامت وشرافت تھی کہ دونوں ہی کی بیحد قدر کی۔ فجز اہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

حاجت روائی کے واقعات: حضرت مخدوم ملا جیونؒ نے اورنگ زیبؒ کے ذریعہ اللہ کی مخلوق کی بڑی حاجت روائی کی ہے۔ اور پریشان حال لوگوں کی درخواستیں وہ خود اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کر کے اس پر حکم لکھاتے تھے۔ مثال کے طور پر اس سلسلہ کے دو واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

پہلا واقعہ: حضرت ملا صاحبؒ جب بادشاہ سے مل کر جائے قیام پر تشریف لے جارہے تھے اور بادشاہ عالمگیر اندر محل میں آرام کے لئے جا چکے تھے۔ جب آپ محل کی ڈیوڑھی پر پہنچے تو ایک سائل پریشان حال آپ کو ملا۔ اور بہت ہی گریہ وزاری کے ساتھ آپ سے کہا کہ میں بار بار آرہا ہوں مگر میری عرضی بادشاہ تک نہیں پہنچ رہی ہے۔ آپ اس کی گریہ وزاری سے بہت متأثر ہوئے اور اس کی عرضی لے

کر بغیر کسی اطلاع کے محل سرا میں بادشاہ کے پاس پہنچ گئے، اور فرمایا، اورنگ زیب
!اس پریشان حال کی عرضی پر حکم دے کر اس کی پریشانی کو دور کر دو، افسوس کہ میں
اس کی پریشانی سے متأثر ہوا جس کی وجہ سے میں تیرے آرام میں مخل ہوا۔ بادشاہ
آپ کو دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا اور عرضی پر مناسب حکم لکھ دیا۔ اور پہرہ داروں کو حکم
دیا کہ آپ کے لئے محل میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور حضرت ملا صاحبؒ سے عرض
کیا کہ آپ بلا کسی خیال کے جب بھی چاہیں تشریف لاویں۔ چنانچہ حضرت
ملا صاحبؒ بادشاہ کو دعا دیتے ہوئے باہر آئے اور سائل کو عرضی واپس کیا۔

دوسرا واقعہ: دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے حضرت ملا صاحب
سے اپنی پریشانی نہایت گریہ وزاری کے ساتھ بیان کی اور کہا کہ میں بھی بادشاہ کی
خدمت میں درخواست لے کر آتی ہوں مگر مجھ ضعیفہ پر کسی کو رحم نہیں آتا ہے۔ آپ
اس کی عرضی لے کر بادشاہ کے پاس محل سرا میں گئے اور کہا کہ اے اورنگ زیب!
اس سائلہ کی درخواست پر قبولیت کا حکم لکھ دے۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور ان کی
ڈاڑھی مبارک کو بہت احترام سے بوسہ دیا اور حکم لکھ کر فوراً دیدیا۔ اور اراکین
ڈیوڑھی کو بہت سخت حکم صادر کیا کہ جب بھی کوئی پریشان حال آئے اس کی عرضی
میرے پاس پہنچائی جائے۔ اور خاص طور سے ایک آدمی کو اس کام پر مقرر کر دیا۔

ف: یہ واقعات بادشاہ کی غریبوں، پریشان حالوں کی ہمدردی و غمخواری پر دال
ہیں ہی، مزید استاد کی غایت درجہ رعایت وادب پر بین ثبوت ہیں۔ اور جس طرح
استاد کے ادب پر دال ہیں اس سے زیادہ حاجتمندوں کے ساتھ شفقت ورحمت پر
خاص طور پر علامت اور نشان ہیں۔ اب جب کہ آپ کی عنایت کا اپنے تمام رعایا

پر یہ حال تھا تو ایسا بادشاہ جو صحیح معنوں میں امام عادل ہو وہ کیسے عام رعایا پر خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ظلم وستم کر سکتا ہے۔ پس دشمنان اسلام عالمگیرؒ کے متعلق جو کچھ ظلم وستم کی باتیں لکھتے ہیں وہ یقینا کذب وافتراء و بہتان ہے، بلکہ ہم وطنوں میں شقاق واختلاف پیدا کرنے کی سازش اور مکر وخداع ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اور حق بات تو یہ ہے کہ منصف غیر مسلم نامہ نگاروں نے بھی اورنگ زیبؒ کی وسعت ظرفی اور عدل وکرم گستری کے بہت سے دلائل وشواہد لکھے ہیں کاش کہ ہمارے وطنی بھائی اس کا مطالعہ کرتے تو حقیقت واضح ہو جاتی اور بدگمانی دور ہو جاتی۔ واللہ الموفق (مرتب)

حضرت ملا جیونؒ فنا فی الرسول تھے: رسالہ ساقی ستمبر ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں ہے کہ ایک روز شب میں بعد فراغت معمولات بادشاہ نے حضرت ملا صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور جب تک کمرے میں روشنی نہیں ہوتی مجھے اندھیرے میں نیند نہیں آتی۔ پریشان ہوں کہ قبر کی تاریکی میں کیسے سوسکوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اے اورنگ زیب تیری یہ پریشانی حق بجانب ہے لیکن جب تو دفن کیا جائے گا تو تجھ پر حقیقت ظاہر ہوگی۔ (اسی طرح جو لوگ کتاب وسنت کا نمونہ اور عاشق رسول ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے کہ) جب سے آفتاب رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زیر زمین جلوہ گر ہوئے ہیں زمین کے تمام طبقات روشن ومنور کر دیئے گئے ہیں۔ تم کو حبیب کبریا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آرام سے پیر پھیلا کر انوار رحمت کے ساتھ سونا نصیب ہوگا۔ والحمد للہ رب العالمین (تاریخ شیراز ہند جون پور: ص ر ۱۲۶۴)

ف: سبحان اللہ! کیسی کرامت بلکہ معجزہ ہے حضور اقدس محبوب رب العالمین علیہ الصلوات والتسلیمات کا کہ آپ کے وساطت سے ہم گنہگار امتیوں کے لئے کہ زیر زمین کے ظلمات کو دور کر کے نورانیت ہی نورانیت فرمادی گئی ہے، اور بطن الارض کو خیر من ظھرھا کا مصداق بنادیا گیا، اب ہم آپ جتنا بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کریں اور حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ اجمعین پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں وہ کم ہی نہیں بلکہ عدم کے برابر ہے۔ پس اللہ ہماری اس کم شکری بلکہ ناشکری کو معاف فرمائیں اور ظاہری وباطنی نعمتوں کو مضاعف ومستزاد فرمائیں۔ ہاں جن لوگوں کو سنت کی پابندی نصیب ہے ان کے لئے یہ سعادت مقدر ہے ہی۔ تاہم امید ہے کہ اس اصول رحمت کے تحت ؂

رشتہ واپس نہ کند ہر کہ گوہر می گیرد　　　می پذیرند بداں را بہ طفیل نیکاں

ترجمہ: بہ طفیل نیکاں بدوں کو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے جیسا کہ جو شخص موتی خریدتا ہے وہ اس کے ساتھ کا رشتہ اور دھاگہ خرید لیتا ہے واپس نہیں کرتا۔

ہم کو بھی انشاء اللہ یہ سعادت میسر ہوگی، اور ہماری قبریں بھی منور ہوں گی۔ وماذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

تصنیفات: آپ کی تصنیفات یوں تو بہت ہیں لیکن ان میں مشہور ومفید چند کتابیں درج کی جارہی ہیں۔ تفسیر احمدی، نورالانوار۔ مناقب اولیائؒ، آداب احمدی وغیرہ۔

ملاجیونؒ کا ایمان اور بلاخوف افتائ: ایک مرتبہ کسی نے حضرت ملاجیونؒ سے کہا کہ حضرت گومتی کا پل چوری ہوگیا ہے، ملا صاحب نے تعجب سے کہا کہ اچھا چوری

ہوگیا، تو دوسرے صاحب نے کہا کہ حضرت پل کو کون چوری کرسکتا ہے تو ملا جیونؒ نے فرمایا کہ پل کا چوری ہونا تو ممکن ہے لیکن مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا ہے۔

ایک دفعہ شاہجہاں نے علماء سے دریافت کیا کہ مفتیوں نے فتویٰ دیا ہے کہ امراء اور بادشاہوں کے لئے ریشم استعمال کرنا جائز ہے، جب ملا جیونؒ کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا، مفتی و مستفتی ہر دو کافر اند (یعنی مفتی و مستفتی دونوں کافر ہیں) جب یہ بات شاہجہاں بادشاہ کو معلوم ہوئی تو ناراض ہوکر ملا جیونؒ کے قتل کا حکم دیدیا، جب ملا جیون کو اس حکم کی اطلاع ملی تو انھوں نے خادم سے فرمایا کہ وضو کے لئے لوٹے میں پانی لاؤ تاکہ ہم بھی اپنی سلاح (ہتھیار) درست کرلیں، یعنی وضو کرلیں اس لئے کہ حدیث پاک ہے کہ ''الوضوء سلاح المومن'' جب اس بات کی اطلاع اورنگ زیب عالمگیرؒ کو ملی تو اپنے والد صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے حضرت ملا جیونؒ کے قتل کا حکم دیا ہے تو وہ یہ فرمارہے ہیں۔ یہ سن کر شاہجہاں نے کہا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے تو انھوں نے مشورہ دیا کہ ان کی خدمت میں تحائف وہدایا خلوص وادب سے پیش کیجئے تو وہ ضرور معاف فرمادیں گے۔ چنانچہ خود اورنگ زیبؒ تحائف کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، جس کو ملا جیونؒ سمجھ گئے کہ معافی کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے، اور فوراً معاف کردیا۔ کما افادہ مصلح الامتؒ

وفات: ۹؍ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ منگل کی رات دہلی شہر میں انتقال ہوا اور دہلی میں حضرت پیر محمد شفیع دہلویؒ کے بغل میں ایک مرتبہ دفن کیا گیا، پھر پچاس دنوں کے بعد امیٹھی یوپی میں منتقل کردیئے گئے، اور خود ان کے ہی مدرسہ میں دفن کئے گئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج؍۶ ص؍۴۸)

حضرت شیخ محمد صدیق سرہندیؒ متوفی ۱۱۳۰ھ

نام ونسب: نام محمد صدیق، والد کا نام خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ ہے، آپ مجدد الف ثانیؒ کے پوتے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۰۵۷ھ میں بمقام سرہند ہوئی۔

تعارف: نقل ہے کہ آپ کی ولادت سے دوسال قبل حضرت عروۃ الوثقیٰؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ایک فرزند بلاواسطہ پیدا ہو۔ چنانچہ ایک روز آپ نے اس بات کو حضرت بی بی صاحبہ کے روبرو بھی فرمایا، آپ مجوب ہوکر فرمانے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے پوتے نواسے دیئے ہیں اب بجائے فرزند بلاواسطہ کے فرزند باواسطہ کی آرزو کیجئے۔ حضرت نے جواب دیا کہ دل بے اختیار اسی طرح چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت شیخ محمد صدیقؒ پیدا ہوئے۔ حضرتؒ کو بوجہ کبرسنی کے ان کی تربیت کا نہایت فکر وخیال تھا کہ مبادا معاملہ خام وناتمام نہ رہ جائے اور بھائیوں کے محتاج ہوں۔

تربیت وتعلیم: جب آپ سن تعلیم کو پہنچے تھوڑی مدت میں قرآن شریف ختم کرکے کتب متداولہ کے پڑھنے میں مشغول ہوئے۔ مگر معاملہ حال کو مقدم رکھا۔ اور گیارہ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور بشارت ولایت احمدی سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ آپ نے یہ خواب اپنے والد ماجد سے بیان کی۔ انھوں نے فرمایا کہ انشاء اللہ تم کو یہ ولایت نصیب

ہوگی۔حتیٰ کہ اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت نے آپ کو بشارت ولایت احمدی عطا فرمائی۔ اور بیس سال کی عمر میں جملہ کمالات وخصوصیات طریقہ سے مثل اپنے بڑے بھائیوں کے سرفراز ہوئے۔

اور اسی اثناء میں آپ کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا، اور دوسرے بھائیوں کی طرح اشاعت طریقہ احمدیہ میں مصروف ہوئے۔آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں آپ کی مقبولیت عام ہوئی۔ اور مدت تک وہاں مقیم رہے۔ بعدہ ہندوستان واپس تشریف لائے۔اس زمانہ میں فرخ سیر بادشاہ تھا۔ وہ آپ کا مرید ہوا۔ اور امراء واعیان سلطنت حلقہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔آپ اکثر مریض رہا کرتے تھے۔اسی سبب سے غذاء مرغوبہ سے پرہیز رہتا تھا۔فرمایا کہ دہی مجھ کو نہایت مرغوب الطبع ہے۔مگر تیرہ سال سے نہیں کھایا۔آپ بکمال علم وعمل وفضل وورع وتقویٰ وحسن خلق وکسر نفسی سے آراستہ تھے۔

وفات: ۵؍جمادی الثانیہ ۱۱۳۰؁ھ بمقام دہلی آپ کا انتقال ہوا۔اور سرہند میں آپ کی نعش مبارک علیحدہ مقبرہ میں متصل مقبرہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ۔ (حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص؍۳۴۶)

حضرت مولانا حافظ امان اللہ بنارسیؒ متوفی ۱۱۳۳ھ

نام ونسب وولادت: شیخ علامہ امان اللہ بن نور اللہ بن حسین بنارسیؒ، ہندوستان کے نہایت مشہور اور متبحر عالم تھے ان کا شمار اپنے دور کے مشائخ کبار اور علماء فحول میں تھا، حافظ صاحبؒ کی شخصیت جامع کمالات تھی، علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت اور یدطولیٰ رکھتے تھے، کئی قابل قدر اور اہم کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ گلستان بنارس کے گلدستۂ علم وفن میں حافظ صاحب گل سرسبد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی ولادت شہر بنارس میں ہوئی۔ سن پیدائش کا صحیح پتہ نہیں، البتہ قاضی محمد اطہر مبارکپوریؒ نے اپنی مشہور کتاب ''دیار پورب میں علم وعلمائ'' میں قرائن کے ذریعہ حافظ امان اللہ صاحب کی پیدائش ۱۰۵۰ھ کے قریب قرار دی ہے، لیکن یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی ہے کیونکہ دستیاب تذکرے اس ذکر سے خالی ہیں۔

تعلیم وتربیت: آپ نے بنارس ہی میں قرآن پاک حفظ کیا۔ دینی علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے لکھنؤ کا سفر کیا وہاں شیخ محمد ماہ دیوگامیؒ [1] (متوفی ۱۰۹۵ھ) شیخ قطب الدین سہالویؒ (متوفی ۱۱۰۳ھ) اور شیخ قطب الدین [2] حسینی

---

[1] ملا محمد ماہ دیوگامی بن عبدالشکور بن شیخ جنید دیوگامی (متولد ۱۰۱۳ھ متوفی ۲۵/جمادی الاخریٰ ۱۰۹۵ھ) تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج/۵ ص/۳۹۸، تذکرہ علماء اعظم گڈھ ص/۳۰۴۔

[2] شیخ قطب الدین (متولد ۱۰۵۱ھ متوفی ۱۱۲۱ھ) تفصیل کے لئے تذکرہ علماء ہند ص/۱۶۹، نزہۃ الخواطر ج/۶ ص/۲۳۳ پر ملاحظہ ہو۔

شمس آبادی (متوفی ۱۱۲۱ھ) سے درس لیا۔ ان کے علاوہ دیگر علماء کرام ومشاہیر زمانہ سے تحصیل علم کیا، اور علوم شریعت، منطق وفلسفہ وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔

سبحۃ المرجان میں ہے:

واخذ العلوم عن علماء الزمان وبرع فی المعقول والمنقول وتبحر فی الفروع والاصول۔

منصب صدارت: تعلیم سے فراغت کے بعد شہنشاہ عالمگیر بن شاہجہاں کے حکم سے لکھنؤ میں منصب صدارت پر فائز ہوئے۔ آپ کے قیام لکھنؤ کے زمانہ میں قاضی محب اللہ بن عبدالشکور صاحبِ سلم العلوم (متوفی ۱۱۱۹ھ) بھی لکھنؤ میں عہدۂ قضا پر فائز تھے، دونوں میں باہم علمی مباحثے ہوتے رہتے تھے۔

مولانا غلام علی آزادؒ رقمطراز ہیں:

''قاضی محب اللہ صاحبؒ بہ تقریب قضا دراں بلدۂ فاخرہ مجتمع بودند وباہم طریق مباحثہ علمی مسلوک می داشتند''

حلقۂ تدریس: تعلیم وتدریس کے فطری ذوق اور طبعی رجحان کی بناء پر عہدۂ صدارت کو جلد ہی خیر باد کہہ کر وطن مالوف تشریف لے آئے، اور علمی وروحانی فیض جاری کیا۔ جو بھی آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گیا وہ خود بھی مقتدی اور امام بن گیا۔ استاذ زمانہ، بانی درس نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ نے بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مولوی الطاف الرحمٰن بارہ بنکویؒ لکھتے ہیں:

ملا نظام الدین بن ملا قطب الدین شہیدؒ استاد الہند، مرجع علماء اپنے والد

کی شہادت کے بعد ملا علی قلی جائسیؒ اور ملا امان اللہ بنارسیؒ اور ملا غلام نقشبندؒ سے تکمیل علم کی۔

میر محمد باقر داماد استر آبادیؒ صاحب ''الافق المبین'' (متوفی ۱۰۴۰ سنہ ھ) اور ملا محمود جونپوری صاحب ''الشمس البازغہ'' (متوفی ۱۰۶۲ سنہ ھ) کے درمیان حدوث عالم کے موضوع پر جو مباحثہ ہوا تھا۔ اس پر حافظ امان اللہ بنارسی ہی نے محاکمہ فرمایا تھا۔

تصنیف: فن مناظرہ میں شیخ محمد رشید بن محمد مصطفیٰ جونپوریؒ (متوفی ۱۰۸۳ سنہ ھ) کی مشہور کتاب ''الرشیدیہ'' پر حاشیہ لکھا اور ان کی بہت سی بحثوں کو رد فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد درس کی متداول کتابوں پر مفید ترین حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ مثلاً تفسیر بیضاوی، تلویح، عضدی، حاشیہ قدیم، شرح مواقف، شرح حکمۃ العین، شرح عقائد، اور ملا جلال دوانی وغیرہ۔

ان حواشی کے علاوہ اصول فقہ میں ایک متن ''المفسر فی الاصول'' کے نام سے تصنیف فرمائی اور خود ہی اس کی شرح ''محکم الاصول'' کے نام سے لکھی۔ اور حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کی تصنیف ''التسویہ'' کی شرح لکھی۔

الہ آباد میں روحانی تربیت: حافظ امان اللہ بنارسیؒ زندگی کے آخر ایام میں شاہجہاں آباد سے منتقل ہو کر الہ آباد تشریف لائے۔ اور یہاں شیخ محمد یحییٰ المعروف بہ شیخ خوب اللہ الہ آبادیؒ کی خدمت میں رہ کر سلسلہ نقشبندیہ کے طریقے اور اذکار و اشغال حاصل کئے۔ اور اس میں اس درجہ منہمک ہوئے کہ تمام تر توجہ اسی پر مبذول فرما دی اور سلوک و معرفت کے اس مرتبہ پر پہنچ گئے کہ خود پیر

ومرشد حضرت شیخ خوب اللہؒ نے فرمایا۔اس اجتماع کے بعد جو سید مسندؒ اور خواجہ علاء الدین عطارؒ کے درمیان ہوا تھا بظاہر ایسا کبھی نہ ہوا ہوگا لیکن اس اجتماع میں تم میری خدمت میں ہو، سید مسندؒ سے برتر ہو اور میں خواجہ عطار کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:۔

حضرت شیخ فرمود کہ ظاہراً بعد اجتماعی کہ سید مسند را با خواجہ علاء الدین عطار عطّر مرقدہ اتفاق افتاد ایں قسم اجتماع نہ شدہ باشد لکن شما از سید دریں طریق راجح اید و من در جنب خواجہ رتبہ ندارم۔	حضرت شیخ نے فرمایا کہ بظاہر اس اجتماع کے بعد جو سید مسندؒ کا خواجہ علاء الدین عطار کے ساتھ ہوا کبھی ایسے اجتماع کا اتفاق نہ ہوا ہوگا لیکن تم اس راہ میں سید مسندؒ سے برتر ہو اور میں خواجہ کے مقابلہ میں کوئی مقام نہیں رکھتا۔

حافظ امان اللہؒ نے حضرت شیخ کے جواب میں نہایت عاجزی وانکساری سے عرض کیا۔شما قدم بہ قدم خواجہ اید و من بہ سید مسامے ندارم۔

ترجمہ: حضرت آپ تو خواجہ کے شانہ بشانہ اور قدم بقدم ہیں ہاں میرے لئے سید مسندؒ کے ساتھ برتری کا کوئی امکان نہیں۔(تذکرہ علماء بنارس: ۴۷)

مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ نے اپنی تصنیف ''دیار پورب میں علم وعلمائ'' کے اندر اس وقت کے بادشاہوں اور خانقاہوں وغیرہ کے حالات پر بصیرت افروز مضمون تحریر کر کے حضرت حافظ امان اللہ صاحب بنارسیؒ کے بیعت وخلافت کا تذکرہ فرمایا ہے،عبرت ونصیحت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

دہلی کو روانگی اور واپسی پر شیخ خوب اللہ الٰہ آبادیؒ سے بیعت و ارادت

سلطان عالمگیر کی حکومت کا بیس سالہ دور (۱۰۹۸ھ سے ۱۱۱۸ھ تک) پورے ملک کے لئے امن و امان، عیش و رفاہیت کا دور تھا، خاص طور سے دیار پورب شاہی توجہات وعنایات سے ارباب علم و فضل کے حق میں گلزار تھا۔ اسی زمانہ میں حافظ صاحب نے نشوونما پائی، خود ان کا گھر بھی گلزار بنا ہوا تھا۔ اس پر عالمگیر کی خصوصی توجہ تھی، مگر سلطان کی آنکھ بند ہوتے ہی ایسا انتشار پیدا ہوا کہ پورے ملک میں ابتری پھیل گئی۔ دیار پورب کی علمی و دینی اور روحانی محفلیں اجڑنے لگیں، علماء وفضلاء اور مشائخ سکون و اطمینان کی نعمت سے محروم ہوکر مدرسوں اور خانقاہوں سے نکلنے پر مجبور ہوگئے، ۱۱۳۱ھ میں محمد شاہ بادشاہ ہوا۔ اسی سال اس نے محمد امین نیشاپوریؒ (برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری) کو اودھ کا حاکم بنایا، جس نے یہاں آتے ہی ایک طوفان برپا کردیا، قدیم خانقاہوں اور مدرسوں اور علماء و مشائخ کی جاگیریں ضبط کرلیں، ان کو طرح طرح سے پریشان کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مدرسے اور خانقاہیں اجڑنے لگیں، اور علماء و مشائخ پریشان ہوکر ادھر ادھر کا رخ کرنے لگے۔ آزاد نے مآثر الکرام میں ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے:۔

۱۱۳۰ھ تک اس سرزمین میں علماء کی سرگرمی باقی رہی، یہاں تک کہ محمد شاہ کے آغاز جلوس میں برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری صوبہ اودھ کا حاکم ہوا، اور علاقہ الٰہ آباد، جونپور، بنارس، غازی پور، کڑا مانک پور، کوڑا جہان آباد وغیرہ کے شہروں کو اپنی سلطنت میں شامل کرکے جدید وقدیم علمی اور دینی خانوادوں کے

وظائف یک قلم ضبط کر لئے، جس سے شرفاء ونجباء (شریفوں) کو سخت پریشانی برداشت کرنی پڑی، معاش زندگی اور معیشت کی پریشانی نے وہاں کے لوگوں کو علم سے باز رکھ کر سپہ گری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا، اور پہلے کی طرح درس وتدریس کا رواج باقی نہیں رہا جو مدرسے قدیم زمانہ سے علم وفضل کے معدن تھے یک قلم ویران ہو گئے، اور ارباب کمال کی اکثر انجمنیں برباد ہو گئیں۔ جونپور، الہ آباد، غازی پور، کڑا مانک پور اور کوڑا جہان آباد وغیرہ کی طرح بنارس کے ارباب فضل وکمال بھی محمد امین نیشاپوری حاکم اودھ کے ظلم کا شکار ہو کر جاگیروں اور وظائف سے محروم ہو گئے، حافظ صاحب بھی اس کا نشانہ بنے، ان کے خاندان کو جو مراعات حاصل تھیں وہ ختم کر دی گئیں، اس لئے ان کو آخری عمر میں محمد شاہ کے پاس دہلی جانا پڑا، مگر یہ نہیں معلوم کہ دہلی میں ان کی شنوائی اور وظائف وجاگیر کی واپسی ہوئی یا نہیں ہوئی، البتہ واپسی پر الہ آباد میں حضرت شیخ خوب اللہ الہ آبادی سے بیعت وارادت کا شرف حاصل ہوا، جو اس دور فتن اور پریشانی میں سکون قلب کا باعث بنا، مآثر الکرام میں مجمل طریقہ پر صرف اتنی تصریح ملتی ہے:۔

در آخر ایام حیات از شاہجہاں آباد وارد الہ آباد شد، واز خدمت والائے شیخ محمد یحییٰ المدعو بہ شیخ خوب اللہ قدس سرہ استفادہ طریقہ انیقہ نقشبندیہ نمودو بآں مشغولی ورزید۔	حافظ صاحب اپنی زندگی کے آخری ایام میں شاہجہاں آباد (دہلی) سے الہ آباد وارد ہوئے، اور شیخ محمد یحییٰ المعروب بہ شیخ خوب اللہ قدس سرہ سے طریقہ نقشبندیہ کا استفادہ کر کے اس میں مشغول ہو گئے۔

حافظ صاحب کا سفر دہلی انتقال سے دو تین سال پہلے ہوا تھا، اس کے بعد انھوں نے درس وتدریس سے علیحدہ ہوکر سلوک ومعرفت کی راہ اختیار کر لی، غالباً دہلی میں ان کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی، اس لئے تعلیم وتدریس کے ہنگامہ سے علیحدگی اختیار کر کے روحانی سکون واطمینان کی قلیل مدت میں طریقۂ نقشبندیہ کے اکابر مشائخ میں شمار ہونے لگے۔

شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ کا تعارف: شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ متوفی ۱۱۴۴ھ کا اصل نام محمد یحییٰ ہے، وہ شیخ محمد افضل الہ آبادیؒ متوفی ۱۱۲۴ھ کے برادرزادہ، وداماد اور مرید وخلیفہ ہیں، اصل وطن سید پور ضلع غازی پور تھا، شاہ خوب اللہ تیرہ سال کی عمر میں علوم متعارفہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے، علم شریعت وطریقت کے بحر زخار تھے، پوری عمر اپنے استاذ ومرشد کی تعلیم وتربیت کے مطابق بسر کی، رشد وہدایت کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے تفصیلی حالات اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۹ر پر درج ہیں۔ حافظ صاحبؒ دہلی سے واپسی پر ان سے بیعت ہوئے اور طریقہ نقشبندیہ کے مطابق ریاضت کر کے چند ہی دنوں میں اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے، اور زندگی کے باقی دو تین سال اسی روحانی سکون میں بسر کئے، ان کی روحانی ارتقاء میں خود ان کے خاندانی مذاق اور گھریلو تعلیم وتربیت کو بڑا دخل تھا، ان کے والد شیخ محمد رشید جونپوری اور ان کے بیٹے شیخ محمد ارشد جونپوریؒ کے روحانی فیض سے ''غلام درگہ پیران چشتی'' تھے، اور مفتی وفقیہ اور قاضی کے لباس میں ایک صوفی صافی کی زندگی بسر کرتے تھے، حافظ صاحب اپنے والد کے روحانی فیض سے بہرہ یاب

تھے، لیکن انھوں نے زندگی کا بیشتر حصہ دینی علوم کی تعلیم اور علماء کے انداز پر گذارا، لیکن آخر میں اس چوب خشک میں شاہ خوب اللہؒ کی ایک نگاہ نے آگ لگا دی، مرشد کی نگاہ اور مسترشد کی استعداد سے تھوڑے ہی دنوں میں نسبت نقشبندیہ کے مخصوص اثرات بہ کمال وتمام ظاہر ہو گئے۔ (دیار پورب میں علم اور علمائ: ۳۸۸)

وفات: مولانا حافظ امان اللہؒ ماہر علم وفن، صاحب فضل وکمال، جامع صفات حمیدہ، کثیر التصانیف اور دقیقہ رس وممتاز صدر الصدور ہی نہیں تھے بلکہ وقت کے ممتاز مشائخ میں ان کا شمار تھا، علم ومعرفت اور فضل وکمال کا یہ آفتاب ایک طویل عرصہ تک ضیاء پاشی کرنے کے بعد ۱۱۳۳ھ میں غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تاریخ وفات ''آرایش کاخ'' ہے جس سے ۱۱۳۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ آپ اپنے والد ماجد مفتی نور اللہؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ آپ کا مقبرہ علوی پورہ اسٹریٹ فیلڈ روڈ کے کنارے شہر بنارس میں عالیشان قبے میں ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(تذکرہ علماء بنارس: ص / ۴۳)

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ (دہلوی) متوفی ۱۱۴۲ھ

نام ونسب: نام کلیم اللہ، والد کا نام حاجی نور اللہؒ، دادا کا نام احمد معمارؒ ہے۔

ولادت: شاہ کلیم اللہ دہلوی کی ولادت باسعادت ۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۴۹ء میں ہوئی تھی، خود ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

بست و چہارم جمادی الثانی مولد فقیر است و تاریخ تولد فقیر ''غنی'' است۔

ایک سال پہلے یعنی ۱۰۵۹ھ میں ان کے دادا احمد معمار کا انتقال ہوا تھا۔

خاندان: مناقب المحبوبین میں لکھا ہے: جس کا ترجمہ یہ ہے۔

شاہ کلیم اللہؒ کے دادا احمد معمارؒ شاہجہانی دور کے مشہور ماہرین فن میں سے تھے، جن کو شاہان مغلیہ کی طرف سے نادر العصر کا خطاب ملا تھا۔ اقلیدس، ہیئت، نجوم، ریاضی وغیرہ پر کامل عبور رکھتے تھے۔

تاج محل اور لال قلعہ کو انہیں نے تعمیر کیا تھا۔

انھوں نے ۱۰۵۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کے تین بیٹے تھے، عطاء اللہؒ، لطف اللہؒ، نور اللہؒ، تینوں اپنے زمانہ کے استاد سمجھتے جاتے تھے۔ عطاء اللہ کے متعلق مثنوی میں لکھا ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

نادر عصر خود و مشہور شہر عالم و علامہ و دانائے دہر

لطف اللہ علم ہندسہ کے ماہر تھے۔ مہندس آپ کا خطاب شاہی تھا۔ شعر وشاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے۔

احمد معمار ؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے نوراللہ ؒ تھے، جو شاہ کلیم اللہ ؒ کے والد بزرگوار تھے، عمر میں لطف اللہ ؒ سے چھوٹے تھے لیکن کمالات میں ان سے بڑھ کر تھے۔

نوراللہ اپنے زمانے کے بے مثال خطاط اور خوشنویس تھے، ساتوں قلموں کے ماہر تھے۔ لطف اللہ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ

گنج ہنر آمدہ در مشت او ہفت قلم راندہ سہ انگشت او

دہلی جامع مسجد کی پیشانی پر جو کتبے ہیں وہ نوراللہ ہی کی باکمال انگلیوں کا کرشمہ ہیں، آخر میں بجانب شمال لکھا ہوا ہے۔ کتبہ نوراللہ احمد۔

دلوں کا معمار: شاہ صاحب ؒ کے اسلاف معماری کا پیشہ کرتے تھے لیکن خود ان کو بقول آزاد ''اللہ تعالیٰ نے دلوں کی معماری کے لئے مخصوص کیا تھا'' خود ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: جس کا ترجمہ یہ ہے۔

یہی وہ کام ہے جو تصوف کی روح اور اخلاق کی جان ہے، جس کی اہمیت حضرت نظام الدین اولیاء ؒ نے مولانا فخر الدین مزوری ؒ کو ایک مکتوب میں سمجھائی تھی۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی ؒ کی پوری زندگی عشق خالق اور دلنوازی خلق میں بسر ہوئی تھی۔ ان کو اگر ''معمار قلب'' کہا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔

(تاریخ مشائخ چشت: ص/ ۵۳ ج/ ۵)

تعلیم وتربیت: شاہ صاحب ؒ کی تعلیم وتربیت بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی، خود انھوں نے ابتدائی زمانے میں بڑی محنت وجانفشانی سے علم حاصل کیا تھا، تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے۔

''در ایام جوانی بہ تحصیل علوم مشغول بودند وکمال علم کردہ بودند'' ان کے اساتذہ میں شیخ برہان الدین المعروف بہ شیخ بہلولؒ اور شیخ ابوالرضا الہندیؒ کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شیخ بہلولؒ سید محمد غوث گوالیاریؒ کی اولاد سے تھے ان کے علمی تبحر کی دور دور شہرت تھی۔ شیخ ابوالرضا الہندیؒ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تایا (چچا) تھے۔ انھوں نے اپنے شاگرد کے ذہن وقلب پر بہت گہرا اثر ڈالا، ان ہی کے ذریعہ سے شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کا رشتہ خاندان ولی اللّٰہی سے مل جاتا ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت: ص/ ٦٥ ج/ ٥)

مدینہ منورہ کی روانگی: تکمیل علوم کے بعد شاہ کلیم اللہؒ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور وہ یک لخت مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ حافظ محمد جمال ملتانیؒ سے روایت ہے کہ اوائل عمر میں ان کو ایک کھتری لڑکے سے گرویدگی پیدا ہو گئی تھی اور عشق اس درجہ تک پہنچ گیا تھا کہ ایک لمحہ بھی اس کے بغیر چین نہ پڑتا تھا۔ دلی میں ایک مجذوب تھے۔ جن کے متعلق لوگوں کا عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ صرف اسی شخص کی نذر قبول کرتے ہیں جس کا کام ہونا ہوتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کچھ شیرنی لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ان کی نذر قبول کر لی۔ دوسرے دن شاہ صاحب اس لڑکے کے پاس گئے، اس نے نہایت ہی لطف اور توجہ سے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑی محبت سے پیش آیا۔ لڑکے کی اس ملاطفت سے شاہ صاحبؒ کی طبیعت پھر گئی اور اب شاہ صاحبؒ کی طبیعت اس مجذوب کی طرف راغب ہوگئی۔ مجذوب کی صحبت سے شاہ صاحب میں جذب کی کیفیت پیدا ہوگئی، احترام شرع کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنی حالت کو چھپانے کی حد سے زیادہ

کوشش کرتے تھے۔لیکن جب ضبط نہ ہوسکا اور بالکل مجبور ہو گئے تو مجذوب سے اپنی حالت بیان کی اور امداد کے طالب ہوئے۔انھوں نے جواب دیا۔

اگر آتش ازیں قسم خواہند نزد من بسیار است وآب نزد حضرت شیخ یحییٰ مدنی است آنجا بروید۔	اگر اس قسم کی آگ چاہتے ہو تو میرے پاس بہت ہے لیکن پانی حضرت شیخ یحییٰ مدنی کے پاس ہے وہاں جاؤ۔

شاہ صاحب جن کا قلب وجگر اس آگ سے پہلے ہی جل چکا تھا اور جن کی تشنگی کسی ابر کرم کی منتظر تھی شیخ یحییٰ مدنیؒ کا نام سن کر بے اختیار مدینہ منورہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ان کی والدہ ماجدہ حیات تھیں لیکن جذبۂ شوق نے اتنی بھی مہلت نہ دی کہ ان سے جا کر اجازت لے لیں۔ان طویل مسافت کو نہ معلوم کن کن مشکلوں سے طے کیا اور بالآخر شیخ یحییٰ مدنیؒ کے قدموں میں جا پہنچے۔(تاریخ مشائخ چشت:ص/۶۸ ج/۵)

شیخ یحییٰ مدنیؒ کے قدموں میں: مدینہ منورہ پہنچ کر شاہ کلیم اللہ صاحبؒ اپنا زیادہ وقت شیخ مدنیؒ کی خدمت میں گذارنے لگے۔ایک دن شیخ مدنیؒ اپنے کسی شاگرد کو شرح وقایہ پڑھا رہے تھے۔شاہ کلیم اللہؒ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ شیخ تو علوم ظاہری ہی کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔شیخ مدنیؒ نے اس خطرہ کو محسوس کرلیا اور وہ کتاب شاہ کلیم اللہ کے ہاتھ میں دے دی۔شاہ صاحبؒ کا یہ حال ہو گیا کہ عبارت تک سمجھ میں نہ آئی۔اپنے خیال سے توبہ کی۔پھر شیخ کے تقدس اور علم وفضل سے اس قدر متأثر ہوئے کہ ان کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

کچھ عرصہ شاہ کلیم اللہؒ حجاز میں مقیم رہے۔ شیخ مدنیؒ نے ان کو خرقۂ خلافت سے نوازا اور ظاہری و باطنی نعمت سے سرفراز کیا۔ شاہ صاحبؒ جب وطن واپس ہونے لگے تو انھوں نے ایک کلاہ اور شجرہ دیا کہ دہلی میں شیخ اچھاؒ کو دیدینا۔ شاہ صاحب دہلی پہنچے تو سب سے پہلے ان ہی سے ملاقات ہوئی اور آپس کی محبت اس قدر بڑھ گئی کہ ایک جان دو قالب ہو گئے۔ لکھا ہے:

حضرت شاہ کلیم اللہؒ شیخ اچھا کے جگری دوست بن گئے۔ اوران دونوں کا یہ باہمی تعلق دل کی گہرائیوں تک پہنچ گیا اور محبت و یگانگت کا یہ تعلق تمام عمر باقی رہا۔ (تاریخ مشائخ چشت: ص/۰۷ ج/۵)

درس وتدریس: شاہ کلیم اللہؒ نے دہلی واپس آکر بازار خانم میں اپنا مسکن بنایا اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بازار خانم اس وقت دہلی کا سب سے زیادہ بارونق بازار تھا۔ ایک طرف قلعہ کی دلکش عمارت تھی، دوسری طرف جامع مسجد کا فلک بوس مینار، درمیان میں شاہ صاحبؒ کا مدرسہ تھا۔ غالباً یہ جگہ ان کے خاندان کو شاہجہاں کی طرف سے عطا کی گئی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ قلعہ اور جامع مسجد کے معماروں کے لئے اس سے زیادہ موزوں جگہ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی علمی شہرت بہت جلد اطراف ملک میں پھیل گئی اور دور دور سے طلباء تحصیل علم کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، شاہ صاحبؒ کے مدرسہ کے متعلق شجرۃ الانوار کا یہ بیان بہت اہم ہے کہ بہت سے طلباء ان کی خدمت میں آکر رہتے اور علم حاصل کرتے تھے۔ ان کو کھانا اور کپڑا بھی سرکار سے ملتا تھا۔

خود شاہ صاحبؒ کو حدیث کے درس میں خاص دلچسپی تھی۔ تذکروں میں مرزا مظہر جان جاناںؒ کا ایک واقعہ درج ہے کہ وہ شاہ صاحبؒ سے ملنے کے لئے ایک مرتبہ ان کے مدرسہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کے درس میں مشغول ہیں۔ (تاریخ مشائخ چشت: ص/ ۲۷، ج/ ۵)

توکل کی زندگی: شاہ کلیم اللہؒ کو توکل اور قناعت کی بے پناہ دولت ملی تھی، وہ عسرت اور تنگی کی حالت میں دن گذارتے تھے، لیکن کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا تو کیا معنی، امراء و سلاطین کی نذریں اور جاگیر نامے تک قبول نہ کرتے تھے۔ تکملہ سیر الاولیاء کا بیان ہے:

شیخ کی ملکیت میں لے دے کے محض ایک حویلی تھی جس کا ماہوار کرایہ دس روپیہ آتا تھا۔ شیخ اسی سے گذر اوقات کرتے تھے ۸/ روپئے ماہوار پر ایک مکان کرایہ کا لے رکھا تھا۔ اور باقی دو روپئے میں پورے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ قحط یا دیگر غیر معمولی حالات کے باعث اس مختصر سی آمدنی سے گذر اوقات نہ ہو سکی اور وہ قرض دار ہو گئے۔ ایک مکتوب میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو لکھتے ہیں:

اس زمانے میں جب کہ بارش کی کمی کی باعث ملک میں قحط کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور نو دس آدمی علاوہ مہمانوں کے کھانے والے تھے، اکثر اوقات میں قرض دار ہو گیا۔

لیکن ان حالات کے باوجود شاہ صاحبؒ نے کسی بادشاہ سے کچھ قبول نہیں کیا۔ فرخ سیر نے بہت کوشش کی کہ ان کو خزانہ سے کچھ دیدیا جائے لیکن

انھوں نے ہر بار انکار ہی کر دیا۔

مجالس کلیمی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرخ سیر کے طرز زندگی اور سیاسی ذمہ داریوں کے عدم احساس کے شاکی تھے۔ جمعہ کی نماز آپ جامع مسجد میں پڑھتے تھے، وہاں بادشاہ بھی ہوتا تھا، لیکن آپ کا اس قدر رعب تھا کہ اسے بغیر اجازت بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ (تاریخ مشائخ چشت: ص/ ۳۷ ج/ ۵)

شاہ صاحبؒ کے اخلاق: شاہ صاحبؒ نہایت حلیم الطبع اور خوش مزاج انسان تھے۔ جب کسی شخص کو آپ کی ناراضگی کا خیال ہوتا تو معذرت کا خط لکھتا جس کا آپ اس انداز سے جواب دیتے کہ مومن کا یہ شعر جیتی جاگتی تصویر بن جاتی۔ ؎

نارسائی سے دم رکے تو رکے میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

(تاریخ مشائخ چشت: ص/ ۵۷ ج/ ۵)

شاہ صاحبؒ کے مکتوبات: شاہ صاحبؒ کے مکتوبات میں ایک بے قرار اور بے چین قلب کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ ہر خط میں وہ اپنے مرید کو اعلائے کلمۃ الحق کی ہدایت کرتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں:

جان و مال خود صرف ایں کار کنید، فیض دینی و دنیوی بہ عالم رسانند و ہمہ حلاوت و عیش خود را فدائے آں بندگاں باید کرد۔	اپنی جان اور اپنا مال اسی کام میں صرف کردو دینی اور دنیوی فیض دنیا کو پہنچاؤ اپنا عیش و آرام اور اپنی راحت انسانوں پر فدا کردو۔

آپ کا احساس ملی اسلام کا پیغام ہر کان تک پہنچانے کے لئے مضطرب

تھا، چنانچہ بار بار مریدوں سے کہتے ہیں:

درآں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد وذاکرین کثیر۔	کوشش یہ کرو کہ اسلام ترقی کرے اور ذکر کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو

وہ خطوط میں اور باتیں بھی لکھتے تھے لیکن جس کو بار بار دہراتے ہیں وہ یہی ہے:

بہرحال در اعلائے کلمۃ الحق کوشید واز مشرق تا مغرب اسلام حقیقی بر کنید۔	ہر حال میں کلمۂ حق کی بلندی کے لئے کوشش کرتے رہیں اور (مقصد پیش نظر یہ ہو کہ) مشرق سے مغرب تک حقیقی اسلام پھیل جائے۔

جب عیش پروری اور نفس پرستی میں لوگوں کو گرفتار دیکھتے ہیں تو سمجھاتے ہیں:

اے دوست دنیا جائے نفس پروری وتن آسانی نیست۔	اے دوست دنیا نفس پروری اور تن آسانی کی جگہ نہیں ہے۔

آپ کی تمنا تھی کہ ان کے تمام مریدین اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ اور آپ خلافت اسی مقصد کے پیش نظر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ نظام الدین صاحبؒ نے ایک شخص کے لئے خلافت کی سفارش کی تو جواب میں ارشاد ہوا۔ ’’جب تک اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کمر ہمت نہ باندھی جائے خلافت سے کیا فائدہ۔

بار بار آپ کی زبان سے یہی نکلتا ہے کہ تبلیغ اسلام اور احیائے دین کی

کوشش کرو۔ کیونکہ یہی مسلک ہمارے بزرگوں کا رہا ہے۔اس میں کوتاہی اچھی نہیں۔اپنے مرید محمد علی کو لکھتے ہیں:

''ہمیشہ دراعلائے کلمۃ اللہ کہ پیران من وعن رسیدہ کوشش نمایند''

(تاریخ مشائخ چشت:ص ر ۸۳ ج ر ۵)

شاہ صاحبؒ کا نظام تعلیم وتربیت: آپخود دہلی میں رہتے تھے لیکن دکن کا نظام تعلیم وتربیت آپ کے زیر ہدایت کام کررہا تھا۔معمولی معمولی معاملات میں وہ مرکز سے ہدایت روانہ کرتے تھے،مریدین کا یہ حال تھا کہ بغیر آپ کی اجازت کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے۔ایک خط میں خود نظام الدین صاحبؒ کو لکھتے ہیں:

رحمت خدائے تعالٰی برشما باد کہ بے اجازت قدم برندارند کسے کہ بدولتے رسید بہمیں ادب رسید۔	اللہ تعالٰی کی تم پر رحمت ہو کہ تم نے بے اجازت قدم نہیں اٹھائے جس نے بھی عزت وعظمت اور روحانی سعادت حاصل کی اسی ادب سے حاصل کی۔

خط لکھنے کی تاکید: خطوط کے معاملہ میں وہ نہایت باقاعدگی برتتے تھے۔ خط میں دیر ہوجاتی تو شاق گذرتا۔انتظار میں رہتے اور لکھتے۔

ف: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اطلاع احوال کی بہت تاکید فرماتے تھے۔(مرتب)

(۱) خطوط کے بھیجنے میں دیر نہ کریں۔خط نصف ملاقات ہے۔

(۲) خطوط کے معاملہ کا عذر اگر ہماری طرف سے ہوتو قبول کیا جاسکتا ہے

اور سنا جا سکتا ہے، لیکن اگر تمہاری طرف سے ہو تو نا مقبول و نا مسموع ہے۔

(۳) مکتوب محبت مدت سے نہیں آیا، آنکھیں منتظر ہیں۔

وہ چاہتے تھے کہ مریدین خط بھیجیں تو وہ محض رسمی نہ ہو بلکہ اس میں اپنے پورے حالات وواردات اور تقسیم اوقات کی بابت لکھیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن کن مشاغل میں ان کا وقت صرف ہوتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کے انجام دہی میں وہ کس حد تک سرگرم ہیں۔

کام کے لئے ضبط اوقات کی پابندی ضروری ہے:

پابندیٔ اوقات نہ کرنے والے کے متعلق صاف صاف لکھ دیتے ہیں۔

''ضبط اوقات آنکہ ندارد خسر الدنیا والآخرہ است''

جو شخص ضبط اوقات نہیں رکھتا وہ خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہے۔

سرگرمی اور مشغولیت کی برابر تاکید رہتی تھی۔ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

تم اپنے کام میں اور زیادہ سرگرم ہو جاؤ یہاں تک کہ جو تمہارے پاس پہنچے تمہارا کام کرنے لگے۔

ف: نہ کہ وہ خود تم کو اپنی لایعنی باتوں میں مشغول کر لیں۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ سے میں نے سنا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے پاس ضبط اوقات تھا اس لئے بہت کام ہوا۔ ہم کو اب سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بہت ضروری ہے بغیر اس کے آدمی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ (مرتب)

بعض اوقات خود ہی شاہ صاحبؒ اپنے مریدین کے لئے نظام اوقات متعین فرماتے تھے۔ ایک خط میں فجر کی نماز کے بعد سے لے کر رات تک کا نفلی

اورانفرادی پروگرام بتانے کے بعد اجتماعی پروگرام کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ جو کتاب میں درج ہے۔

ذاتی مطالعہ کے لئے حدیث وفقہ، اخلاق وتصوف، سیر وتاریخ کی کتابوں کی ہدایت فرماتے تھے، مثلاً احیاء العلوم، نفحات الانس وغیرہ۔

شاہ صاحبؒ اپنے مریدوں کے تعلقات کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔ اگر بر بنائے بشریت کوئی جھگڑا یا بدمزگی آپس میں پیدا ہو جاتی تو اس کو جلد رفع کرنے کی کوشش کرتے اور عفو ودرگذر کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ نظام میں خلل واقع نہ ہونے پائے۔ (تاریخ مشائخ چشت: ص/۸۹ ج/۵)

آپ کے مرتب شدہ دستور العمل سے کچھ جید اصول کو نقل کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

دستور العمل: مولانا نظام الدینؒ کو اللہ تعالیٰ سلامتی سے نوازے اور راہ شریعت وطریقت وحقیقت میں مستقیم رکھے۔

اے برادر! میرے اس خط کو اپنے لئے دستور العمل سمجھیں۔ اور اس پر اس احتیاط سے عمل پیرا ہوں کہ کسی فروگذاشت کا امکان نہ رہے، اور راہ اعتدال سے انحراف نہ ہو۔ ان احکام کو ایک ایک کر کے لکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے جو محض اس کی حاضر وناظر ذات کی خاطر تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

اول یہ کہ (زندگی کا مقصد) دوسروں تک خیر کو پہنچانا ہے۔ اور خیر سے مراد یہ ہے کہ جملہ راہوں سے منہ موڑ کر ابدی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات کی جانب رجوع کیا جائے۔ اور اس سے تعلق قائم کیا جائے۔

دوم یہ کہ خیر کو دوسروں تک پہنچانے میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی مقصد نہیں ہونا چاہئے۔

سوم یہ کہ آنے والوں کی کثرت شکر الٰہی کی مستوجب ہے۔ جتنا مخلوق کی آمد میں اضافہ ہو، اتنا ہی شکر الٰہی زیادہ بجالانا چاہئے۔ ہر شخص اپنی قدر و منزلت کا اندازہ خود نہیں لگا سکتا۔ مخلوق کا کسی کی جانب رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کی اس پر مخصوص عنایت کے باعث ہوتا ہے۔ اس سے کبیدہ خاطر نہ ہونا چاہئے، یہ نعمت ہر ایک کو میسر نہیں آتی۔

ف: بہت ہی حکمت اور بصیرت کی بات ہے جو کوئی اللہ والا ہی کہہ سکتا ہے۔ (مرتب)

چہارم یہ کہ جب کوئی آپ سے بیعت ہو تو فوراً ہی اس کو ارشاد و تلقین کی اجازت نہ دیں۔ اور اپنے اوپر قیاس نہ کریں اس لئے کہ اس کے الفاظ بھی عالم دیگر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحت ہے کہ کسی کو اجازت دینے میں احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ طریق کا کام خیر و خوبی کے ساتھ جاری و ساری رہے۔ (مرتب)

پانچویں بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص اوراد و وظائف کی کثرت اور درویشانہ اعمال و مشاغل کی پابندی کے ذریعہ اپنے اندر حصول خلافت کی صلاحیت پیدا کرلے تو ایسے شخص میں اگر علم ظاہر شریعت (کتاب وسنت) ہے تو یہ اچھا ہے اس کو خلافت نامہ لکھ دیں ورنہ اس کو مشاغل واذکار میں مشغولی کی ہدایت کریں۔ (تاریخ مشائخ چشت: ص/۹۲ ج/۵)

نظام خلافت: مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے خلافت کا مکمل

اور مضبوط نظام قائم کیا تھا، ہر کس و ناکس کو خلافت نہیں دی جاتی تھی، نااہل لوگوں کے ہاتھ میں یہ کام پہنچنے کی صورت میں گمراہی اور ضلالت پھیل جانے کا اندیشہ تھا جس کو وہ جا بجا ظاہر بھی کرتے تھے۔ خلافت سے متعلق ان کے اصول یہ تھے۔

خلافت دیئے جانے کے اصول

(۱) خلافت دینے کا مقصد اشاعت اسلام کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔

(۲) خلافت جس کو دی جائے اس کے تفصیلی حالات مرکز کو لکھے جائیں تاکہ اس کی صلاحیت اور اہلیت کا اندازہ ہو سکے۔

(۳) صرف اہل علم کو خلافت دی جائے۔ اس لئے کہ ''در صحبت او ضلالت رواج نخواہد گرفت'' (اس لئے کہ اس کی صحبت میں ضلالت و گمراہی کا شیوع نہ ہوگا)۔

(۴) خلافت کی دو قسمیں کی جائیں۔ خلافت ربانی اور خلافت سلوک۔

(۵) بیعت کرنے کے بعد فوراً اجازت بیعت نہ دی جائے۔

(تاریخ مشائخ چشت: ص/ ۹۷ ج/ ۵)

عورتوں کی بیعت کے متعلق شاہ صاحبؒ کی ہدایت: شاہ نظام الدین صاحبؒ کو دکن میں جو صورت حال پیش آتی تھی اس کے متعلق وہ اپنے پیر و مرشد سے ہدایت و مشورہ طلب کرتے تھے۔ چنانچہ جب عورتوں کو سلسلہ میں داخل کرنے کا مسئلہ پیش ہوا تو شاہ نظام الدینؒ نے اپنے شیخ کو لکھا۔ جواب میں حکم ہوا کہ بیعت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی خلوت سے بچا جائے اور براہ

راست ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت نہ کیا جائے۔ چونکہ مس اجنبیہ حرام ہے۔
(تاریخ مشائخ چشت: ص/۷۹ ج/۵)

اتباع شریعت کی تلقین: حضرت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ روحانی ترقی کے لئے اتباع شریعت کو ازبس ضروری تصور کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ راسخ یہ تھا کہ شریعت سے ہٹ کر روحانی ترقی کے لئے جو کوشش کی جائے وہ نقش برآب ثابت ہوگی۔ چنانچہ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ (۱) راہ راست پر چلنا چاہئے۔ (۲) سب داخلان طریقت کو تاکید کرنی چاہئے کہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھیں اور اپنا باطن عشق مولیٰ سے پیراستہ۔

ان کا عقیدہ تھا کہ جو شریعت پر نہیں چلتا وہ گمراہ ہے اور طریقت وحقیقت کے منازل کبھی طے نہ کر سکے گا۔ فرماتے ہیں:۔

آنچہ در شریعت راسخ نیست، ناقص است بلکہ طریقت وحقیقت اومعلوم کہ حقیقتے ندارد۔ مرد آن ست کہ جامع باشد میاں شریعت وطریقت وحقیقت۔

ترجمہ: جو شخص شریعت میں راسخ نہیں ہے وہ ناقص ہے بلکہ طریقت اور حقیقت کا علم حقیقی نہیں رکھتا، کامل شخص وہ ہے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کا جامع ہو۔

وہ شریعت کو اصل معیار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے کسی شخص کی روحانی بلندی اور پستی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شیخ کے دس صاحب کمال مرید ہوں، اور ہر ایک اپنی علیحدہ وضع رکھتا ہو اور شیخ کو ہر ایک کے متعلق حسن ظن ہو اور عوام بھی اچھا سمجھتے ہوں اور تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ کون شخص قیامت کے دن سب سے افضل

ہوگا تو یہ دیکھو کہ ان دس آدمیوں میں سے کون شریعت کے ساتھ آراستہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو قیامت کے دن یہی شخص سب سے بڑا مرتبہ والا ہوگا۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب شناخت فرمائی۔ (مرتب)

شریعت، طریقت اور حقیقت کا باہمی تعلق اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

معیار حقیقت طریقت است۔ ومعیار طریقت شریعت، آنکہ درچشم او جمال شریعت بیش بود طریقت وحقیقت اتم واکمل بود، علامت وصول بدرجۂ حقیقت این است کہ روز بروز آناً فاناً سالک رادر شریعت قدم راسخ گردد۔

ترجمہ: معیار حقیقت طریقت ہے اور معیار طریقت شریعت ہے، جس کی نظر میں جمال شریعت ہوگی وہ طریقت اور حقیقت میں اکمل ہوگا، حقیقت تک پہونچنے کی علامت یہ ہے کہ روزانہ سالک شریعت میں راسخ ہوتا جائے۔

آگے چل کر وہ ان صوفیۂ خام کی مذمت کرتے ہیں جنھوں نے شریعت کو ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یہ ملحد جنھوں نے شریعت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور ملحدانہ باتیں لقمۂ حیرت حاصل کرنے کے لئے بکتے ہیں اور متشرع لوگوں کو بے حقیقتی کا طعنہ دیتے ہیں سزا کے قابل ہیں۔ ان کی توحید سب بے معنی ہے۔ وہ حال سے خالی ہیں، ایسے احمقوں کی صحبت میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ (تاریخ مشائخ چشت: ص/۹۹ ج/۵)

امیروں کی اصلاح: شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی خانقاہ میں جب دولتمندوں کا ہجوم بڑھا تو ان کو اس سے تکلیف ہوئی اور اس ماحول سے دل برداشتگی اور تنگی کا اظہار کیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کو معلوم ہوا تو لکھا کہ ان لوگوں کو

بھی نظر انداز نہ کرو، احیاء ملت اور ترویج سلسلہ کے لئے جب کوششیں کی جائیں تو سوسائٹی کے کسی حصہ کو نظر انداز نہ کیا جائے، دولت مندوں کو متاثر کرنا بعض دیگر مصلحتوں کی بناء پر بھی ضروری ہے۔

ف: سبحان اللہ ! کیسی مصلحت پر مبنی نصیحت ہے جو مصلح حق ہی کر سکتا ہے۔(مرتب)

تصانیف: شاہ کلیم اللہ نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، مناقب فریدی میں ان کی تعداد بتیس بتائی گئی ہے۔ مثلاً قرآن القرآن بالبیان، عشرۂ کاملہ، سواء السبیل، شرح القانون اور کشکول وغیرہ۔

وصال: آخر عمر میں شاہ صاحبؒ کو نقرس اور وجع المفاصل کے امراض لاحق ہو گئے۔ ایک خط میں جو تقریباً ۸۷/۹۷ سال کی عمر میں لکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

نقرس اور گٹھیا کا مرض نہایت شدت سے ہو گیا ہے، بایاں ہاتھ اور داہنی ٹانگ اور دونوں پاؤں پر ورم ہو گیا ہے، چار مہینے سے صاحب فراش ہوں۔ اس زمانے میں لنگڑاتا لنگڑاتا چند آدمیوں کی مدد سے مکان میں جاتا ہوں، نماز تیمم سے اور بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔

لیکن ان تکالیف کے باوجود وہ اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہے۔

جامع مکتوبات کلیمی نے لکھا ہے:۔

در ہدایت خلق اللہ واعلائے کلمۃ اللہ تا دم واپسیں کوشش بلیغ بکار بردند۔	خلقت کی ہدایت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے آخری سانس تک کوشش کرتے رہے۔

بیماری کی حالت میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو خطوط لکھتے تھے اور ضروری ہدایات دیتے رہتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھی عزیمت جس کو عموماً مصلحین امت اختیار فرما کر امت کو راہ راست پر لانے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔فجزاہم اللہ احسن الجزائ (مرتب)

شاہ صاحبؒ نے ۲۴؍ربیع الاول ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷؍اکتوبر ۱۷۲۹ء کو وصال فرمایا۔انتقال کے وقت یہ شعر زبان پر تھا ؎

غبار خاطر عشاق مدعا طلبی است   بخلوتے کہ منم یاد دوست او بیست

شہر دہلی میں اپنی مسکونہ حویلی میں جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھی، سپرد خاک کئے گئے۔ایک مرید نے تاریخ وفات کہی ؎

کلیم اللہ عارف پاک بودہ   باقلیم بقا ذوقش ربودہ
بپرسیدم چو تاریخ وفاتش   خرد گفتا کہ ''ذات پاک بودہ''
۱۱۴۲ھ

(تاریخ مشائخ چشت: ص؍۱۱۲ج؍۵)

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ متوفی ۱۱۴۲ھ

نسب وولادت: شاہ نظام الدینؒ کا سن ولادت کسی معاصر تذکرے یا ملفوظ میں درج نہیں ہے۔

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ انھوں نے ۸۲ ؍سال کی عمر میں وصال فرمایا تھا۔اس بنیاد پر اگر ان کی تاریخ کا حساب لگایا جائے تو وہ ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں ہوئی ہے۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے ہم عمر تھے، اور ان ہی کے ساتھ وصال فرمایا۔لیکن شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کے طرز سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ نظام الدینؒ ان سے عمر میں کافی چھوٹے تھے۔

شیخ اورنگ آبادی کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔خواجہ محمد عاقل کی سند حدیث میں جو سلسلہ ہے اس میں ان کے صاحبزادے شاہ فخر الدینؒ کو صدیقی بتایا گیا ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت:ص؍۱۲۰ج؍۵)

وطن: شاہ نظام الدینؒ کے وطن کے متعلق کسی معاصر مصنف نے صراحتاً نہیں لکھا ہے۔مناقب فخریہ، شجرۃ انوار، تکملہ سیر الاولیائ، خزینۃ الاصفیاء وغیرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا وطن پورب میں تھا اور وہاں سے تکمیل علم کے لئے دہلی چلے آئے تھے۔سر سید نے ’’آثار الصنادید‘‘ میں ان کا وطن نگراؤں مضافات لکھنؤ بتایا ہے۔بعض شجروں میں بھی ان کی جائے ولادت نگراؤں درج ہے۔

''برکات الاولیاءٔ'' میں ان کا وطن کاکوری لکھا ہے۔ مناقب المحبوبین، انوار العارفین اور سلسلۃ الذہب میں کاکوری اور نگراؤں دونوں درج ہیں۔ اور کسی ایک مقام کے متعلق فیصلہ نہیں کیا گیا۔ مناقب المحبوبین میں لکھا ہے ''وطن اصلی ایشاں در ضلع پورب در قصبہ کاکوری ونگراؤں متصل بلدہ لکھنؤ است''۔

خواجہ حسن نظامیؒ اور نواب مصلح الدینؒ کا خیال ہے کہ ان کا وطن کاکوری تھا۔ خواجہ محمد عاقل کے سلسلۂ حدیث میں شاہ فخر الدین صاحبؒ کی ولدیت اس طرح درج ہے۔ ''ابن الشیخ نظام الدین الغوری ثم الاورنگ آبادی قدس اللہ سرہ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی وطن غور تھا۔ اور وہاں سے وہ یا ان کے اجداد ہندوستان آ گئے تھے۔

دہلی میں آمد: شاہ نظام الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ پھر تکمیل کے لئے دہلی آ گئے کہ دہلی اس وقت ہندوستان کا علمی وروحانی مرکز تھا۔ یہاں انھوں نے شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کا شہرہ سنا اور ایک دن ان کی حویلی میں جا پہنچے۔ وہاں اس وقت محفل سماع منعقد ہو رہی تھی۔ شاہ صاحبؒ کا دستور تھا کہ سماع کے وقت مکان کے دروازے بند کرا دیتے تھے اور پھر کسی نا آشنا شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ شاہ نظام الدینؒ نے دروازے پر دستک دی۔ شاہ کلیم اللہؒ نے آواز سن کر ایک مرید کو اشارہ کیا کہ باہر جا کر دیکھے۔ مرید نے ایک غیر متعارف شخص کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو نام دریافت کیا اور آ کر شیخ سے عرض کیا کہ ایک بے گانہ شخص گدا صورت نظام الدین نامی طالب ملاقات ہے۔ شیخ نے نام سنتے ہی فرمایا کہ جلدی سے اس کو اندر لے آؤ۔ مرید کو

حیرت ہوئی کہ شیخ نے کیوں خلاف معمول ایک ناآشنا بیگانہ شخص کو سماع کے وقت اندر آنے کی اجازت دے دی۔لیکن شیخ نے فوراً یہ کہہ کر ان کی تسلی کر دی۔

ازیں شخص ونام نامی وے | اس شخص سے اوراس کے نام نامی سے
بوئے آشنائی می آید، غیر نیست۔ | آشنائی کی بوآتی ہے، غیر نہیں ہے۔

اور شاہ نظام الدینؒ سے نہایت خلوص ومحبت سے ملے اوران کی ظاہری تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔عرصہ تک شاہ نظام الدینؒ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں رہ کرعلوم ظاہری حاصل کرتے رہے۔

بیعت: اس زمانہ میں دوواقعات ایسے پیش آئے کہ شاہ نظام الدینؒ کی توجہ علوم ظاہری سے ہٹ کرعلوم باطنی کی جانب ہوگئی، وہ دراصل علوم ظاہری کی تحصیل وتکمیل کے لئے شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔لیکن شاہ صاحبؒ علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی میں بھی یگانۂ عصر تھے اور روحانی اصلاح وتربیت بھی بڑی محنت اورتوجہ سے کرتے تھے، اس لئے اس نووارد طالب علم کی طبیعت بھی اس طرف راغب ہوگئی۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ کا ایک مرید شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔شاہ نظام الدینؒ اس وقت کسی کتاب کا سبق لے رہے تھے۔اس مرید نے جب شاہ صاحبؒ کو دیکھا تو مستی کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ ''از خوش دل مست وبے ہوش افتاد''۔

شاہ نظام الدینؒ کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور شاہ کلیم اللہ صاحبؒ سے ان

کی عقیدت وارادت میں اضافہ ہوگیا۔ ایک دن شاہ کلیم اللہ صاحبؒ مجلس سے اٹھے اور فرش کے کنارے تک پہنچے۔ شاہ نظام الدینؒ نے بڑھ کر فوراً جوتے اٹھائے اور صاف کرکے رکھ دیئے۔ شاہ صاحبؒ کو یہ ادا پسند آئی اور انتہائی محبت سے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا: نظام الدین تو ہمارے پاس علوم ظاہری حاصل کرنے آیا ہے، یا فوائد باطنی کے لئے جو زیادہ بہتر اور اچھے ہیں۔ شاہ نظام الدینؒ نے فوراً جواب دیا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

ترجمہ: یعنی میں اپنے آپ کو آپ کے سپرد کردیا، آپ کمی بیشی کا حساب بہتر جانتے ہیں۔ (مرتب)

شاہ صاحبؒ کو یہ شعر سن کر اپنے پیر شیخ یحیٰ مدنیؒ کی وہ پیشین گوئی یاد آ گئی جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ ایک شخص ایسے موقع پر یہ شعر پڑھے گا اور وہ ہماری نسبت کا مالک ہوگا اور اس سے سلسلۂ چشتیہ کو بیحد ترقی ہوگی۔ شاہ صاحبؒ سمجھ گئے کہ ''آمد آں یارے کہ ما می خواستیم'' (یعنی جس کو ہم چاہتے تھے وہ آ گیا) اور اسی وقت ان کو بیعت کرلیا۔

شاہ نظام الدینؒ لشکر شاہی میں: مکتوبات کلیمی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نظام الدین صاحبؒ لشکر شاہی کے ہمراہ دکن گئے تھے اور کچھ عرصہ تک دکن میں ان کی نقل حرکت لشکر ہی کے ساتھ ہوتی رہی تھی۔ ان کے خطوط لشکروں کے ذریعے آتے جاتے تھے اور شاید اسی وجہ سے پیر نے ایک مکتوب میں تاکید کی تھی کہ وہ دکن کے حالات بڑی احتیاط سے لکھا کریں۔ اور یہ

تحریر فرمایا کہ جہاں بھی رہیں اعلائے کلمۂ حق کرتے رہیں۔

چنانچہ شاہ نظام الدین صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق عرصہ تک دکن کے لشکریوں میں تبلیغ و اصلاح کا کام کیا، ان کی کوششیں بہت حد تک کامیاب ہوئیں۔ لشکر کے لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے۔ خود شاہ کلیم اللہ صاحبؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں "دیگر معلوم شد کہ از لشکر دو جوان بسیار از وضع شما محظوظ بودند و تعظیم از مذاق شامی کردند، معلوم شد کہ کمال رشد شناختہ اند"۔

قیام خانقاہ: جب اورنگ آباد میں شاہ نظام الدینؒ نے قیام کا مستقل ارادہ کر لیا تو وہاں اپنے لئے ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی، جو بہت جلد مرجع عوام و خواص بن گئی۔ ابتدائی زمانے میں خلقت کا یہ ہجوم دیکھ کر ان کو تکلیف ہوئی، لیکن بعد میں مرشد کی ہدایت کے بموجب وہ لوگوں سے نہایت خوشی سے ملنے لگے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی ہدایت تھی کہ ہر کس و ناکس کی طرف التفات کیا جائے لیکن "خلقت کے رجوع ہونے اور مریدوں کی کثرت میں خود کو گم نہیں کرنا چاہئے"۔ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ اورنگ آبادیؒ کی خانقاہ کے دس دروازے تھے، ہر در پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا جو حاجتمند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا، اس پر حضرت کی مہر لگا دی جاتی تھی جس کا سجع تھا "ذکر مولیٰ از ہمہ اولیٰ" اور

در رعایت دلہا بکوش نظام دین بدنیا مفروش

حاجتمند یہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا وہ اس کی حاجت برآری کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتا تھا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

گفتگو کا انداز بڑا دلکش اور پر تاثیر تھا۔ اشعار برمحل اور اس انداز میں پڑھتے تھے کہ سننے والا تڑپ اٹھتا تھا۔ ایک مرتبہ عبادت کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے یہ شعر ؎

پس از سی سال این معنی محقق شد بہ خاقانی　　　کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اس انداز میں پڑھا کہ خواجہ کامگار خانؒ پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا۔

تبلیغی جدوجہد: شاہ کلیم اللہ صاحبؒ نے شاہ نظام الدینؒ کو ہدایت کی تھی کہ وہ دکن میں جا کر تبلیغ واحیاء دین کے کام کو اپنا مقصد حیات بنالیں، چنانچہ انھوں نے وہاں پہنچ کر مرشد کے حکم کے مطابق اپنا جان ومال اسی کام میں صرف کر دیا۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ دہلی میں بیٹھ کر ہدایت دیتے تھے۔ شاہ صاحبؒ اپنے مرید کی اس فرمانبرداری سے باغ باغ ہو جاتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ''تم پر اللہ کی رحمت ہو کہ تم بے اجازت قدم تک نہیں اٹھاتے ہو۔ جس کو بھی دولت حاصل ہوئی اسی ادب سے ہوئی''۔

نظام اوقات: فخر الطالبین میں ہے کہ شاہ نظام الدینؒ کو ابتدائی زمانے میں کتابوں سے بیحد دلچسپی تھی، اور مطالعہ میں ان کا بیشتر وقت گذرتا تھا، لیکن اورنگ آباد پہنچنے کے بعد ''غیر از شغل'' کسی چیز سے تعلق نہ رہا اور سارا وقت اسی میں صرف ہونے لگا۔ ذکر میں مشغولیت زیادہ رہتی تھی، انھوں نے اپنے لئے ایک ایسا حجرہ بنوایا تھا جو زنانہ اور مردانہ مکان کے درمیان تھا۔ جب چاہتے اس کو زنانہ بنالیتے اور جب ضرورت ہوتی مردانہ بنالیتے۔

شاہ نظام الدین صاحبؒ صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد حجرے

میں تشریف لے جاتے اور دن نکلنے سے ۶/۵ گھنٹے بعد تک یادحق میں مصروف رہتے تھے، اس وقت کوئی شخص ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکتا تھا۔ اشغال سے فراغت کے بعد حجرے کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا اور ہر شخص جو زیارت سے مشرف ہونا چاہتا تھا اندر جا سکتا تھا۔ دوپہر کے بعد پھر خلوت ہوجاتی تھی۔ نماز ظہر سے فراغت کے بعد حجرے کا دروازہ بند کردیا جاتا تھا۔ پھر عصر کی نماز کے قریب حجرے کا دروازہ کھلتا تھا۔ اور یاراں وعزیزاں قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ اسی وقت خواجہ نورالدینؒ مشکوٰۃ شریف یا کسی اور کتاب کی قرأت کرتے تھے، عصر کی نماز کے بعد احوال شیخ سے متعلق کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے۔ اکثر یہ کام خواجہ کامگار خانؒ کے سپرد ہوتا تھا، ساری مجلس خاموشی سے سنتی رہتی تھی، مغرب کے قریب خاموشی ہوجاتی تھی۔ نماز مغرب سے فارغ ہوکر حجرہ میں چلے جاتے تھے۔، اوراس وقت صرف مخصوص لوگ حاضر ہوسکتے تھے۔

بحث ومباحثہ سے سخت نفرت تھی۔ اگر کوئی شخص مسئلہ دریافت کرتا تو خود جواب دینے کے بجائے کسی کتاب کا حوالہ دے کر اسی کے مطالعہ کی ہدایت فرمادیتے تھے۔

کھانا کبھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا تو مخلصوں کے گھروں پر کھانا بھجوانے کے بعد خود تناول فرماتے تھے۔ (تاریخ مشائخ چشت: ص/۱۳۳ ج/۵)

مریدوں کی روحانی تربیت: شاہ نظام الدین صاحبؒ کے مریدین کی تعداد بہت کثیر تھی۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے ’’اورا از صد ہزار مرید زیادہ بود واکثر مریدانش صاحب حال وکمال‘‘۔ (ایک لاکھ سے زیادہ مرید تھے)

مریدوں کی اصلاح وتربیت کے سلسلے میں ان کے بنیادی اصول شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کی تعلیمات وہدایات پر مبنی تھی، ان ہی کی روشنی میں انھوں نے اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کا سارا پروگرام مرتب کیا تھا۔

ف: ہر کسی شیخ کے خلفاء کو ایسا ہی کرنا چاہئے تاکہ کام صحیح طریق سے جاری رہے۔(مرتب)

ذکر جہر: شیخ اورنگ آبادیؒ نے اپنی روحانی تعلیم میں پاس انفاس اور ذکر جہر کو خاص اہمیت دی تھی۔

اتباع سنت کی تعلیم: شیخ اورنگ آبادیؒ اپنے مریدوں کو اتباع سنت اور ادب کی تعلیم خاص طور پر دیتے تھے، کہا کرتے تھے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے اپنے رفقاء کو زدوکوب تک کیا ہے، لیکن انھوں نے اپنے مرشد کو نہیں چھوڑا، اب ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ اگر شیخ مرید سے ایک حرف بھی کہہ دیتا ہے تو وہ شیخ کی صورت سے بیزار ہو جاتا ہے۔

ف: بالکل صحیح ہے۔اور اب تو یہ مرض روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے جس کی وجہ سے حرمان نصیبی اور تہی قلبی بھی عام ہوتی جارہی ہے۔اعاذنا اللہ تعالیٰ (مرتب)

اخلاق: شیخ اورنگ آبادیؒ کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے، لوگوں کی دلجوئی کو اپنا اولین فرض تصور کرتے تھے۔ہر شخص سے خواہ آشنا ہو یا بیگانہ ایک ہی طریقے سے ملتے تھے۔ہر شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

شیخ اورنگ آبادیؒ اور اعظم شاہ: شاہ نظام الدینؒ امراء وسلاطین سے حتی المقدور علیحدہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ان کے تحائف بھی قبول کرنا پسند

نہ تھا۔ ایک مرتبہ اعظم شاہ ابن حضرت عالمگیرؒ نے ان کی خدمت میں کچھ کھانا بھیجا جس کو انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر یہ کہلا کر بھیجا کہ صوفیوں کے لئے قبول کر لیجئے۔ لیکن آپ نے پھر بھی قبول نہ کیا۔

ف: یہ غایت زہد وورع کی علامت ہے۔ جو اولیاء اللہ کی خاص صفت ہے۔ (مرتب)

وصال: شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے ۱۲/ذی قعدہ ۱۱۴۲ھ کو اورنگ آباد میں وصال فرمایا۔ مزار پر ایک عالی شان گنبد اور قریب ہی ایک مسجد بنائی گئی۔ نور اللہ مرقدہ۔ (تاریخ مشائخ چشت: ج/۵ ص/۱۴۳)

حضرت شاہ محمد افضل الہ آبادیؒ متوفی ۱۱۴۲ھ

نام ونسب: نام شیخ محمد افضل، تخلص محقر، والد کا نام شاہ عبدالرحمٰنؒ دادا کا نام شاہ عبدالنبیؒ ہے جو اپنے عہد کے جید عالم اور صاحب طرز ادیب وشاعر تھے۔ آپ کا خاندان عہد تغلق میں بغداد سے ہندوستان آیا اور تقرب شاہی سے سرفراز ہوا۔ آپ کے اجداد میں سے شیخ تاج الدینؒ سب سے پہلے ہندوستان آئے۔ شیخ محمد افضلؒ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کے بانی ہیں۔

ولادت: شاہ محمد افضل کی ولادت ۱۰/ربیع الاول ۱۰۳۰ھ مطابق ۱۶۲۸ء بمقام سید پور بھتری ضلع غازی پور یوپی میں ہوئی۔ چونکہ آپ کے خاندان کی ساتویں پشت کے مورث شیخ ابوالبرکاتؒ نے اسی جگہ عمارت عالیہ تیار کیا تھا، اس لئے سب لوگ وہاں آباد تھے۔

تعلیم: شیخ نے ابتدائی تعلیم قرآن شریف اور گلستاں کسی ایسے باخبر سے پڑھا کہ دیباچہ کے بعد پھر فارسی پڑھنے کی ضرورت نہ رہی۔ تمام کتابیں خود مطالعہ فرماتے اور جہاں ناشنیدہ (نامعلوم) الفاظ آجاتے واقف کاروں سے معلوم کر لیتے۔ علوم عربیہ میں قریب قریب تمام کتابیں ملا نورالدین مداری جونپوریؒ سے پڑھیں۔ جو باقی رہیں انھیں علامۂ عصر محمد آصف الہ آبادیؒ سے پڑھیں جو رشتہ میں آپ کے ماموں ہوتے تھے۔ علم حدیث میں حضرت میر سید محمد کالپویؒ سے اکتساب فیض کیا۔ حصول علم کے سلسلہ میں متعدد بار سفر کیا۔ اور جب تکمیل کر لی

تب تشنگی دور ہوئی۔ اکتساب علم حدیث کے بعد ۷ / جمادی الثانیہ ۱۰۶۰ھ میں سلسلہ چشتیہ میں میر سید محمد کالپوی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سلسلہ نقشبندیہ پر کاربند رہے۔ (قلمی نسخہ سراج منیر: ص / ۱۵)

فضل وکمال: تاریخ مشائخ الہ آباد مؤلفہ مکرم محمد نظام الدین صاحب میں آپ کے حالات یوں مذکور ہیں۔

آپ نے جونپور آ کر ملا نور الدین کے درسگاہ میں بغرض تحصیل علم داخل ہوئے اور وہیں تکمیل کی اور چھ ماہ تک اسی درسگاہ میں خود بھی درس دیا اور جو کتابیں رہ گئیں وہ الہ آباد تشریف لا کر قاضی محمد آصف الہ آبادی سے اتمام کیں۔ علم حدیث کا شوق دامنگیر ہوا تو حضرت میر سید محمد ترمذی کالپوی ضلع جالون جا کر پورا کیا۔ اور انھیں کے دست حق پرست پر ۵ / جمادی الثانیہ ۱۰۶۰ھ کو سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی لیکن تعلیم وتربیت سلسلہ قادریہ ہی کی ہوتی رہی۔ کچھ عرصہ بعد بحکم پیر ومرشد الہ آباد آ کر قیام فرمایا۔

مسجد قلعہ والی: شاہ جہاں بادشاہ نے قلعہ میں ۱۰۵۶ھ میں جو جامع مسجد تعمیر کرائی تھی (مگر افسوس کہ ۱۸۵۷ء کے جہاد میں شہید کردی گئی) اس میں مقیم ہوئے۔ بادشاہ وقت شہنشاہ عالم گیر کے عہد حکومت میں اس دائرہ کا انعقاد ہوا۔ عالمگیر نے شیخ کے لئے ایک مکان مسکونہ موسوم بہ ''محل'' ایک مسجد اور ایک خانقاہ بھی تعمیر کرائی، مسجد کی تاریخ ''بقعۂ افضل'' ۱۰۸۰ھ اور تاریخ خانقاہ ''مقام افضل'' ۱۰۹۳ھ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت شیخ جامع مسجد سے یہاں آ کر آباد ہوئے۔ علماء وسلاطین وقت، عوام وخواص اس دائرہ کو بڑی اہمیت اور عظمت کی

نگاہ سے دیکھتے رہے۔فرخ سیر اور نواب آصف الدولہ نے بھی اس دائرہ کے اکابر سے دعا طلب کی ہے۔احمد خاں بنگش نے ۱۱۶۳ھ میں شہر الہ آباد پر حملہ کیا، اس کے خونخوار سپاہیوں کی وجہ سے شہر الہ آباد میں قتل وغارتگری کا بازار گرم ہوا۔نڈر افغان اور ظالم روحیلہ سپاہیوں نے تمام شہر الہ آباد کو دروازہ خلد آباد سے لے کر قلعہ کے نیچے تک جلا کر غارت کر دیا اور چار ہزار شریف بیبیوں کو قید کر کے لے گئے۔مگر دائرہ شیخ محمد افضل الہ آبادی اور محلہ دریاباد جہاں افغانوں کی سکونت تھی محفوظ رہے جس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ خونخوار لٹیروں کی نگاہ میں بھی اس کا بڑا احترام تھا۔حکام بلدیہ الہ آباد نے بھی اس کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے ایک بہت بڑی آبادی کو اس دائرہ سے نسبت دے دی اور اس محلہ کا نام بھی دائرہ شاہ اجمل رکھ دیا۔

حضرت شاہ محمد افضل عباسی الہ آبادیؒ اپنے وقت کے نہ صرف بہت بڑے صوفی اور بزرگ کامل گذرے ہیں بلکہ مشاغل خدمت خلق، رشد وہدایت کے بعد ان کی زندگی کا بیشتر حصہ علم وادب کی خدمت میں بسر ہوتا تھا۔انھیں عربی وفارسی کے بلند ادیب اور شاعر کی حیثیت حاصل تھی۔محقر تخلص فرماتے تھے۔مختلف تذکرہ نگاروں نے آپ کو صاحب تصانیف کثیرہ کہا ہے۔قاموس المشاہیر کے مصنف نظامی بدایونی نے انھیں پچاس کتابوں کا مصنف بتایا ہے۔

(تاریخ مشائخ الہ آباد: ص/۱۳۲)

آپ کا مدرسہ: شیخ محمد افضل الہ آبادیؒ نے درس وتدریس کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جس سے ایسے ایسے طلبا فارغ ہوکر نکلے جنھوں نے عالم اسلام

میں علوم وفنون کے مراکز قائم کئے اور اپنے وقت کے جید علماء میں شمار ہوئے۔مثلاً حضرت مرتضیٰ زبیدی بلگرامیؒ مؤلف تاج العروس،شاہ عبدالقدیر بسمل گورکھپوریؒ، مولانا روح الفیاض فائزؒ، مولانا محمد عابد اکبرآبادیؒ، مولانا محمدزاہد اکبرآبادیؒ ،مولانا محمد اسلم الہ آبادیؒ، شاہ محمد طاہرؒ شارح فصوص الحکم، مولانا شیخ محمد فاخر محدث ہندیؒ، شیخ محمد ناصر افضلیؒ، مولانا کمال الدینؒ، مولانا جمال الدینؒ، مولانا جلال الدینؒ، شاہ غلام قطب الدینؒ، شاہ محمد اجمل الہ آبادیؒ، شاہ محمد علیمؒ حیرت جیسے جید علماء وادباء وشعراء وغیرہم۔

آپ کی شاعری: کبھی کبھی سلیس زبان کا بھی استعمال ان کی شاعری میں ملتا ہے۔تصوف نے آپ کی شاعری میں نکھار پیدا کیا ہے۔جس کی قدم قدم پر اس کی چاشنی ملتی ہے۔مختلف بحروں میں آپ نے طبع آزمائی کی ہے۔صنعتوں کا بھی آپ کے یہاں بہت استعمال پایا جاتا ہے۔

آپ نے کبھی کسی بادشاہ، حاکم یا امراء کی شان میں قصیدہ نہیں کہا۔ انبیائے کرام، اولیائے عظام اور پیران سلاسل کی شان میں قصیدے دیوانوں میں موجود ہیں۔ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اس فن پر بھی کمال حاصل تھا۔قصیدہ مناجاتیہ اور قصیدہ نقشبندیہ کے چند اشعار مثال کے طور پر شامل مضمون ہیں۔ ؎

یا رب بسوز سینۂ قطب زمان ما　　　سید محمد آں ہمہ عشق و ہمہ ولا
یارب بسوز سینۂ آں شیخ باکمال　　　یعنی جمال صاحب شہرت باولیا

اس قصیدہ کا اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے ؎

یا رب بسوز سینۂ مخدوم ذی الکرام　　یعنی علی عالی مصداق لافتی
یارب بسوز سینۂ سر دفتر رسل　　آں مورد لعمرک ولولاک را سزا
گر دیگراں بعلم وعمل ناز شے کنند　　ما را بدر گہِ کرم تست التجا

وفات: شیخ محمد افضل الہ آبادی کی ساری زندگی رشد وہدایت، خدمت علم وادب، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گذری۔ آپ کا وصال ۱۵/ ذی الحجہ ۱۱۲۴ھ بروز جمعہ بوقت اشراق اسی دائرہ فضل وکمال میں ہوا اور روضہ میں سپرد خاک کئے گئے جو آپ کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ نور اللہ مرقدہ

کان الشیخ قطبا، قطب خویش، شیخ قطب زماں، اعظم اقطاب، افضل قطب محمدی، قطب زمانہ افضل سے سن وفات نکلتا ہے۔ یہ تاریخیں مختلف علماء وفضلاء نے نکالیں جن میں لفظ قطب ہر تاریخ میں موجود ہے۔ جو آپ کے قطب وقت ہونے کا بین ثبوت ہے۔

احسن اللہ عباسی علوی مصنف مخزن کائنات نے قطعہ تاریخ کہی ؎

شاہ افضل کہ بود از اوتاد　　مسکنش بود در الہ آباد
جامع فضل و صاحب عرفاں　　مصدر علم منبع احساں
ہاتف غیب گفت از اجلال　　باغ سبحاں بخوانش سال وصال
پیشِ ہاتف بمن چنیں فرمود　　سال اصلان اوست افضل بود

(قلمی نسخہ سراج منیر: ص/ ۲۲: مؤلفہ سید محمد اکمل اجملی الہ آبادی)

حضرت شیخ فتح محمد سیدانوی الہ آبادیؒ متوفی ۱۱۴۳ھ

نام ونسب: فتح محمد، حسینی، سیدانوی بڑے علماء میں تھے۔

ولادت: ان کے اسلاف میں کوئی بزرگ سبزدار علاقہ سے آکر سیدانہ میں رہے یہ ایک بڑا دیہات ہے جو الہ آباد سے اٹھارہ میل دور ہے۔ فتح محمد سیدانہ میں پیدا ہوئے۔

فضل وکمال: اس وقت کے موجودہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کی پھر شیخ ابراہیم بن عبدالحق حسینی مانک پوری سے علم طریقت حاصل کیا اور دنیا اور اس کے اسباب کو چھوڑ کر شہر الہ آباد میں ارشاد تلقین کی خدمت انجام دی۔

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی تصنیف ''دیار پورب میں علم وعلمائ''میں آپ کے فضل وکمال کو یوں بیان کیا ہے۔

مولانا سید فتح محمد حسینی سیدانوی الہ آبادی اپنے زمانہ کے علمائے کبار اور مشائخ عظام میں تھے۔ علمائے عصر سے تعلیم حاصل کر کے طریقہ چشتیہ کی تلقین وتربیت راجہ سید ابراہیم بن راجہ سید عبدالحق بن راجہ سید یٰسین مانک پوری سے حاصل کی، جو راجہ سید مبارک بانئ مبارکپور کی اولاد امجاد میں سے تھے، ان کو مریدوں کی تربیت میں ملکۂ وہبی حاصل تھا۔

آپ کی خدمت میں مولانا ابوالغوث گرم دیوان بھیروی لہراوی اعظمی

گرم دیوان صاحب کچھ مدت وطن میں گذارنے کے بعد بنارس گئے پھر

وہاں سے الہ آباد پہنچے، یہاں اپنے استاد میر سید غلام احمدؒ سے ملاقات ہوئی، وہ بڑی محبت وشفقت سے پیش آئے، دیوان صاحب نے ان سے اپنا مقصد بیان کیا کہ وہ یہاں روحانی مرشد و مربی کی تلاش میں آئے ہوئے ہیں، میر سید غلام احمدؒ نے مولانا شاہ فتح محمدؒ کی طرف رہنمائی کی، اور دیوان صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا فتح محمدؒ نے عزت واحترام کے ساتھ دیوان صاحب کا استقبال کیا۔ اور ان کو طریقہ چشتیہ کے جملہ اعمال واشغال کی تعلیم تلقین کر کے تھوڑے ہی دنوں میں درجۂ کمال کو پہنچادیا اور خلافت بھی دے دی، اس کے بعد دیوان صاحب بھیرا ضلع مئو آکر اپنے آباء واجداد کے انداز پر ارشاد وتلقین اور عبادت وریاضت میں مصروف ہوگئے۔ (دیار پورب میں علم وعلماء: ص/ ۴۴۳)

تصنیفات: آپ کی تصنیفات میں (۱) ایک تفسیر محمدی ہے، جو قرآن پاک کی بڑی عمدہ تفسیر ہے اس میں حقائق ومعارف کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ (۲) مجمع الاسرار۔ (۳) حل المشکلات۔ اور معارف الٰہیہ کے بارے میں بہت سے رسائل ہیں

وفات: رجب ۱۱۴۳ھ میں بدھ کے دن انتقال کیا اور ان کی قبر سیدانہ الہ آباد میں ہے۔ جیسا کہ ''بحر زخار'' میں ہے۔ (اردو ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج/ ۶ ص/ ۲۷۸)

حضرت شیخ خوب اللہ الہ آبادیؒ متوفی ۱۱۴۴ھ

نام ونسب: نام محمد یحییٰ عرف شاہ خوب اللہ، تخلص یحییٰ، والد کا نام شیخ امین عباسی سید پوری بھتری غازی پوری ہے۔ آپ کے چچا حضرت شیخ محمد افضل الہ آبادیؒ بانی دائرہ شاہ اجمل الہ آباد ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۵؍محرم ۱۰۸۰ھ میں سید پور بھتری ضلع غازی پور میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کے والد کی وفات ۱۰۹۱ھ میں ہوئی اس کے بعد آپ کے چچا شیخ محمد افضل نے آپ کو الہ آباد بلالیا اور اپنے پاس رکھ کر تعلیم وتربیت فرمانے لگے۔ جملہ علوم متداولہ عربیہ اور دیگر علوم وفنون مثلاً حدیث، فقہ اور تفسیر وغیرہ اپنے عم مکرم سے بدرجہ اتم حاصل کیا جیسا کہ ''بحر زخار'' اور ''انوار العارفین'' وغیرہ میں مذکور ہے۔

عربی وفارسی واردو کے بہت سے تذکرے تاریخی ماخذ اور رسالے ودیگر بیاضوں وغیرہ میں مشاہیر نے تذکرے کئے ہیں۔ تقریباً بیس سال تک اپنے چچا شیخ محمد افضلؒ سے اکتساب علم وفن کیا اور ایک بڑی تعداد ایسی چھوڑی جنھوں نے ان سے اکتساب کرکے علم وادب کی خدمت کی اور ایک بڑا ذخیرہ تصوف اور ادب کا چھوڑا۔ شیخ نے انھیں مرتبہ کمال پر پہنچایا۔ جن کو اپنا مرید کیا، خلافت دی اور مختلف سلسلوں میں مرید کرنے کی اجازت دی۔

آپ کے خرق عادات وکرامات: خرق عادات وکرامات سے آپ کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ خدمت خلق کی باعث انھیں ولایت کا بہت بڑا مقام حاصل ہوا۔ ذالک فضل اللہ یو تیه من یشآئ (سراج منیر قلمی: ص/ ۶۰)

''تذکرہ علماء ہند'' مؤلفہ جناب رحمان علی صاحبؒ فارسی میں آپ کے فضل وکمال کو یوں بیان کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ پیش ہے۔

شاہ خوب اللہ محمد یحییٰ تیرہ سال کی عمر میں علوم متعارفہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے، علم شریعت وطریقت کے بحر زخار تھے، پوری عمر اپنے استاد ومرشد کی تعلیم وتربیت کے مطابق بسر کی۔ رشد وہدایت کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ اس کتاب میں متعدد تصانیف کا تذکرہ بھی ہے۔

(تذکرہ علماء ہند: ص/ ۸۵)

مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ نے اپنی تصنیف ''دیار پورب میں علم اور علمائ'' میں حضرت مولانا حافظ امان اللہ صاحب بنارسی کے تذکرہ کے ضمن میں آپ کے مختصر حالات کو نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت حافظ امان اللہ صاحبؒ جیسا صاحب درس وتدریس نے الہ آباد آ کر آپ سے بیعت کی اور طریقۂ نقشبندیہ کے مطابق ریاضت کر کے چند ہی دنوں میں اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے۔ آخر میں اس ہیزم خشک میں شاہ خوب اللہؒ کی ایک نگاہ نے آگ لگا دی۔ مرشد کی نگاہ اور مسترشد کی استعداد سے تھوڑے ہی دنوں میں نسبت نقشبندیہ کے مخصوص اثرات بہ کمال وتمام ظاہر ہو گئے۔ (دیار پورب میں علم اور علمائ: ص/ ۳۹۱)

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' نے بھی آپ کا مختصر تذکرہ کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں

کہ آپ بلند پایہ بڑے علماء میں تھے۔ اس شہر اور اس زمانہ میں ان کے جیسا علم کی زیادتی اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں دوسرا کوئی نہ تھا۔ شیخ افضلؒ کی سجادہ نشینی آپ کو ملی۔ اس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی تصانیف میں اکیس کتابوں کا تذکرہ اس کتاب میں ہے۔

(بارہویں صدی کے علماء برصغیر اردو ترجمہ نزہۃ الخواطر: ص/۵۰۶)

کرامات: حضرت شاہ خوب اللہ قدس سرہ کی خرق وکرامات بطن مادر سے ہی ظاہر ہونے لگی تھیں۔ آپ کی والدہ ناقل ہیں کہ اس فرزند کے رحم میں جلوہ فرما ہونے کے بعد سے ہی مجھے خواب میں نورانی صورتیں نظر آنے لگی تھیں، جن میں سے اکثر شخصیتیں مجھ سے ہمکلام ہوتیں اور اس نعمت عظمیٰ کی خوش خبری دیتیں۔ اکثر شخصیتیں اپنا تعارف کراتیں جن میں انبیائے کرام اور اکثر اولیائے عظام ہوتے۔

(۱) حضرت قدس سرہ کی والدہ ناقل ہیں کہ دردزہ مرتبۂ کمال تک پہنچ چکا تھا یہاں تک کہ مجھے زندگی کی امید باقی نہ رہی، اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑے ہیں اور وہ مجھ سے یوں ہمکلام ہوئے۔ اے بیٹی جمع خاطر رکھو اللہ تعالیٰ جلد ہی تجھے بیٹا عطا کرے گا۔ آج جمعہ کا روز ہے، اولیاء کاملین نماز کے لئے حرم شریف تشریف لے گئے ہیں۔ یہ بچہ ان کی موجودگی کا منتظر ہے۔ ان کے آنے اور نماز ختم ہونے کے بعد اس بچہ کی ولادت ہوگی۔ میں خضر ہوں تجھے اطلاع دیتا ہوں کہ اس بچہ کا باپ جب اس کی عمر دس سال کی ہوگی عالم جاودانی کی طرف رحلت کرے گا۔ اور یہ بچہ سمت الہ آباد جائے گا اور اسی جگہ اس کی

تربیت میں کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ مرد پیر نظروں سے اوجھل ہو گئے اور جس وقت وہ یہ فرما رہے تھے اسی وقت ان کی موجودگی میں اس فرزند کی ولادت ہوئی۔

(۲) مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے پچاس بار حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب اور بیداری میں زیارت کی۔ اس کے علاوہ دیگر انبیاء و اولیاء کی زیارت خواب اور بیداری میں فرماتے۔

(۳) جب آپ اعتکاف میں بیٹھتے تو کسی طرح کی حاجت محسوس نہ ہوتی اور جس دن رویت ہلال ہونے والی ہوتی ضرورت بشری لاحق ہوتی۔ آپ کی اس عادت کے ناقل صاحب بحر زخار ہیں۔ فرماتے ہیں ''در شہر رمضان دہ روز اعتکاف می نشست باوصف اکل وشرب احتیاج بول وغایت نمی شد، روزے تاریخ بست ونہم کہ ہنوز تمام نشدہ بود، فرمود غالب است کہ بشام ماہ نو دیدہ شود چرا کہ احتیاج بیت الخلاء معلوم می شود ہم چناں واقع شد''۔

(۴) ایک بار کا ذکر ہے ایک شخص نے سورۂ حدید لکھنے کے لئے سادہ کاغذ حضرت قدس سرہ کو دیا اور انھوں نے جیب میں رکھ لیا اور نماز عشاء اور اس کے بعد تراویح میں مشغول ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ کاغذ اس شخص کو واپس دے دیا۔ اس کاغذ پر سورۂ حدید لکھی ہوئی تھی جب کہ آپ کو لکھنے کی فرصت نہ ملی تھی۔

ف: یقیناً یہ سب آپ کی کرامات ہیں اور اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں جیسا کہ شرح عقائد میں ہے ''کرامات الاولیاء حق''۔ (مرتب)

تصانیف: شاہ خوب اللہؒ نے رشد و ہدایت کی ذمہ داریوں کے ساتھ علم

وادب کی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا اور تصوف میں شیخ اکبر کی مانند گراں بہا اضافہ کیا۔ نیز لاتعداد تصانیف چھوڑی۔ اس کے علاوہ اپنے پیر کے نقش قدم پر چل کر ادبی دنیا میں ایک ضخیم تذکرہ مسمیٰ بہ دفیات الاعلام جسے بسط الکلام بھی کہتے ہیں چھوڑا۔ جس میں مشاہیر دنیائے اسلام ودنیائے ادب کی حیات اور ان کی خدمات کا کما حقہ جائزہ لیا۔ اس کے علاوہ آپ کے مکتوبات کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ مکتوبات کا یہ مجموعہ مختلف النوع مضمون پر مبنی ہے اور مشاہیر کے ان خطوط کے جوابات کا مجموعہ ہے جس میں شاہ موصوف نے مختلف فقہی، تصوف، ادب سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔

مختلف تذکروں کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب موصوف کی تصانیف سو سے متجاوز تھیں۔

وفات: حضرت شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ کا وصال ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱ء بروز دوشنبہ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد میں ہوا۔ اپنے عم بزرگوار شیخ محمد افضل الہ آبادیؒ کے بائیں جانب روضہ قطب الاقطاب میں سپرد خاک ہوئے۔ "لقد رضی" سے سن وفات نکلتی ہے۔

۱۱۴۴ھ

حضرت شیخ ابوطاہر کردیؒ[۱] متوفی ۱۱۴۵ھ

نام ونسب: نام محمد عبدالسمیع، ابوطاہر کنیت، لقب جمال الدین، والد کا نام شیخ ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین کردی ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۰۸۱ھ مطابق ۱۶۷۱ء میں مدینہ میں ہوئی۔

تعارف: حافظ عربی رباطی نے آپ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے کہ آپ اپنے زمانہ میں مدینہ کے زبردست عالم تھے۔ اپنے والد کے سچے وارث تھے اور علامہ شہیر کہلاتے تھے، اس کے بعد حافظ عربی لکھتے ہیں:

میں نے ان سے متعدد مسئلوں میں گفتگو کی جس سے اندازہ ہوا کہ ان کو علوم حدیث، مصطلحات حدیث اور اصول وغیرہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔

(فہرس الفہارس: ج/۱ص/۳۷۳)

شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن غزی ''لطائف المنہ فی آثار خدمہ السنہ'' میں رقمطراز ہیں:

رأيت من ديانته ونسكه وتواضعه وخفض جناحه مالم أره

۱۔ ماہنامہ ''الشارق اعظم گڈھ'' جمادی الاولیٰ والثانیہ ۱۴۳۱ھ مطابق مارچ، اپریل ۲۰۱۰ء کے شمارہ میں مولانا عبدالحلیم چشتی کے مرتب کردہ آپ کے حالات اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی تالیف ''انفاس العارفین'' کو سامنے رکھ کر آپ کے مفید وبصیرت افروز حالات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ (مرتب)

علی احد من مشائخنا ماخلا الملا الیاس الکورانی علیہ رحمۃ اللہ، فانه کان یقاربه فی ذالک۔ (لطائف المنه بحواله سلک الدرر: ج۲/ ص۲۷/)

میں نے اپنے ساتھ ان کی دیانت، عبادت، تواضع اور انکساری کو ایسا دیکھا کہ ہمارے شیوخ میں سے بجز ملا الیاس کورانی کے کسی میں نہیں دیکھا، وہ البتہ ان امور میں ان کے قریب قریب تھے۔

شیخ الاسلام محمد خلیل مرادی حنفی المتوفی ۱۲۶۰ھ نے سلک الدرر میں ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

ابو الطاهر بن ابراهيم بن حسن بن المدنی الشافعی الشهير بالكورانی الشيخ الامام العالم العلامة المحقق المدقق النحرير الفقيه جمال الدين۔۔۔ كان عالما صالحا فقيها۔۔۔الخ

علامہ محمد عبد سندی المتوفی ۱۲۵۷ھ حصر الشارد میں لکھتے ہیں:

شیخ علامہ محمد ابوطاہر بن ابراہیم بن حسن کردی کے نام سے بھی مشہور ہیں، انھوں نے منقول و معقول، فروع واصول حدیث وتفسیر اور تصوف وغیرہ اپنے محقق باپ سے پڑھی اور ممتاز علماء میں سے ہو گئے، نیز انھوں نے شیخ ابو الاسرار بن علی عجیمی سے حدیث اور تصوف وغیرہ کی تعلیم پائی، صلاح وتقویٰ اور تصوف سے موصوف کو بڑا حصہ ملا تھا، زبردست عالم تھے، مگر علم حدیث کا ان پر غلبہ تھا۔ علوم کی تحصیل وتعلیم اور نشر واشاعت میں بڑے کوشاں تھے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے ستر کتابیں نقل کر کے رکھی تھیں جن میں سے فقہ میں ابن حجر کا تحفہ ایک جلد میں تھا اور ایک جلد میں شیخ رملی کی نہایہ تھی، تمام علوم صرف ونحو، معانی وبیان، بدیع ومنطق،

فرائض، حساب اور اس کے تمام انواع، مفتوح، جبر و مقابلہ وغیرہ میں جامع تھے۔ طلبہ کے پڑھانے میں بڑے مستعد تھے، اہل خانہ میں حسن صورت وسیرت میں سب سے بہتر تھے، بڑے ہنس مکھ اور متواضع تھے، اپنا کوئی مقام اور حیثیت نہیں سمجھتے تھے، ان کے وظائف اور معمولات تہجد وغیرہ کے قبیل کی نمازیں رات میں ادا ہوتیں اور قرآن کی تلاوت، سفر و حضر میں بھی کبھی نہیں چھوڑتے تھے، موصوف اپنے معمولات زندگی کے آخری ایام تک پابندی سے انجام دیتے رہے۔ (الشارق اعظم گڈھ)

فضل وکمال: آپ کے حالات واخلاق وتعلیمات کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انفاس العارفین میں تحریر کیا ہے اسی سے نقل کرتا ہوں۔

آپ ابتداء ہی سے علم وعلماء کی طرف راغب تھے، خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا، جنھوں نے آپ کے لئے بیشمار بزرگوں سے خرقہ واجازت حاصل کی تھی، ان بزرگوں میں سے ایک شیخ محمد بن سلیمان مغربی تھے، آپ نے کتب عربیہ کی تعلیم سیبویہ وقت سید احمد ادریس مغربی سے حاصل کی، شیخ ابو طاہر احمد ادریس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے ایک فاضل شاگرد نے مسجد نبوی کے محراب میں سورۂ لہب تلاوت کی، جب وہ نماز سے فارغ ہوکر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان پر برس پڑے اور فرمانے لگے کہ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ سورت پڑھو جس میں ان کے چچا (ابولہب) کا نام (اہانت کے ساتھ) مذکور ہے۔ کیونکہ اللہ جیسے چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے لیکن ہمارا یہ مقام نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بصیرت ومعرفت: کاتب الحروف

(شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اگر چہ اس طرح کی باتیں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کا نتیجہ ہیں تاہم یہ ارباب تقویٰ وتحقیق کا مقام ہے۔ مگر ہمارے لئے تو صحابہ وتابعین کا طرز عمل ہی کسوٹی ہے۔ وہ یوں کیوں نہیں سمجھتے کہ اس سورت میں تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی مدح ومنقبت کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ یہاں اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کے ایک دشمن چچا پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب تطبیق دی جو حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہی کی شان علم وحکمت کا کرشمہ ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

تعلیم: شیخ ابو طاہر نے فقہ شافعی کی تعلیم شیخ طولونی مصریؒ سے اور معقولات کی تعلیم روم کے مشہور زمانہ متبحر عالم منجم باشیؒ سے اور علم حدیث اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ شیخ حسن عجمیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ان کے بعد شیخ احمد نخلیؒ اور شیخ عبداللہ بصریؒ کی صحبت میں پہنچے اور شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی۔ اور انھیں سے مسند احمد دو ماہ سے بھی کم عرصے میں سنی۔ ان کے علاوہ آپ نے وقتاً فوقتاً حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء ومشائخ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ ان میں ایک شیخ عبداللہ لاہوریؒ تھے جن سے آپ نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی کتابیں روایت کیں، اور ان کا سلسلہ شیخ عبداللہ لبیب کے ذریعے خود مولانا تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلویؒ کی کتابیں بھی آپ نے اسی واسطے سے پڑھیں۔

آپ سلف صالحین کی صفات سے متصف تھے: آپ سلف صالحین کے

تمام اوصاف مثلاً تقویٰ، عبادت، علمی شغف اور بحث وتمحیص میں انصاف پسندی سے متصف تھے۔ جب آپ سے کسی مسئلے کے بارے میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور وفکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے جواب نہ دیتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں، لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے۔ اپنے تلامذہ اور خدام سے بھی تواضع سے پیش آتے۔

ف: ماشاء اللہ کس قدر سلف صالحین کی صفات سے متصف تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے اتصاف کی توفیق مرحمت فرمائے۔ مزید ایک خاص صفت قابل توجہ وعمل ہے کہ جب کسی مسئلہ میں رجوع کیا جاتا تو تحقیق تام کے بعد جواب دیتے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں ہمہ دانی کا ایسا دعوی ہے کہ ہر سوال کا جواب فی الفور بلا تحقیق دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جب کہ ہمارے اکابر اکثر وبیشتر لا ادری سے جواب دیتے تھے۔ (مرتب)

لطیف نکتہ: صحیح بخاری کی قرأت کے دوران جب روایات احادیث اور فقہ کے اختلافات سامنے آتے تو شیخ ابوطاہر فرماتے کہ یہ تمام اختلافات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جامعیت کا نتیجہ ہیں جو اپنے اندر کونین کی تمام تر اضداد وموافقات سموئے ہوئے ہے۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت گہرا نکتہ ہے جس پر تدبر کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے محبت کرنے والا قابل محبت ہے: ایک دن احوال صوفیاء اور ان کی باہمی تردید وتنقید جو بعض دفعہ ان کے پیروکاروں میں بھی چل پڑتی ہے، گفتگو چھڑ گئی، تو شیخ ابوطاہرؒ نے فرمایا کہ میں

صوفیاء کے بارے میں کچھ کہنے سے ڈرتا ہوں۔ اگر چہ میرے بعض اسلاف صوفیاء کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے، جہاں تک میرا تعلق ہے میرے دل میں ان کے لئے تردید وتنقید کا معمولی جذبہ بھی موجود نہیں، یہاں آپ نے ایک قصہ سنایا کہ شیخ یحییٰ شاذلیؒ میرے والد سے کچھ اختلافات رکھتے تھے اور یہ بات ان کی طرف سے میرے دل میں کھٹکتی رہی، اسی اثنا میں شیخ یحییٰ شاذلیؒ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ایک عرصے کے بعد جب انہیں کسی وجہ سے لحد سے باہر نکالا گیا تو اس طرح صحیح وسالم تھے جیسے آج سوئے ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف سے اختلاف کے سبب طعن وتشنیع نہیں کرنی چاہئے، یہاں انھوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے اس سلسلے میں ایک عجیب وغریب وصیت فرمائی ہے یہ کہہ کر انھوں نے شیخ ابن عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کا نسخہ نکالا اور اس میں سے باب الوصیت پڑھ کر سنایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے اس لئے عداوت رکھتا تھا کہ وہ شیخ ابو مدین مغربی پر طعن وتشنیع کرتا تھا۔ جب کہ میں شیخ مغربی کی مقبولیت وبزرگی کا معترف تھا۔ ایک دن میں نے حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''تمہیں فلاں شخص سے کیوں بغض ہے؟'' میں نے عرض کی اس لئے کہ وہ ابو مدین سے عداوت رکھتا ہے۔ جب کہ میں انھیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتا؟ میں نے عرض کیا، رکھتا ہے۔ فرمایا گویا تمہیں ابو مدین سے اس کے بغض کی بنا پر عداوت ہے، لیکن میرے محب ہونے کی حیثیت سے الفت نہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں

نے اللہ تعالیٰ سے اس بغض کی توبہ کی، اس شخص کے گھر گیا، اسے معذرت کے ساتھ سارا واقعہ سنایا اور ایک قیمتی کپڑا اس کی نذر کر کے اسے راضی کیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ابو مدین کے بارے میں ناراضگی کا سبب پوچھا۔ اس نے جو وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی کہ اس کی بنا پر ابو مدین سے عداوت رکھی جاتی، تو میں نے اسے حقیقت حال سمجھائی جس پر اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور ابو مدین کے بارے میں طعن وتشنیع سے رجوع کر لیا اور اس طرح سب کے دلوں میں الفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات جاری وساری ہو گئیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا استاد سے جدائی کا غم: جس روز میں (شاہ ولی اللہ) وطن واپسی کے وقت شیخ ابو طاہر کی خدمت میں الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوا تو بے اختیار میری زبان پر یہ شعر آ گیا ؎

نسیت کل طریق کنت اعرفه　　الا طریقا یؤدینی لربعکم

ترجمہ: میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستے کے علاوہ باقی سارے راستے بھول گیا۔

یہ شعر سنتے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا اور بہت متأثر ہوئے۔

ف: سبحان اللہ یہ تھی استاد سے محبت والفت کی قدردانی، کہ استاد پر رقت طاری ہوگئی، دونوں طرف سے عقیدت ومحبت کا معاملہ تھا جس سے یہ سلسلہ زریں خیرات وبرکات کا مثمر تھا جو آج کل نادر الوجود ہے۔ فیا حسرتاہ (مرتب)

وفات: آپ نے رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ میں رحلت فرمائی اور خلد بریں میں قیام پذیر ہوئے اور مدینہ منورہ بقیع میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ (انفاس العارفین: ص/۳۹۶)

حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹیؒ متوفی ۱۱۴۶ھ

تعارف: آپ (اپنے زمانے کے) متبحر علماء اور دانشور فضلاء میں سے تھے، اور علوم باطن کے اسرار کا زیادہ حصہ ان کے نصیب میں تھا۔ دس سال تک حضرت خواجہ حجۃ اللہ نقشبندؒ فرزند وخلیفہ خواجہ محمد معصومؒ سے باطنی فیوض وطریقت میں استفادہ کیا اور پھر بارہ سال تک حضرت شیخ عبدالاحدؒ فرزند وخلیفہ خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید فرزند وسجادہ نشین حضرت مجدد الف ثانیؒ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ اور مقامات عالیہ حاصل کیا۔ نیز شیخ (عبدالاحدؒ مذکور) سے علوم معقول ومنقول اور علم حدیث کی اسناد حاصل کیں۔ اور آپ نے شیخ سالم بصری ثم مکیؒ سے بھی علم حدیث کی سند حاصل کی تھی۔ حضرت حجۃ اللہ نقشبندؒ نے حضرت شیخ عبدالاحدؒ کو حاجی محمد افضلؒ کے بارے میں بتایا کہ جو فیوض وبرکات ہمیں اپنے پیران کرام سے ملے تھے ہم نے وہ تمام حاجی محمد افضل صاحب کے باطن میں القا کر دیئے ہیں۔

آپ کا استغراق قوی تھا، فنا ونیستی آپ پر اس قدر غالب تھی کہ آپ خود اپنے کو ارباب طریقت میں سے شمار نہیں کرتے تھے۔ ہمارے حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے آپ نے بارہا یہ فرمایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نظر کشفی اور مقامات عالیہ کی تحقیق کی بزرگی عنایت کی ہے۔ ہمارے حال پر نظر فرمائیں کہ اپنے اعمال کی خرابی کی وجہ سے ہم اپنے آپ میں کچھ نہیں پاتے۔

راقم (شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ امام طریقت حضرت مجدد الف ثانیؒ

فرماتے ہیں کہ سالک پر جب تجلی ذات کا ظہور ہوتا ہے تو اس پر وارفتگی وخود فراموشی کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ اور یہ آیت **"لاتدرکه الابصار"** (نظریں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں) اس سلسلہ میں قطعی دلیل ہے۔

زیارت حرمین: حضرت حاجی محمد افضلؒ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا کی زیارت سے مشرف ہوئے اور الطاف الٰہی وعنایات حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ہزاروں فتوحات کے ساتھ مراجعت فرمائی اور طالبان حق کے مرجع بنے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کو آپ سے ظاہری وباطنی فیوض پہنچے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حدیث کی سند آپ سے حاصل کی۔

کتابوں کو خرید کر وقف فرمایا: آپ کو نقدی کی صورت میں جو ہدیہ ملتا اس سے آپ ہر فن کی کتابیں خرید کر وقف کر دیتے تھے۔ ایک بار پندرہ ہزار روپیہ کا ہدیہ آیا۔ ان تمام رقم سے آپ نے علوم نافعہ کی کتابیں خرید کر وقف کر دیں۔ آپ نے ہزارہا کتب خرید کر اللہ کی راہ میں وقف کیں جن سے علوم کی اشاعت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین

ارشادات: آپ فرماتے تھے کہ ان مخلصوں پر تعجب ہے کہ اپنی عمر میں ایک بار بھی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کرتے حالانکہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دنیاوی واخروی مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

فرمایا تعجب کی بات ہے کہ ضروری تجوید کے موافق کلام اللہ کے حروف چند روز میں صحیح ہو سکتے ہیں مگر لوگ نہیں کرتے، حالانکہ نماز کی صحت صحیح قرأت پر مبنی ہے۔

ف: بیشک اس سلسلہ میں بہت کوتاہی ہورہی ہے، جب کہ علماء شدومد سے اس کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

نیز فرمایا کہ: تعجب کی بات ہے کہ لطائف کا ذکر کسی نقشبندی بزرگ کی توجہ سے حاصل نہیں کرتے حالانکہ اس طریقہ میں یہ دولت جو کہ محبت الٰہی کا بیج اور ایمان کے بقا کا موجب ہے، بغیر زیادتی محنت کے بہت کم مدت میں حاصل ہوجاتا ہے۔

ف: بہت ہی عمدہ نصائح ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

درس حدیث: مرزا مظہر جان جاناں فرماتے تھے بظاہر حضرت حاجی محمد افضلؒ سے ہم نے استفادہ نہیں کیا لیکن درس حدیث کے دوران آپ کے باطن شریف کے فیوض سے مستفیض ہوا۔ اور نسبت کے اظہار میں قوت پیدا ہوگئی۔

حضرت حاجی محمد افضلؒ کو درس حدیث کے دوران نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضوری حاصل ہوتی تھی۔ اور انوار وبرکات کثرت سے ظاہر ہوتے تھے۔ گویا معنوی طور پر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوجاتی۔ اسی اثناء میں توجہ والتفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہوتیں اور نسبت کمالات نبوت اپنی وسعت کی انتہا اور کثرت انوار سے جلوہ گر ہوتی۔ اور اس حدیث شریف کہ ''**العلماء ورثة الانبیاءؑ**'' (علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں) کے معنی واضح ہوجاتے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۱۴۶ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے جوار میں شہر دہلی میں ہے۔ نوراللہ مراقدہم (مقامات مظہری: ص/۲۳۹)

حضرت شیخ محمد صالح احمد آبادی متوفی ۱۱۴۷ھ

نام ونسب: شیخ محمد صالح نام، پیر بابا عرف ہے۔آپ مولانا نورالدینؒ کے صاحبزادے ہیں؛

تعلیم: آپ نے ابتدائی نشوونما کے بعد سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔اور قرآن شریف کو مع قرأت وتجوید ازبریاد کیا تھا۔چنانچہ محمد اعظم شاہ بن عالمگیر والئ گجرات نے آپ کو بلایا اور آپ سے سورۂ رحمٰن سماعت کی۔کہیں مدومخارج حروف میں غلطی نہیں کی،جس سے بادشاہ زادہ بہت خوش ہوا۔خلعت ونقد اور موضع تاجپور پرگنہ بیرم گام اپنی جاگیر سے مرحمت کیا۔اور شاہی کاتب سے بادشاہی فرمان منگوا کے دیا۔حفظ قرآن کے بعد آپ نے علوم ظاہری وباطنی کی تحصیل شروع کی۔

فضل وکمال: عالم شباب میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے،اور والد کے مرید وخلیفہ بھی ہوئے۔اکثر طالبین ومریدین نے آپ سے فیض باطنی وظاہری پایا۔گجرات کے علماء وفضلا آپ کی فضیلت وقابلیت کے معترف ہوئے۔اوران کو پیشوا اورمقتدا سمجھتے تھے۔آپ دومرتبہ حسب طلب سلاطین تیموریہ دارالخلافت دہلی میں رونق افزا ہوئے۔ایک مرتبہ محمد فرخ سیر کے عہد میں۔اور دوسری مرتبہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں،دونوں بادشاہوں نے آپ کی تعظیم وتوقیر کی،اور ہر ایک بادشاہ نے نقد وخلعت وفیل (ہاتھی) کے علاوہ خرچ راہ

دو ہزار روپیہ مرحمت کیا تھا۔ دہلی کے علماء وفضلاء بھی آپ کے فضائل وکرامات کے مقر ومعترف ہوئے۔ اورآپ اکثر علماء کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔مرات احمدی کے مؤلف نے لکھاہے کہ آپ صلاح وتقویٰ اور خُلقِ حسن میں مشہور تھے۔سخاوت،علم اورحلم میں معروف تھے،اور **''الولد سر لابیه''** کے مصداق تھے۔

وفات: آپ نے دارالخلافت دہلی میں ۱۶/ جمادی الثانیہ سنہ ۱۱۴۷ھ کو رحلت فرمائی، وہاں سے آپ کا تابوت لاکر جد بزرگوار کے مقبرہ میں مسجد کے صحن میں احمدآباد گجرات میں دفن کیا گیا۔نوراللہ مرقدہ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

(محبوب التواریخ:ج/۲ص/۸۸۳)

حضرت سید محمد نور رائے بریلویؒ متوفی ۱۱۴۸ھ

نام ونسب: نام سید محمد نورؒ، والد کا نام سید محمد ہدیؒ، دادا کا نام سید شاہ علم اللہ صاحبؒ ہے۔

فضل وکمال: آپ درحقیقت سید محمد ہدیؒ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور تھے۔ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے دادا سید شاہ علم اللہؒ باحیات تھے، شروع ہی سے سید شاہ علم اللہؒ کے منظور نظر رہے اور یہی نظر ان کا سلوک بن گئی، ان کے والد سید محمد ہدیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس فرزند ارجمند کی برکت سے میری مغفرت ہوجائے گی۔

ف: اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسے فرزند عطا فرمائے۔ آمین (مرتب)

سنت کا اہتمام: عنفوان شباب میں والد کے حکم سے شاہزادہ محمد اعظم شاہ (پسر عالمگیر) کے پاس بغرض ملازمت تشریف لے گئے، شمشیر خاں جو اعظم شاہی امیر اور ان کے جد امجد سید شاہ علم اللہؒ کے مرید تھے درمیان میں واسطہ تھے، انھوں نے امیر سے پہلے ہی کہہ دیا کہ شاہی ملازمت میں اس شرط پر قبول کرسکتا ہوں کہ تسلیمات وبندگی تعظیما سر جھکانے اور اس قسم کے دوسرے آداب شاہانہ سے معاف رکھا جائے ورنہ میں واپس آجاؤں گا۔ امیر نے اس شرط میں کچھ دشواری محسوس کی لیکن یہ دیکھ کر کہ وہ اس ارادہ سے باز نہ آئیں گے شاہزادہ سے عرض کیا کہ پیرزادہ صاحب ملازمت قبول کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ایک

شرط لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ شرط منظور ہوتو آ سکتا ہوں ورنہ نہیں، شاہزادہ نے پوچھا کہ وہ شرط کیا ہے؟ امیر نے کہا صاحبزادہ سنت پر پوری ہمت واستقامت کے ساتھ عامل ہیں اور منہیات سے اجتناب کلی رکھتے ہیں، ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنے، سر جھکانے اور اس طرح کے تمام خلاف شرع کاموں کے خلاف ہیں، شاہزادہ اعظم شاہ نے بڑی خوش دلی کے ساتھ کہا کہ درحقیقت السلام علیکم کہنا ہی سنت ہے اور ایسے لوگ سرکار کے حق میں موجب برکت ہیں۔ اس کے بعد سید محمد نور وہاں تشریف لے گئے، السلام علیکم کہہ کر شہزادہ سے ملاقات کی، ملازمت قبول کی، خلعت خاصہ حاصل کی، اور ۱۴ر سال اس ملازمت میں گزارے اس کے بعد ایک خواب کی بنا پر جس میں اعظم شاہ کے رفض کی وجہ سے اس کے زوال کی خبر دی گئی تھی ملازمت چھوڑ دی اور وطن مراجعت فرمائی۔

اخلاق فاضلہ: زہد وتقویٰ اور قناعت وتورع میں اپنے والد اور دادا کے نقش قدم پر تھے، شرم وحیا اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ چھپر ڈالنے والے مزدوروں کی طرف جو اکثر زانو کھولے رکھتے ہیں دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے، مزدور اور کاریگر بھی یہ بات جانتے تھے اس لئے جب ان کے آنے کا وقت ہوتا فوراً ستر کر لیتے، اہل ہوس کی صحبت ومجالست، سیر وتفریح اور لہو ولعب سے کچھ سروکار نہ تھا اور ایسے لوگوں کے تحفے جو کھانے پینے سے متعلق ہوتے تھے قبول نہ فرماتے تھے، مشتبہ کھانے سے کلی اجتناب اور اکل حلال کا سخت اہتمام تھا، اپنے اوقات کو تلاوت قرآن مجید، اوراد ماثورہ اور اشغال باطنیہ سے معمور رکھتے تھے۔

غیبت، مبالغہ آرائی اور جھوٹ سے سخت نفرت تھی اور اس کی تاب نہ لا سکتے تھے، آخری ایام میں اور بالخصوص وفات کے وقت نسبت حضوری اور یادداشت بڑی ترقی اور قوت پر تھی، اور رقت قلب بہت بڑھ گئی تھی، اکثر فرماتے کہ کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے قابل نہیں ہے لیکن بعض بشارتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ضرور امید ہوتی ہے۔

وفات: ۶؍ربیع الاول ۱۱۴۸ھ کو چہار شنبہ کے دن انتقال کیا اور نصیر آباد درائے بریلی میں اپنے نانا حضرت شاہ داؤد (برادر حقیقی حضرت شاہ علم اللہؒ) کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (تذکرہ شاہ علم اللہؒ: ص؍۱۷۰)

حضرت سید محمد حکم رائے بریلویؒ متوفی ۱۱۵۰ھ

نام ونسب: نام سید محمد حکم، والد کا نام سید محمد جیؒ، دادا کا نام حضرت سید شاہ علم اللہ صاحبؒ ہے۔

فضل وکمال: آپ اپنے زمانہ میں علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے، انھوں نے طویل عرصہ تک اپنے والد کی صحبت اٹھائی اور انھیں کی تربیت ورہنمائی اور شفقت ومحبت کے سایہ میں اصلاح نفس کے ان تمام مراحل سے گزرے جو سالک کو پیش آتے ہیں اور جن سے گزرنا عین اسلام وایمان کا تقاضا اور اس راہ کا طبعی خاصہ ہے۔

روحانیت: مولانا سید نعمانؒ کہتے ہیں کہ ابتدائے حال میں ان کو علوم منقولات کی طرف زیادہ توجہ تھی اس میں کمال حاصل کرنے کے بعد اصلاح حال کی فکر دامن گیر ہوئی، نظر اٹھا کر دیکھا تو یہ دولت گھر میں پائی، چنانچہ اپنے والد کی صحبت وتربیت میں رہ کر سید شاہ علم اللہؒ اور دوسرے مشائخ کی نسبت خاصہ سے بہرہ ور ہوئے اور سلوک کے اعلیٰ ترین مقامات تک پہنچے، اپنے والد سے باقاعدہ اجازت لے کر ہندوستان کے دوسرے مشائخ سے استفادہ باطنی کے لئے مختلف مقامات کا سفر بھی کیا، چنانچہ سرہند میں شیخ عبدالاحد بن شیخ محمد سعید سرہندیؒ سے استفادہ کیا اور ''شام چوراس'' میں نامور شیخ وقت شیخ عبدالغنی شام چوراسی کی خدمت میں تقریباً ایک سال رہ کر فیوض حاصل کئے، اور ان کے سلسلہ کی نسبت باطنی سے بہرہ ور ہوئے۔ اس کے علاوہ شیخ محمد یحییٰ اتکی، شیخ

سعدی بلخاری کی صحبت بھی اٹھائی۔ رائے بریلی سے پشاور تک اکثر مشائخ وقت اور اپنے سلسلہ کے اکابر خلفاء سے بھی استفادہ کیا اور مختلف فیوض واثرات، نسبتوں اور برکتوں سے مالا مال ہوکر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور علوم دینیہ کی خدمت اور افادہ اور تدریس میں لگ گئے۔

تصنیف: آپ کی تصنیفات میں قرآن مجید کی دو تفسیریں بہت اہم ہیں، ایک فارسی زبان میں جس کا نام ''الحسنیٰ'' ہے، دوسری عربی میں جس کا نام ''محکم التنزیل'' ہے، اس کے علاوہ لغت میں ''تلخیص الصراح'' معانی میں ''ملخص البلاغہ'' نحو میں ''لآلی النحو'' (جو انھوں نے خاص طور پر اپنے برادر خورد شاہ لعل صاحب کے لئے تصنیف فرمائی تھی) نیز فقہ، فرائض اور حساب کی متعدد کتابیں ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔

مجاہدہ: بایں ہمہ تلاوت قرآن مجید کا اس قدر ذوق اور اہتمام تھا کی ایک ہفتہ میں ایک قرآن مجید ضرور ختم کر لیتے تھے، ریاضت ومجاہدہ میں بہت رفیع احوال رکھتے تھے، آرام طلبی اور راحت وآسائش سے مطلق سروکار نہ تھا، اور کوئی وقت بیکار اور خالی نہیں گزرتا تھا، عشق الٰہی کی سوزش اس قدر زائد تھی کہ عبادت واشغال میں محویت کے وقت پاس رہنے والے کو ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے سینہ اور دل کباب کی طرح جل بھن رہا ہو۔

وفات: ان اوصاف وکمالات کے ساتھ صرف ۴۲ر سال کی عمر پائی اور ۲۲ر شوال ۱۱۵۰ھ کو نصیر آباد رائے بریلی میں راحت ابدی حاصل کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اور ایک لائق وسعادتمند فرزند سید محمد ثانی یادگار چھوڑا۔ (تذکرہ حضرت شاہ علم اللہؒ: ص ر ۱۷۴)

حضرت روح الامین خان کرنال متوفی ۱۱۵۱ھ

تعارف: آپ محلہ قاضی پورہ بلگرام کے عثمانی شیوخ میں سے ہیں، آپ کو قدرتی طور پر حضرت روح القدس سے تائید حاصل تھی۔ آپ عربی، فارسی اور ہندی کے جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے پاکیزہ اخلاق اور بلند کردار کی خوشبو سے عوام وخواص کے مشام جان معطر رہتے تھے۔ مزاج میں ظرافت اور لطافت بہت زیادہ تھی۔ زبان سے سلاست وفصاحت کا چشمہ جاری رہتا تھا۔ حافظہ اس قدر زبردست تھا کہ تینوں زبانوں کے ہزاروں اشعار، علمی مسائل، سینکڑوں واقعات اور بڑے بڑے قصیدے اور مثنویاں آپ کی نوک زبان تھیں۔ ایسے حاضر جواب تھے کہ جب بھی کسی علم وفن سے متعلق آپ سے سوال کیا جاتا برجستہ جواب دیتے تھے۔

بیعت: آپ کو سید العارفین میر سید لطف اللہ قدس سرہ سے مرید ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ تمام باطنی فضائل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری علم وفضل اور مال ودولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ آپ کی فیاضی اور بہادری کی ہر طرف شہرت تھی۔ ہمیشہ فوج ولشکر، علم ونقارہ وطبل کے مالک اور فیل نشین رہے۔ اپنے ہم وطنوں، پڑوسیوں اور دشمنوں سبھی کے ساتھ نہایت اخلاق واحسان سے پیش آتے تھے۔

ف: علماء ومشائخ کا ایسا ہی اخلاق ہونا چاہئے، اس سے عوام مانوس ہوتے ہیں

اور قریب آتے ہیں جس سے ان کو علمی و دینی نفع ہوتا ہے۔ (مرتب)

علمی شغف: کچھ عرصہ تک آپ نے صوبہ پنجاب کے دو خاص شہروں سیالکوٹ اور جالندھر کے بائیس پرگنوں کی حکومت کا کام سنبھالا۔ اور کچھ زمانہ تک صوبہ اودھ کے نائب صوبہ دار کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ آخر کار آپ نے صوبہ اودھ کے ناظم برہان الملک سعادت خان نیشاپوری کی رفاقت اختیار کرلی۔ اور باوجود ملازمت کے کبھی آپ نے کتابوں سے اپنا تعلق ختم نہیں کیا۔ آخری عمر میں بھی جب کہ آپ کا سن شریف ستر سال سے تجاوز کر چکا تھا۔ آپ نے صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی اپنے ہاتھ سے کتابت کی اور ان پر حاشیے بھی لکھے۔ احادیث کی خدمت سے آپ کو حد درجہ رغبت و محویت تھی۔

ف: عالم کو ایسا ہی ہونا چاہئے، اپنا علمی و تعلیمی بلکہ تصنیفی و تدریسی شغل کو جاری رکھنا چاہئے تا کہ خواص و عوام سب کو مستفیض ہونے کا موقع نصیب ہوتا رہے۔

(مرتب)

وفات: یہاں تک کہ ۱۵/ذیقعدہ ۱۱۵۱ھ بروز منگل ہندوستان کی اس جنگ میں جو ایران کے بادشاہ نادر شاہ کے ساتھ شہر کرنال کے قریب واقع ہوئی تھی، نہایت بہادری کے ساتھ دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے اور اسی مقام پر دفن کر دیئے گئے۔ نور اللہ مرقدہ (مشائخ احمد آباد: ج/۲ ص/۴۴۲)

حضرت شاہ شیخن صاحب اورنگ آبادیؒ متوفی ۱۱۵۱ھ

فضل وکمال: محبوب القلوب کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آپ سید احمد گجراتیؒ کے مرید وخلیفہ ہیں۔ اور وہ شاہ برہان راز الٰہیؒ کے مرید وخلیفہ تھے، صاحب ذکر وشغل تھے۔ اور مشائخ کرام میں وحید الدہر، فقراء ومتاخرین میں فرید العصر تھے۔ تلقین وتربیت میں بیمثل تھے۔ ہمیشہ مرشد کے آستانہ پر حاضر رہتے تھے۔ جو کچھ مرشد فرماتے اس کو بسر وچشم بجالاتے۔ آپ مثنوی شریف کا درس علماء وفضلاء کو دیتے تھے۔ مثنوی کے مطالب نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے۔ پڑھنے اور سننے والوں کو حظ ولطف حاصل ہوتا تھا۔ مرشد کے گھر کا تمام کام آپ کے ذمہ تھا، آپ بھی حسن اعتقاد سے امور مفوضہ انجام دیتے تھے۔

تواضع وخاکساری کا حال: آپ باوجود بزرگی ومشیخت کے کبھی پیر ومرشد کی خدمت سے عار وننگ نہیں فرماتے تھے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ آپ درس میں مشغول ہیں یکا یک مرشد کی مامانے آواز دی کہ اے شیخن باورچی خانہ میں نمک نہیں ہے۔ بازار سے لادے۔ آپ طلباء سے کہتے کہ آپ ذرا تأمل کریں میں حضرت کے کام سے فارغ ہوکر آتا ہوں، اگر کوئی طالب علم کہتا کہ حضرت میں لا دیتا ہوں۔ آپ تشریف رکھئے، تو قبول نہیں کرتے تھے۔ ماشاء اللہ شیخ سے خوش اعتقادی ایسی ہی چاہئے۔ سعادت بدون شیخ کی ارادت کے محال ہے۔ آپ حقیقت میں بزرگی کے مصداق تھے۔ آپ کی شان تواضع

وانکساری ونفس کشی اور خاکساری میں بڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ حالی نے کیا خوب کہا ہے ؎

خاکساری را مکانی دیگر است　　　ایں زمین را آسمانی دیگر است

خاکساری کا مقام ہی الگ ہے، اس زمین کے لئے آسمان ہی کچھ اور ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۲؍ربیع الاول ۱۱۵۱ھ میں واقع ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مبارک اورنگ آباد میں خلائق کی زیارت گاہ ہے۔ نوراللہ مرقدہ

(محبوب التواریخ: ج۱؍ص۴۱۸)

حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ متوفی ۱۱۵۱ھ

نام ونسب: نام محمد زبیر، والد کا نام ابوالعلاء بن محمد نقشبندؒ، پردادا کا نام خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقیؒ ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت بروز دوشنبہ ۵/ذوقعدہ ۱۰۹۳ھ بمقام سرہند ہوئی۔ (حالات نقشبندیہ:ص/۳۴۲)

تعلیم وتربیت: آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی کہ صغرسنی ہی میں والد بزرگوار کا انتقال ہوگیا، اپنے جدامجد حضرت خواجہ حجۃ اللہ محمد نقشبندؒ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اورانہیں سے تکمیل سلوک کی، اور بشارتوں سے سرفراز ہوئے، دادا کے انتقال کے بعدان کے سجادہ کو رونق بخشی اورتھوڑے عرصے میں اپنے علو استعداداورعلوہمت سے سلسلۂ عالیہ مجددیہ کا مرکز ارشاد بن گئے۔

معمولات: حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے ملفوظات ''درالمعارف'' میں آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ صلوٰۃ اوابین میں دس پارے قرآن مجید کے پڑھتے تھے، اس کے بعدمردوں کا حلقہ ہوتا تھا، آپ توجہ دیتے تھے، پھر دولت خانہ تشریف لے جا کرعورتوں کا حلقہ کرتے تھے، اورآدھی رات کو چند گھڑی آرام فرما کرتہجد کے لئے اٹھ بیٹھتے تھے، اورتہجد کی نماز میں چالیس مرتبہ یا ساٹھ مرتبہ سورۂ یٰسٓ پڑھتے تھے، بعد ازاں چاشت کے وقت تک مراقب رہتے تھے، پھرمردوں کا حلقہ قائم دائم ہوتا تھا، اورآپ طالبین وسالکین کوتوجہ

دیتے تھے، پھر تھوڑی دیر قیلولہ فرما کر قرأت طویل کے ساتھ چار گھڑی میں نماز فیٔ زوال پڑھتے تھے، پھر ختم خواجگان پڑھ کر ظہر کی نماز ادا کرتے تھے، بعد اس کے قرآن مجید کی تلاوت کر کے کھانا نوش کرتے تھے، رات دن میں یہی وقت حضرتؒ کے کھانے کا تھا، بعد عصر مشکوٰۃ شریف یا مکتوبات امام ربانیؒ کا درس فرماتے تھے۔ غرض کہ تمام دن توجہ دینے اور ہدایت خلق میں صرف کرتے تھے، جب آپ مکان سے مسجد تشریف لاتے تھے تو امراء اپنے دوشالے اور پگڑیاں مکان سے مسجد تک بچھا دیتے تھے تا کہ قدم مبارک زمین پر نہ پڑے، اگر کسی مریض کی عیادت یا دعوت میں جانے کے لئے سوار ہوتے تو بادشاہوں کے مثل آپ کی سواری جاتی تھی۔

کرامت: ایک روز دہلی کی جامع مسجد کے نیچے سے آپ کی سواری نکلی، حضرت شاہ گلشن نے دیکھا کہ ایک شخص پالکی میں سوار ہے اور بہت سی پالکیاں اس کے پیچھے چلی جاتی ہیں اور مجمع کثیر ان پالکیوں کے ہمراہ ہے، اور انوار الٰہی اس پالکی کے اس طرح محیط ہیں کہ پالکی سے لے کر آسمان تک نور تاباں کا ایک تختہ معلوم ہوتا ہے، اور تمام گلی نور سے بھر گئی ہے، حضرت شاہ گلشن نے اپنے سر سے پرانی کملی اتار کر ڈالدی اور اپنے مریدوں سے فرمایا کہ اس میں آگ لگا دو، انہوں نے عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا کہ اس امیر کی سواری پر ایک ایسا نور ہے کہ میں نے کبھی اپنی کملی میں مشاہدہ نہیں کیا، باوجودیکہ تیس برس اس کملی میں ریاضت سے گزارے ہیں، کسی نے عرض کیا کہ یہ سواری حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ کی ہے، آپ نے فرمایا: الحمد للہ کہ ہمارے

پیرزادے ہیں، ہماری آبرو باقی رہی، اور اپنے خاص مریدوں کو حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا: جس جگہ حضرت تشریف رکھتے ہوں ہم کو مرید کرنا جائز نہیں۔ (ارشاد رحمانی)

آپ کے خلفائ: حضرت خواجہ محمد زبیرؒ نے بڑے بڑے خلفاء یادگار چھوڑے ہیں، ان میں سے تین بڑے نامور ہوئے، حضرت خواجہ ضیاء اللہ کشمیریؒ جن کے خلفاء میں حضرت شاہ محمد آفاقؒ ہیں۔ دوسرے حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیبؒ جن کے فرزند وخلیفہ حضرت خواجہ میر درد دہلویؒ ہوئے۔ تیسرے حضرت خواجہ عبد العدلؒ جن کے خلیفہ حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ مترجم قرآن وفرزند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔

وفات: ۴؍ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ میں وفات پائی، جسد مبارک سرہند لے جایا گیا جہاں اپنے آبائے کرام کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ
(تذکرہ مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحبؒ)

حضرت شیخ حافظ سعد اللہ دہلویؒ متوفی ۱۱۵۲ھ

فضل وکمال: آپ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے فرزند تھے اور خلیفہ حضرت محمد صدیقؒ کے کامل خلفاء میں سے تھے۔ تیس سال تک آپ نے اپنے مرشد کی صحبت اختیار کی اور طریقہ احمدیہ منسوب بہ حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ میں بلند مقامات حاصل کئے۔ خانقاہ کے فقراء نے آپ کو سید الصوفیہ کا لقب دیا تھا۔

بڑے ناز سے فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے پیر کی خانقاہ کا پانی اپنے سر پر اٹھایا ہے جس کی وجہ سے میرے سر کے بال گھس گئے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری آنکھوں کا نور بھی نثار ہوگیا ہے۔ میرے پیر نے مجھے شدید موسم گرما میں احمد آباد بھیجا۔ سورج کی گرمی سے میری آنکھیں بھی بیکار ہوگئیں۔ خانقاہ کی خدمت کی برکت سے میرے پاس اتنے خادم آئے کہ ان میں سے ہر ایک کو میری خدمت کا موقع نہ مل سکا اور میرے دل کی آنکھیں نور معرفت سے بینا ہو گئیں۔ اور میرے سر کی آنکھیں غیر کے التفات سے بے پرواہ اور مجھے دائمی مراقبہ حاصل ہے۔ غیر کا تصور جو ظاہری آنکھوں کے ذریعہ دل میں آتا ہے وہ میرے آئینۂ باطن میں راہ نہیں پاسکتا، اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر ہے۔

ف: سبحان اللہ صبر وشکر کا کیسا عالی مقام میسر تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خاص معیت ونسبت کا بدرجۂ کمال انعام حاصل ہوا۔ (مرتب)

تواضع: مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ آپ پر تواضع اور انکسار کا غلبہ

تھا۔لوگوں سے معافی مانگتے ہوئے اپنا سر مبارک ان کے پاؤں پر رکھ دیتے۔

مرزا مظہر جان جاناں نے فرمایا کہ آپ علم ظاہری میں مہارت نہیں رکھتے تھے لیکن اپنے پیر کی خدمت کی وجہ سے باطنی نسبت قوی تھی۔آپ کی خانقاہ میں ایک بلی رہتی تھی جو آپ کے تصرف سے چڑیوں پر مہربان ہوگئی تھی، وہ اپنا منہ کھولتی تو اس کے منہ میں گندم کے دانے ڈال دیئے جاتے۔ چڑیاں اس کے منہ سے دانے چن لیتیں۔

ف: سبحان اللہ! کیسی کرامت حاصل تھی۔یہ اہل معرفت ہونے کی علامت ہے۔ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاءُ (مرتب)

آپ کی خدمت میں مرزا مظہر جان جاناںؒ: مرزا مظہر جان جاناںؒ نے آپ سے استفادہ کیا ہے اور آپ کی خدمت میں رہ کر بہت کچھ حاصل کیا ہے جس کو آپ کے خلیفہ شاہ غلام علی دہلویؒ نے ''مقامات مظہری'' میں نقل کیا ہے۔

نصائح

حضرت مرزا صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے جناب حضرت حافظ سعداللہ صاحبؒ سے طریقہ کا فیض حاصل کرنے کے لئے درخواست کی تو استخارہ کرنے کا حکم دیا۔استخارہ سے ''ہوالمراد'' معلوم ہوا۔پس میں نے صحبت کا التزام کیا اور کفش برداری کی خدمت اختیار کی۔اس خدمت کی برکت سے بہت فوائد حاصل ہوئے۔اور ہر روز باطنی انوار میں ترقی محسوس کرتا تھا۔اور نسبت میں وسعت زیادہ ہوگئی۔حضرت حافظ صاحبؒ کبر سنی کے ضعف کی وجہ سے جب کہ آپ کی عمر اسی سال سے زیادہ ہوگئی تھی، طالبوں کے حال پر توجہ کرنے کی

طاقت نہیں رکھتے تھے۔

تلاوت: حضرت حافظ صاحب صبح کے وقت کلام اللہ کا ایک پارہ پڑھتے تھے۔اوراستفادہ کرنے والے ان کے گرد حلقہ بنالیتے تھے۔اورقرآن مجید کے سننے سے ترقی کرتے تھے۔اس طرح میں نے بارہ سال تک آپ کی صحبت مبارک کے فیوض سے استفاضہ کیا۔اوراپنے حال میں بےشمار عنایات کا مشاہدہ کیا(یہاں تک کہ) آپ اپنے مریدین کے (باطنی) احوال مجھ سے پوچھتے تھے۔ میں جو کچھ عرض کرتا اس کی تصدیق فرماتے تھے۔ اوراپنے اصحاب کی تربیت کے لئے مجھے حکم فرماتے کہ انہیں مسائل شریعت وطریقت کی تلقین کرو۔ چنانچہ اس خدمت کو بخوبی انجام دیتے تھے۔

حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے ایک امیر جو کہ ہمارا ارادت مند تھا،اس کے لشکر کی نگہبانی کے لئے جسے دشمنوں کے ساتھ مہم درپیش تھی،لشکر کی حفاظت کے لئے دعائے ”حزب البحر“ پڑھی تا کہ اسے فتح حاصل ہو سکے۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحب اور پیران کبار کی باطنی امداد سے لشکر محفوظ اور فتح مند رہا۔اور دشمن پشیمانی کے ساتھ فرار ہو گیا۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے تھے کہ حضرت سے میرے استفادہ کے بعد خلق کثیر نے رجوع کیا۔امراء واغنیاء بڑی کثرت سے حاضر خدمت ہوتے تھے۔

نواب خاں فیروز جنگ بھی آپ سے بیعت وارادت رکھتے تھے۔ وہ کسب فیض کے لئے ہر روز جمیعت حلقہ میں حاضر ہوتے تھے۔آپ کی خانقاہ

میں بہت درویش جمع ہوتے تھے، اسی (۸۰) افراد ہر روز آپ کے مطبخ میں کھانا کھاتے اور وظیفہ خوار تھے۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب اظہار کلمۃ الخیر اور سفارش (سفارشی رقعات بنام امرائ) کرنے میں بہت مصروف رہتے تھے۔ (یہاں تک کہ) حاجت مندوں کی حاجت برآری کے لئے امراء کے ہاں تشریف بھی لے جاتے تھے۔

حضرت مرزا صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی ارادت مند حضرت کی اجازت کے بغیر کسی مزار کی زیارت کے لئے چلا جاتا تو آپ کو بہت غیرت آتی تھی، اور وہ اپنے باطن میں فتور محسوس کرنے لگتا اور جب تک عذر نہ کرتا اس کی نسبت درست نہیں ہوتی تھی۔

آپ فرماتے تھے کہ چونکہ حضرت حافظ صاحب بڑھاپے کی وجہ سے طالبوں کے حال پر توجہ نہیں فرما سکتے تھے، اس لئے میں نے شیخ الشیوخ حضرت محمد عابد قدس سرہ کی طرف رجوع کیا۔ اور حضرت حافظ صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا رہا، حافظ صاحبؒ کے خلیفہ شیخ صبغۃ اللہؒ نے یہ خبر پہنچا دی۔ آپ کے دل میں (میرے بارے میں) ملال پیدا ہو گیا۔ اور فرمایا کہ تم نے یہاں فیوض و برکات و تاثیرات میں کیا کمی دیکھ کر دوسری جگہ رجوع کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میرا مقصود ذات حق تعالیٰ اور نسبت علیا کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور ان کا حصول توجہات علیہ پر موقوف ہے۔ اور آپ جسمانی ضعف و ناتوانی کے سبب ایسا نہیں کر سکتے اس لئے میں نے آپ کے بھائیوں میں سے ایک کی طرف

رجوع کیا ہے۔اورآپ سے میرا اخلاص اور بندگی راسخ ہے ۔لیکن اس عرض داشت کے باوجود آپ کا ملال رفع نہ ہوسکا۔آپ کی وفات کے بعد میں آپ کے مزار پر حاضر ہوا تو انہیں ناخوش پایا(یہاں تک کہ) مجھ سے روگرداں ہوگئے۔کئی سالوں کے بعد شیخ صبغۃ اللہؒ نے مجھے بشارت دی کہ حضرت نے مجھے خواب میں بتایا ہے کہ ہم مرزا صاحب سے راضی ہیں جو کچھ انھوں نے اختیار کیا وہی اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔تو میں شکر کے سجدے بجالا یا کہ اہل حقوق کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔(مقامات مظہری:ص ر ۲۷۳)

ف: معلوم ہوا کہ باطنی طور سے اگر کسی مرید سے شیخ کو کسی وجہ سے طبعاً انقباض ہوجائے تو اس کو فہم وفراست سے کام لینا چاہئے ، تاہم مرضی تو اللہ تعالیٰ ہی کی پیش نظر رہنی چاہئے اس لئے کہ یہی اصل الاصول ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صحیح راستہ پر رکھے اور بزرگوں کے فیوض وبرکات سے محروم نہ فرمائے۔(مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۱ر شوال ۱۱۵۲ھ کو ہوئی،آپ کا مدفن دہلی بیرون دروازہ اجمیری مدرسہ غازی الدین خان کے شمال ومغرب میں ایک تہ خانہ میں ہے۔نوراللہ مرقدہ(مقامات مظہری:ص ر ۲۴۱)

حضرت شاہ علی اکبر پشاوری برہانپوریؒ متوفی ۱۱۵۲ھ

نام ونسب: شاہ علی اکبر، آپ کا اصلی وطن پشاور ہے۔ آپ کسی نقشبندی بزرگ کے خلیفہ ومرید تھے۔ شہر وزیر آباد میں سکونت پذیر تھے۔

فضل وکمال: آپ نے اپنے والد مکرم کی وفات کے بعد گھر کا تمام اسباب فقراء پر تقسیم کر کے درویشی اختیار کی، مدۃ العمر کبھی شکم سیر ہوکر نہیں کھاتے تھے۔ اور اپنے اوقات کو ہمیشہ ذکر اللہ میں صرف کرتے تھے۔ خوش سیرت ونیک صورت تھے۔ عالی ہمت اور صاحب کمال تھے۔ آپ کی ملاقات امیر وفقیر کو آسانی سے حاصل ہوتی تھی۔ آپ اسباب دنیوی سے ہرگز محبت نہیں رکھتے تھے۔ شرع کے احکام پر مستحکم، سنت نبوی پر ثابت قدم اور تصوف وتعرف میں راسخ القدم تھے۔ اگر کسی کو اس کے خلاف پاتے منع کرتے اور لعنت وملامت بھی فرماتے تھے۔ نماز پنجگانہ جماعت سے ادا کرتے تھے۔ صائم الدہر وقائم اللیل تھے۔ بموجب سنت نبوی آپ کی چار بیویاں منکوحہ تھیں۔ سفر وحضر میں زوجات بھی ہمراہ رہتی تھیں۔ جہاندار شاہ بادشاہ آپ کا مرید تھا۔ اور دیگر امراء بھی معتقد تھے۔ قانع وصابر تھے۔ دنیوی جاہ وحشمت سے متنفر تھے۔ مدۃ العمر چاندی وسونے کو ہاتھ نہیں لگایا، اگر کوئی زر ونقرہ نذر دیتا تو رومال یا آستین پر لیتے تھے۔ حریص وآرام طلب نہیں تھے۔ لذیذ طعام نہیں کھاتے تھے۔ عمدہ لباس نہیں پہنتے تھے۔ نواب آصف جاہ مرحوم کی دعوت میں عام مشائخ جمع تھے اور آپ بھی

مدعو تھے۔ انواع اقسام کے کھانے سب لوگ کھا رہے تھے مگر آپ نے اپنی رکابی میں ایک صراحی سے پانی ڈال کر چند لقمے کھائے۔ اور فی الفور اٹھ کھڑے ہوئے۔

ف: سبحان اللہ اکل طعام میں کس قدر احتیاط تھا جو آپ کے زہد وورع پر دال ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔ افسوس کہ جہاندار شاہ باوجود مرید ہونے کے شیخ کی سیرت وصحبت سے ذرا بھی متأثر نہ ہوسکا جیسا کہ اس کے فسق وفجور کے علانیہ حالات شاہد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شیخ کامل مکمل سے بیعت ہونے کے باوجود اپنی بے طلبی وبے حسی وبد باطنی کی وجہ سے کوئی اپنی ذرا بھی اصلاح نہ کرے اور بدنام کنندہ نیکو نامے چند کا مصداق ہو، ایسے سرکش بددین لوگوں سے مشائخ بھی بدنام ہوتے ہیں، اور ایسا بہت ہورہا ہے کہ مشائخ سے بیعت ہوتے ہیں مگر اصلاح کا خیال نہیں کرتے اس لئے ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی اور افسوس اس بات کا بھی ہے کہ مشائخ بھی اس زمانہ میں مریدین کی کثرت کو سب کچھ سمجھتے ہیں مگر وہ ان مریدین کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ سلسلۂ علیہ بدنامی کا شکار ہوتا جارہا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۵؍ربیع الاول ۱۱۵۲ھ میں شہر لاہور میں واقع ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حسب وصیت خدام نعش مبارک کو صندوق میں رکھ کر برہانپور لائے اور دفن کئے۔ نور اللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج؍۱ ص؍۶۲۹)

حضرت مخدوم العالم مولانا شیخ نورالدین احمد آبادیؒ متوفی ۱۱۵۵ھ

نام ونسب وولادت: شیخ نورالدین نام، مخدوم العالم لقب ہے۔ آپ حضرت حاجی الحرمین شیخ محمد صالح کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت بقول آزاد بلگرامی ۱۰؍جمادی الاولی ۱۰۶۴؁ھ اور بقول صاحب مرأت احمدی ۱۰۶۳؁ھ میں ہوئی۔ بمقتضائے "السعید من سعد فی بطن امه" آپ کے چہرہ پر بزرگی وسعادت کے آثار نمایاں اور زیرکی ومشیخت کے نقوش عیاں تھے۔

تعلیم وتربیت: نشوونما کے بعد دس برس کی عمر میں حافظ قرآن ہوئے۔ اور والدہ ماجدہ سے گلستان سعدی سات روز میں ختم کی اور اخوند مولانا احمد بن مولانا سلیمان وملا فریدالدین احمد آبادی کی خدمت میں کتب درسیہ کی تعلیم سے فراغت پائی۔ حدیث وقرأت کی سند مولانا سید محمد ابوالمجد محبوب عالم سے حاصل کی اور طریقہ سہروردیہ میں مولانا کے مرید وخلیفہ ہوئے۔ اور دوسرے سلاسل کی بھی اجازت وخلافت پائی۔ علوم معقول ومنقول وفروع واصول میں یگانہ تھے۔ گجرات میں کوئی ان کی نظیر نہیں تھا۔

درس وتدریس: مولانا کے علم وفضل کی شہرت بلاد وامصار میں پہنچی تو طلبہ جوق درجوق اطراف وجوانب سے آنے لگے۔ آپ نے درس وتدریس کا بازار گرم کیا۔ اکثر طلبہ آپ کی توجہ سے فضلائے زمانہ ہوئے۔

تعمیر مدرسہ: محمد اکرم الدین المخاطب شیخ الاسلام خان صوبہ احمد آباد نے جو

آپ کے مرید وشاگرد تھے، ایک لاکھ روپیہ خرچ کر کے آپ کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کیا۔ مدرسہ مذکورہ کی بنا ۱۱۰۲ھ میں شروع ہوئی۔ اوراس کی مکمل عمارت ۱۱۰۹ھ میں تیار ہوئی۔

طلبہ کے لئے وظیفہ: دوروپیہ یومیہ وظیفہ طلبہ کی ضرورت کے لئے مقرر ہوا۔ بلاد وامصار کے طلبہ جو مدرسہ میں داخل ہوتے تھے ان کے قیام وطعام کا انتظام مدرسہ سے ہوتا تھا۔ مدرسہ میں کتب خانہ بھی تھا۔ تقریباً اس میں کتابیں ایک لاکھ تھیں طلبہ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ اطمینان سے علم وفضل حاصل کر کے اپنے اپنے وطن کو مراجعت کرتے تھے۔ یہ مدرسہ بڑا نامی گرامی تھا، گویا ہند میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کا مثل تھا۔ اس مدرسہ کی وجہ سے گجرات کا نام بلاد وامصار میں مشہور معروف ہوا۔ گجرات کو دارالحسنات ودارالعلوم کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ مولانا کی وجہ سے مدرسہ کا وجود ہوا۔ اور مولانا ہی کی ذات بابرکات کی بدولت معروف ومشہور ہوا۔ مولانا علماء متقدمین وبزرگان پیشین کے نمونہ تھے۔ افضل العلماء واعلم الفضلاء تھے۔

آپ کی تصنیفات: آپ کی تصنیفات ایک سوستر تک ہیں۔ ازانجملہ التفسیر الرحمانی للسبع المثانی، التفسیر الربانی علی سورۃ البقرہ، وحاشیہ اوائل تفسیر بیضاوی۔

ف: کاش کہ دستیاب ہوتیں تو ہم مستفیض ہوتے۔ (مرتب)

فضل وکمال: مولانا ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین گئے، حج وزیارت سے مشرف ہوکر وطن تشریف لائے۔ حرمین شریفین میں علماء وشرفاء سے ملے۔ سب نے آپ کی تعظیم وتوقیر کی۔ پھر ایک سال کے بعد احمد آباد میں مراجعت کی،

ہمیشہ عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔اور اوراد ووظائف کے سوا ہرروز قرآن شریف ختم فرماتے تھے۔نماز باجماعت ادا کرتے تھے،تہجد کی نماز بھی کبھی فوت نہیں ہوئی۔ پندرہ برس کی عمر سے آخر عمر تک کبھی آپ کے اوراد ووظائف فوت نہیں ہوئے۔۔متوکل علی اللہ تھے،کبھی بادشاہی عطیہ ووظیفہ قبول نہیں فرمایا۔باوجود جاہ وحشمت ومال ودولت کبھی اشرفی وروپیہ کو ہاتھ میں نہیں لیا۔

وفات: آپ نے ایکہتر برس کی عمر میں بوقت دوپہر روز سہ شنبہ ۱۱۵۵ھ میں رحلت فرمائی،اوراحمد آباد مدرسہ کے متصل خانقاہ میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ

(محبوب التواریخ:ج/۲ص/۸۵۰)

حضرت قاضی عزیز الدین محمد عباسی بیجاپوریؒ متوفی ۱۱۵۵ھ

نام ونسب: آپ شیخ ابوالمعالی بن شیخ نعیم اللہ کے دوسرے صاحبزادے اور ابوتراب مدرس کے حقیقی بھائی تھے۔آپ کا مولد بیجاپور ہے۔

فضل وکمال: آپ نے کتب درسیہ اپنے برادر اور مولانا قاضی سید علی مدرس سے ختم کیں۔اور علامہ عصر ہوئے، متقی و پرہیزگار متشرع ودیندار تھے۔صاحب درس وتدریس تھے، سلطان محمد عادل شاہ نے آپ کو قضا کی خدمت پر مامور کیا تھا۔آپ کی ذات بابرکات سے دارالقضا کو رونق وزینت حاصل ہوئی تھی۔آپ حدود شرعی میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔احکام شرعی کو کتاب وسنت کے مطابق جاری فرماتے تھے۔عدل وانصاف میں دیانت داری سے کام کرتے تھے۔اہل مقدمات آپ کے فیصلہ سے راضی ہوتے تھے۔آپ کے کتب خانہ میں ایک خادم مقرر تھا۔کسی قدر نوشت وخواند جانتا تھا۔کتاب کا نام لکھ پڑھ سکتا تھا۔اور کچہری میں آپ کے ہمراہ جاتا تھا۔جب آپ کو کسی مسئلہ میں کتاب کی ضرورت ہوتی تھی تو اس کو بھیج کے منگواتے تھے۔اور مسئلہ نکال کے اس کو فرماتے تھے کہ اس مقام کو نقل کرو، اور مسئلہ کے مضمون کو ترجمہ کرکے اہل مقدمات کو سناتے تھے۔خادم آپ کی تقریر سن کے حفظ کرلیتا تھا۔چند مدت میں وہ رفتہ رفتہ فقیہ ہوگیا۔اکثر فقہ کی جزئیات اس کو مستحضر واز بر تھیں۔اگر کوئی اس سے سوال کرتا تو صحیح جواب دیتا تھا۔کتاب کا نام، باب اور فصل کا برابر نشان بتلاتا تھا۔

اکثر اس کے مسائل کتابوں میں دیکھے گئے تو مطابق برآمد ہوئے۔ کسی نے عالمگیر سے اس کے حافظہ وفقاہت کا ذکر کیا۔ عالمگیر نے اس کو بلوایا، اکثر مسائل پوچھے، جس کا اس نے صحیح جواب دیئے۔ عالمگیر بہت خوش ہوئے اور اس کو شولا پور کی قضا پر مقرر کیا۔ یہ سب قاضی صاحب کے تصرف کے کمال کا نتیجہ تھا۔

وفات: آخر آپ نے ۵/ ربیع الاول ۱۱۵۵ھ کو رحلت فرمائی۔ مقام ادھونی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج/ ۱ ص/ ۶۱۲)

حضرت سید محمد بن سید علم اللہ رائے بریلویؒ متوفی ۱۱۵۶ھ

نام ونسب: نام محمد، والد کا نام سید علم اللہ بن سید محمد فضیل حسنی رائے بریلوی، اپنے والد کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ مگر علم، عمل وتقویٰ وپختگی میں سب سے بڑے تھے۔

ولادت: ۱۰۷۰ھ میں رائے بریلی شہر میں ولادت ہوئی۔

تعارف: سید محمد جیؒ سید شاہ علم اللہؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے لیکن ان کے کبار خلفاء میں ہیں، بہت بلند احوال کے مالک اور قوی النسبت شیخ تھے، ساری عمر زہد وعبادت، نصیحت وموعظت، پیروی سنت، عمل بر عزیمت اور اتباع شریعت میں گذاری اور کسی موقع پر اس میں کوئی کمزوری یا لغزش نہ آئی، طریقت کے حقائق ومعارف کے بیان اور ارشاد وتربیت میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے اور ایک طویل عرصہ تک ان کے بابرکت وجود اور روحانی فیض سے ہزاروں بندگان خدا نے فائدہ اٹھایا اور حق کا راستہ پایا۔

باطنی تربیت: سن شعور ہی سے والد ماجد کے زیر تربیت رہے اور علوم ظاہری وباطنی دونوں سے بہرہ ور ہوئے، آغاز شباب ہی سے اسباب سعادت ان کے لئے مہیا اور آثار ولایت ان کے چہرہ سے عیاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

طریقت وسلوک کے انتہائی کمالات اور قرب ووصول کے مقامات اپنے والد کی زندگی اور ان ہی کی نگرانی اور رہنمائی میں طے کئے۔

شریعت وطریقت میں سید شاہ علم اللہؒ کے نقش قدم پر اور حقائق ومعارف الٰہیہ کے بیان میں ان کی زندہ تصویر تھے، ان کی مجلس میں بیٹھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سید شاہ علم اللہؒ کی مجلس میں بیٹھا ہے اور ان کے فیض صحبت سے مستفید ہو رہا ہے۔ سید محمد جیؒ کا بیان ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی امی تھے، اس لئے والد ماجد نے بھی محض آپ کی اتباع کے شوق میں نوشت وخواند اور خط وکتابت ترک کر دی تھی اور اس طرح کی تمام چیزیں میرے سپرد کر دی تھیں، جو کچھ لکھوانا ہوتا تھا اپنی زبان گہر بار سے ارشاد فرما دیتے اور میں اس کو قلمبند کر لیتا، اس وجہ سے میں ہمیشہ سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہا، آخری ایام میں خلق سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے، اگر کوئی زیارت کے لئے آتا تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر مشتمل ایک لکھا ہوا مضمون مجھے عنایت فرماتے کہ یہ ان کو جا کر سناؤ، پھر اگر ضرورت ہوتی تو میرے مشورہ کے بعد ملاقات کے لئے باہر تشریف لاتے، ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں کمال شفقت کے ساتھ مجھ سے ضرور مشورہ فرماتے۔

ف: سبحان اللہ! کس قدر امت کی اصلاح کے لئے فکرمند تھے کہ تقریر وتحریر ہر طرح سے تعلیم وتربیت فرمایا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان حضرات سے کام ہوا اور امت نے تسلیم کیا۔ (مرتب)

اپنا عمامہ، قمیص اور شیخ الاسلام سید آدم بنوریؒ کی ایک ٹوپی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی دستار مبارک، اپنا قرآن مجید جس میں خود تلاوت فرماتے تھے اور اس طرح کے سارے تبرکات سید شاہ علم اللہؒ نے سید محمد جیؒ کو عطا فرمائے اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے ساتھ اپنی وہ اصل دولت بھی عطا فرما دی جس کی وجہ سے یہ

چیزیں تبرکات سمجھی جاتی ہیں۔

سید شاہ علم اللہؒ کے انتقال کے وقت سید محمد جی کی عمر ۲۶ رسال تھی، ایسے مشفق ومہربان باپ اور ایسے مرشد ومربی کا سایہ عین جوانی میں سر سے اٹھ جانا بہت بڑا حادثہ تھا، اس کا اثر ان کے دل پر قدرتی طور پر بہت پڑا، اور وہ زمانہ بڑے مصائب اور تکلیفوں میں گزرا، چنانچہ رفع کدورت کے لئے وطن کو خیرآباد کہہ کر سیر وسیاحت کے لئے نکل گئے اور دو سال کے بعد وطن واپس تشریف لائے اور اس دو سال کی مدت میں مختلف مشائخ بالخصوص شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندیؒ کے خلفاء سے پورا فائدہ اٹھایا اور فیض حاصل کیا۔

ارشاد وہدایت: آبائی مکان پر قیام کرنے کے بجائے اس سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر مشرقی جانب اندرون قلعہ قیام فرمایا اور وہاں ایک نیا مکان اور نئی مسجد تعمیر کی اور اپنے والد کے اصحاب اور سالکین راہ کے ساتھ ارشاد وہدایت اور خدمت خلق میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں قبول عام اور رجوع تام حاصل ہوا اور یہ جگہ ایک ایسا مرکز اصلاح بن گئی جہاں ان کے والد ماجد سے تعلق رکھنے والے تمام اشخاص اور دوسرے طالبان حق جوق در جوق آتے اور اپنی پیاس بجھاتے، نہ جانے اللہ کے کتنے خوش قسمت بندے ان کے انفاس متبرکہ کی برکت اور فیض صحبت سے قید خود پرستی سے آزاد اور قرب ووصال کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

ناظم صوبہ الہ آباد جو ہندو تھا اس سے ملنے سے عذر فرمادیا: ارشاد وہدایت کا یہ شہرہ اتنا بڑھا کہ ایک روز ناظم صوبہ الہ آباد (جو ہندو تھا) رائے بریلی وارد

ہوااور سید محمد جی کی زیارت وشرف ملاقات کے لئے قلعہ کے اندر خانقاہ میں پہنچا، سید محمد جیؒ اس وقت مکان میں تشریف رکھتے تھے، ناظم نے حاضری کی اطلاع دی اور آرزوئے ملاقات ظاہر کی، انھوں نے فرمایا کہ اگر جامع مسجد میں فقیر کی موجودگی کے وقت تشریف لائیں تو ملاقات ومصافحہ سے کچھ عذر نہیں، امر بالمعروف اور دعوت اسلام کے بعد اپنے حق سے بری الذمہ ہوجاؤں گا، لیکن تمنائے اسلام کے بغیر حجرہ سے باہر آنا اور آپ سے ملاقات کرنا میرے لئے مشکل ہے، اگر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ہو تو شوق سے تشریف لائیں، ملاقات کروں گا اور اپنا بھائی سمجھوں گا، ورنہ واپس تشریف لے جائیں، یوں یہ فقیر اللہ کے تمام بندوں کے لئے دعا گو ہے، اس نے یہ سن کر پیغام رساں سے کہا کہ وہ تو اپنے حقوق سے عہدہ برا ہو گئے اور میں اپنی بے نصیبی کی وجہ سے اس دولت دیدار سے محروم رہا، اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اس زمانہ میں ایسا شیخ اور سید دیکھنے میں نظر نہیں آیا۔ عام طور پر تو شیوخ امیروں اور ناظموں کی آمد کی تمنا میں رہتے ہیں، اس کے لئے مختلف حیلے اور ترکیبیں کرتے ہیں کہ امراء واغنیاء ان کے آستانہ پر حاضر ہوں اور اس مقصد کے حصول کو معراج دنیاوی سے کم نہیں سمجھتے لیکن سید عالی ہمت کی شان ہی دوسری ہے۔

ان کی نسبت صحیحہ اور دعوت باطنی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سید عبدالحیؒ نے حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں جس سے ان کے علوئے مرتبت پر روشنی پڑتی ہے۔

و کان آیة باھرة و نعمة ظاھرة فی النسبة الصحیحة وقوة التاثیر فی القاء النسبة۔	نسبت صحیحہ، قوت تاثیر اور توجہ ڈالنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نشانی اور نعمت تھے۔

صاحب بحرزخار نے شاہ صاحب کے فرزندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے متعلق لکھا ہے۔

خصوصاً میر سید محمد از ہم خرد تر بود ومانند آخریں مصرعہ رباعی، از غایت تصوف مذاق دیگر نداشت، خلائق بمداحی او می کوشد۔

خاص طور پر میر سید محمدؒ ان سب سے چھوٹے اور رباعی کے آخری مصرعہ کے مانند تھے، تصوف وسلوک کے سوا اور کوئی مذاق نہ رکھتے تھے، ایک خلقت ان کی مدح میں رطب اللسان ہے۔

معمولات: عادت شریفہ یہ تھی کہ عشاء کی نماز پڑھتے ہی مکان تشریف لے جاتے، اس وقت اکثر اہل تعلق واحباب دروازہ تک ہمراہ رہتے، صبح کی نماز کی سنتیں گھر پر پڑھتے اوراس کے بعد مسجد تشریف لاتے اوراپنے صاحبزادہ محمد عدلؒ (جو بعد میں ان کے جانشین اور بڑے شیخ وقت ہوئے) کی اقتدا میں صبح کی نماز ادا کرتے، نماز اوراشراق سے فراغت کے بعد خدام ومریدین اکثر مسجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے اورخود دیوار کی طرف پشت کرکے قبلہ رو ہوکر مراقب ہوجاتے، ظہر کی نماز سے کچھ وقت پیشتر مکان تشریف لے جاتے اور حوائج ضروری سے فراغت کرکے ظہر کی نماز کی تیاری کرتے اور مسجد تشریف لاتے، اور پھر عشاء تک اسی قسم کے معمولات میں مشغول رہتے اوراس کے بعد زائرین ومحبین کی طرف رخ کرکے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ رخصت ہوتے اور دعا فرماتے، جس دن سفرآخرت تھا اس دن بھی حسب دستور صبح کی نماز کے لئے مسجد تشریف لائے اور وہ سارے معمولات پورے فرمائے، اس کے بعد مکان

تشریف لے گئے اور ایسا تپ (بخار) شدید لاحق ہوا کہ کھڑے یا بیٹھ کر نماز پڑھنا مشکل ہو گیا اور لیٹ کر نماز ادا کی، ان کا معمول تھا کہ فرائض وسنن کے علاوہ نوافل بھی عذر یا بے عذر بیٹھ کر نہ پڑھتے تھے۔

ایک اہم تصنیف: ان کی ایک اہم تصنیف ''شرح کلمات نقشبندیہ'' ہے، سلسلہ نقشبندیہ کی مخصوص اصطلاحات کی شرح وتوضیح اور ان کے اسرار ومعانی کے بیان میں بکثرت چیزیں لکھی گئی ہیں۔ اور اس سلسلہ کے بہت سے اکابر نے اس کی تشریح کی ہے لیکن اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں ان اصطلاحات کو نسبتاً جس عام فہم اور شگفتہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے اور ان کی جو واضح اور معین تعریف کی گئی ہے وہ اکثر کتابوں میں نہیں ملتی اس کے ساتھ اس میں بہت سے دوسرے معارف وحقائق، علوم واسرار اور علمی فوائد موجود ہیں جن سے مصنف کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لکھنے والے کا خود اپنا حال ہے جو وہ ''حدیث دیگراں'' کے پردہ میں بیان کر رہا ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے سیرت علمیہ کے حواشی پر اس کتاب کے متعلق یہ لکھا تھا۔

از تصانیفش شرح کلمات خواجگان نقشبند در غایت متانت وتوضیح یادگار است، بہتر ازاں شرح نہ دیدہ شد۔	ان کی تصنیفات میں شرح کلمات خواجگان نقشبندیہ متانت وتوضیح میں یادگار ہے اس سے بہتر شرح نظر سے نہیں گذری۔

اقتباسات: اس نادر اور بیش قیمت کتاب کے جستہ جستہ اقتباسات یہاں نقل

کئے جاتے ہیں اس سے ہم ان کے خیالات اور دلی جذبات کو خود ان کے الفاظ میں سمجھ سکیں گے۔

خلوت در انجمن کی تشریح: مشائخ نقشبند کی مشہور اصطلاح خلوت در انجمن کی تشریح انھوں نے جس طرح کی ہے اس سے ان کے بلند نظری اور علوئے مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے اور بہت سی وہ مشکلات حل ہوجاتی ہیں جو اس زمانہ کے سالکین واہل حق کو پیش آتی ہیں، یہ بات اس انداز میں وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ان وادیوں سے گزر چکا ہو اور سب نشیب وفراز کو خوب پہچانتا ہو۔ ؎

خوشتر آید آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اے برادر این ہم تحمل وتکلف در ابتدا وتوسط است، درانتہا ازیں تحملات ہیچ درکار نیست، در عین تفرقہ جمعیت است ودر نفس غفلت حاضر اند، اینجا کسے گمان نبرد کہ تفرقہ وعدم در حق منتہی مطلقا مساوی است لا، بلکہ مراد آنست کہ تفرقہ وعدم در نفس جمعیت باطنی اورا برابر اند،

ای بھائی یہ سب تحمل اور تکلف ابتدا اور وسط میں ہے، انتہا میں ان تحملات کی چنداں ضرورت نہیں اس وقت تو عین تفرقہ کے موقع پر سکون اور غفلت کے مواقع پر حضور نصیب ہوتا ہے اس جگہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ منتہی کے لئے تفرقہ وعدم تفرقہ مطلقا برابر ہے، ہرگز نہیں، مراد صرف یہ ہے کہ اس کی جمعیت باطنی کے سامنے یہ دونوں چیزیں برابر ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:۔

باید دانست کہ در بعض اوقات از تفرقہ چارہ نبود کہ حقوق خلق ادا باید کرد ، پس تفرقہ ظاہر نیز در بعض اوقات مستحسن گشت ، اما تفرقہ باطن در ہیچ وقتے از اوقات جائز نیست ، کہ آں خالص برائے حق است سبحانہ وتعالیٰ ، پس سہ حصہ از عباد مسلم برائے حق تعالیٰ شد ، باطن بتمام ، نصفے از ظاہر نیز ، ونصف دیگر از ظاہر برائے ادائے حقوق خلق باقی ماند ، اما در ادائے آں حقوق ہر گاہ امتثال اوامر حق سبحانہ وتعالیٰ است ، آں نصف دیگر ہم راجع بحق گشت سبحانہ ، الیه یرجع الامر کله فاعبده وتوکل علیه، ومار بک بغافل عماتعملون۔

جاننا چاہئے کہ بعض اوقات انتشار وتفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ حقوق خلق کی ادائیگی ضروری ہے، پس ظاہری انتشار بھی بعض اوقات مستحسن اور موجب ثواب ہے، لیکن قلبی انتشار اور دل کا مختلف چیزوں میں بٹا رہنا اور اٹکا رہنا کسی وقت جائز نہیں اس لئے کہ وہ خالص حق سبحانہ وتعالیٰ کے لئے مسلم ہے، بندہ کی زندگی کے تین حصے حق تعالیٰ کے لئے ہونے چاہئیں باطن تو بلا کم وکاست ظاہر کا بھی نصف حصہ، بقیہ نصف حقوق خلق کی ادائیگی کے لئے، لیکن اس نصف آخر میں بھی ہر لمحہ اور ہر لحظہ اوامر الٰہی کو مدنظر رکھنا چاہئے اس وقت یہ نصف آخر بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو جائے گا۔ (بے شک ہر چیز اسی کی طرف لوٹنے والی ہے، بس اسی کی عبادت کرو، اسی پر بھروسہ کرو، اور تمہارا رب اس سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔)

بیعت وصحبت کی ضرورت: بیعت وصحبت کی ضرورت اور امام ورہبر کی

اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک عجیب اور آسان مثال دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس کے لئے محض مراسلت یا محض مطالعہ کافی نہیں، وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ خود اپنے مطالعہ و تحقیق یا اپنے مجوزہ مجاہدہ وریاضت کے ذریعہ وصول الی اللہ کے طالب ہیں ان کی مثال اس وضو کرنے والے کی سی ہے جو باوجود پاک وصاف ہونے اور جذبۂ صادق کے امام کا محتاج ہے اور کسی حال میں اس سے مستغنی نہیں۔

چوں ایں ہمہ کرد مثال او مثل کسے بود کہ طہارت کرد اکنوں اورا امام حاجت بود کہ باو اقتدا کند۔ .... در کلام مجید فرمودہ است ''اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین''۔

ان سب ریاضتوں اور مجاہدات کے بعد بھی اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو اپنی طہارت کے شرائط تو پورے کر چکا ہے لیکن اب بھی اس کو امام کی ضرورت ہے جس کی وہ اقتدا کر سکے، اسی لئے کلام مجید میں آیا ہے (اللہ سے ڈرو اور سچے اور مخلص بندوں کے ساتھ رہو)

آگاہی وبیقراری: وہ کہتے ہیں کہ وصول الی اللہ کے راستہ میں جو بے آرامی وبے قراری نظر آتی ہے وہ خود بہت بڑی دولت ہے اور حفاظت کے قابل ہے، عبدیت اور محبت کا تقاضا یہی ہے کہ اس درد کو سینہ سے لگایا جائے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت اور نعمت سمجھا جائے۔

ف: اسی مضمون کو خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ؎

اب تو آزار محبت کے مزے آنے لگے　　　صدقے اس ساقی کے جس نے درد پیدا کر دیا

(مرتب)

تذکرہ روح ذکر:

روح ذکر آنست کہ آگاہ بحق سبحانہ باشد، ایں آگاہی است کہ دل را بخود آرام دہد واز غیر خود متعرض گرداند۔ کمال سعادت جز ایں نیست کہ اوراحق سبحانہ وتعالیٰ بخود مشغول گرداند ہر چہ شوداز سخن بہتر باشد کہ اوگرفتار آنحضرت شد جل شانہ "لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ" آنچہ مطلوب است بے آرامی بیش نیست ونالیدن از درد وفرقت۔ چوں بیقراری و بے آرامی درتو ظاہر شد باکمال بندگی مستحق شدی، اگر عنایت فرمودہ بشرف یافت می شود وحصول رسانند آں کار خداوند است جل ذکرہ۔

ذکر کی روح یہ ہے کہ حق سبحانہ کی آگاہی نصیب ہو اور آگاہی یہی ہے کہ وہ دل کو اپنے ساتھ آرام دیتا ہے اور اپنے غیر سے ہٹا دیتا ہے۔ کمال سعادت بس یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ساتھ مشغول بنا لے اور اپنے کاموں میں لگائے رکھے خواہ کچھ بھی ہو، اس سے بہتر بات کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا گرفتار ہے "لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ" جو کچھ مطلوب ہے وہ بے آرامی اور درد فرقت کے ساتھ گریہ وزاری کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بیقراری و بے آرامی اس کی علامت ہے کہ کمال بندگی اس کو حاصل ہے۔ اگر عنایت ہوگی تو مشرف وسرفراز کریں گے اور مقصود تک پہنچا دیں گے یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے بندہ کا نہیں۔

ذکر کے اثرات:

باید دانست کہ قابلیت در اصل

جاننا چاہئے کہ استعداد وقابلیت

خلقت متفاوت است، کسے باشد بانچہ از ذکر مقصود است باندک فرصت برسد وکسے باشد کہ بدیر برسد وکسے باشد کہ بحقیقت ذکر کہ عبارت از پاک شدن دل است از التفات بغیر سبحانہ وتعالیٰ بطرف جذبہ بسبب مناسبتے کہ او را باشد بالتفات خاطر برگزیدہ ازغیر حق سبحانہ وتعالیٰ مشرف شود لیکن نگاہداشت ایں دولت دشوار باشد۔

انسانوں میں مختلف ہوا کرتی ہے، کوئی ایسا ہوتا ہے کہ ذکر کے مقصود تک ذرا سی دیر میں پہنچ جاتا ہے، کوئی ایسا ہوتا ہے کہ جس کو زیادہ دیر لگتی ہے۔ کسی کو ذکر کی حقیقت جو غیر اللہ کی طرف التفات سے دل کو پاک کرنے کے مرادف ہے اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ کوئی جذبہ اس مناسبت سے مل کر جو اس میں پہلے سے موجود ہوتی ہے اس کو اس درجہ پر اچانک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن اس دولت کی حفاظت دشوار ہوتی ہے۔

وفات: ساری زندگی اسی زہد وتقویٰ اور ارشاد وتربیت میں گزار کر ۲۴؍ ربیع الثانی ۱۱۵۶ھ کو مالک حقیقی سے جا ملے اور عشاء ومغرب کے درمیان مسجد سید شاہ علم اللہؒ کے جنوب مغرب میں ''مولسری'' کے درخت کے نیچے آسودۂ خاک ہوئے۔ (تذکرہ حضرت شاہ علم اللہؒ: ص؍ ۱۵۲)

حضرت عبدالقادر ثانی حیدرآبادیؒ متوفی ۱۱۵۹ھ

نام ونسب: عبدالقادر نام، لقب شاہ صاحب، والد کا نام سید سعدالدین ہے۔

فضل وکمال: صاحب انوارالاخیار لکھتے ہیں کہ آپ حیدرآباد کے جید مشائخ میں سے تھے۔ اوصاف حمیدہ وشمائل پسندیدہ کے ساتھ موصوف تھے۔ تقویٰ وطہارت میں معروف، ابتداء شب سے نماز اشراق تک ذکر وشغل میں مشغول رہتے تھے۔ اور درود شریف کا ورد ہر وقت نوک زبان رہتا تھا۔ حیدرآباد میں اکثر امراء وفقراء آپ کے مرید تھے۔ نواب آصف جاہ مرحوم جب حیدرآباد آتے تھے تو ضرور آپ سے ملاقات کرتے تھے اور دعا کی درخواست فرماتے تھے۔ لطائف قادریہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آپ کے والد ماجد جس وقت فوت ہوئے، اس وقت آپ کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ آپ اپنے والد ماجد کے مرید وخلیفہ تھے۔ والد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے، مادرزاد ولی تھے۔

خضر علیہ السلام سے ملاقات: آٹھ سال کی عمر میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملے۔ ملاقات کے بعد حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو گئے اور آپ کو قند سیاہ دیا۔ آپ خوف زدہ ہوئے، سخت بیمار ہو گئے۔ آپ کی والدہ نے حضرت محی الدین ثانی سے واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا مطمئن رہو خوف کی بات نہیں ہے۔ یہ لڑکا قطب ہوگا۔ قند سیاہ قطبیت کی دلیل ہے۔ اور وہ بزرگ

خضر علیہ السلام تھے۔فرمایا قند سیاہ بچے کو کھلاؤ،اور شاہ صاحب موصوف نے بیمار صاحبزادہ کی طرف توجہ کی۔تھوڑی دیر کے بعد بیماری دفع ہوگئی،آپ حضرت محی الدین ثانی کی خدمت میں رہے۔علوم ظاہری و باطنی سے مستفید ہوئے۔ حضرت صاحب کمالات وخوارق عادات تھے۔میر محمد فاضل نے پنج گنج میں لکھا ہے کہ حضرت مفتی قطب عالم صاحب آپ کے حق میں فرماتے تھے کہ،جس کو محبوب سبحانی کا دیدار منظور ہو آپ کو دیکھ لے۔اور صاحب انوار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ صاحب خلق وکریم وحلیم تھے۔آپ کی عمر ستر برس سے زیادہ تھی۔شاہ درویش صاحب آپ کے معاصر تھے۔دونوں باہم خالہ زاد بھائی بھی تھے، دونوں میں باہم محبت واتحاد تھا،آپ کے خلفاء پچاس سے زائد تھے،اور اولاد میں چار فرزند تھے۔سید محی الدین احمد،وسید حسین وسید محمد علی وسید سعدالدین محمد ثانی۔

وفات: آپ کی وفات ۲۷/ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ میں ہوئی۔تجہیز وتکفین کے بعد آباء واجداد کے روضہ میں واقعہ قلعہ گولکنڈہ متصل لنگر حوض کے تالاب کے کنارے مدفون ہوئے۔نور اللہ مرقدہ۔(محبوب التواریخ:ج/۱ص/۵۶۰)

حضرت شیخ محمد عابد سنامیؒ متوفی ۱۱۶۰ھ

نام ونسب: نام محمد عابد نقشبندی ہے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

ولادت: آپ کا مولد ''موضع سنامی'' ہے جو سرہند کے نواح میں واقع ہے۔

فضل وکمال: آپ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی (والد مجدد الف ثانی سرہندیؒ) کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کثیر العبادت اور کثیر الذکر تھے۔ تہجد کی نماز میں سورۂ یٰسین ساٹھ مرتبہ پڑھتے تھے۔ اور ہر دوگانہ کے بعد ذکر اور مراقبہ بھی کرتے تھے۔ نصف شب سے لے کر سحر تک تمام وقت یاد الٰہی میں بسر کرتے تھے۔ آپ کی موت اسہال کی بیماری میں ہوئی۔ یہ مرض چھ ماہ تک رہا پھر بھی اس دوران پینتیس مرتبہ سورۂ یٰسین تہجد میں پڑھتے، اور بیس ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ، نفی واثبات، حبس نفس، تلاوت کلام اللہ اور اس کے علاوہ بھی صلوٰۃ وسلام اور وظیفہ پڑھتے تھے۔

احتیاط: ایک بار سرہند کے حاکم نے مویشی ناجائز طریقہ (غارت گری) سے حاصل کئے تو آپ نے اس وقت سے لے کر بیس سال تک گوشت وغیرہ ترک کئے رکھا۔

جب آپ دہلی تشریف لے جاتے تو راستے میں صرف اس آٹے کے سوا جو آپ کے لئے من کل وجہ حلال ہوتا، کچھ تناول نہ فرماتے۔ آپ کا ہر فعل تابع عزیمت کے مطابق تھا، آپ کو کامل مقبولیت حاصل ہوئی اور خاص وعام کے مرجع بنے، آپ کا آستانہ اور خانقاہ اہل اللہ کا ماوی بن گیا۔ تقریباً دوسو علماء وصلحاء

آپ کے حلقہ میں (ہر وقت) حاضر رہتے تھے۔

اور بہت سے طالبان حق کی جماعت آپ کی توجہ سے مقامات احمدیہ کی نہایات تک پہنچی۔ اور بے شمار ارباب فنا وبقا آپ کی مبارک صحبت میں رہ کر استغراق وبے خودی وارادت وولایت اورتہذیب اخلاق پر فائز ہوئے۔

حدیث اور فقہ کے درس کے بعد قبلہ رو ہوکر مراقبہ میں بیٹھ جاتے تھے، اور ہرایک جوآپ کی خدمت میں پہنچتا ذکراورانوار جمعیت اس کے باطن میں القا کرتے۔ جمعہ کے روز طالبان کا اجتماع زیادہ ہوتا تھا، جوکوئی بھی آپ کے سامنے آتا اس کا دل آپ کی توجہ سے ذاکر ہوجاتا۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ یہ عوام ذکر قلبی کیا جانیں؟ یہ تو دل کی حرکت طبعی، اورحرکت ذکر کے درمیان امتیاز نہیں کرسکتے۔ تو آپ نے (اس کے جواب میں) فرمایا یہ معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ معلوم کرنا کوئی بڑا کام نہیں۔ وہ اپنی قبر میں اس ذکر کا اثر اورقدر خود ہی جان جائے گا کہ دل کے ذکر کے نور کی برکت سے ایمان سلامت رہتا ہے۔

طریقۂ احمدیہ کے انوار آپ کے فیوض کی وجہ سے چمک اٹھے۔ اوراس خاندان کی نسبت شریفہ کورواج ہوا۔ اس لئے عالم غیب میں آپ ''القاسم لخزائن اللہ'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔

توجہ کی کیفیت: ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ مسجد میں گئے، تو وہاں ایک شخص اپنے مریدوں کے مجمع میں بیٹھا تھا۔ اورلوگوں کومرید بنارہا تھا لیکن اس کا باطن اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کے نور سے جوبلند پایہ کا خاصہ ہے، خالی تھا۔

مشائخ کبار کے نزدیک فنائے قلب اور ولایت کے اقوال و واردات

اورتہذیب اخلاق کے بغیرکسی کو مرید کرنا (اورمسند مشیخت سجانا) حرام ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان احوال سے بہرہ ورفرمائے جوکسی لائق بنادیٔ (مرتب)

آپ نے اس (شیخ) کے حال پر شفقت فرمائی۔ دیرتک اس کے حال پر متوجہ رہے اوراسے مرتبہ ولایت قلبی پر پہنچادیا۔ ہمارے حضرت (مرزامظہرؒ) سے جوکہ اس وقت حاضر خدمت تھے، از روے التفات اس کے احوال کی تصدیق چاہی تو حضرت نے عرض کیا کہ آپ کی توجہ سے اس کا دل ذاکر ہوگیا ہے۔ اوراس کے لطیفہ کونورانیت میسرآ گئی ہے، جس سے وہ اپنے اصل (طلب حق) کی طرف آتشین ہوا کی طرح پرواز کرگیا ہے۔اور دل میں بہت زیادہ اضمحلال محسوس کیا ہے، اورعالم امرکی سیرکی طرف متوجہ ہوا ہے۔اورتجلی افعالی کوپہنچ کرفنائیت حاصل کی ہے۔اورطریقہ کی اجازت کی قابلیت پیدا کرلی ہے۔آپ نے فرمایاتمہارامشاہدہ صحیح ہے، ہمیں بھی اس کے یہی احوال معلوم ہوئے ہیں۔

ایک روزکسی قبرستان سے گذرہوا، اسی وقت کھڑے کھڑے مراقبہ کرکے مردوں کے حال پرتوجہ کی اورفرمایا کہ یہ بے چارے فیض کی درخواست کرتے ہیں۔ پھرآپ نے ان کے حال پرتوجہ فرمائی۔فقیر(شاہ غلام علی صاحبؒ) نے اپنے مرشد قدس سرہ کی زبان مبارک سے خودسنا جبکہ میں بھی اس وقت حاضر خدمت تھا۔ وہ لمحہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت تھا۔تمام قبرستان آپ کی توجہات کے انواروبرکات سے معمورہوگیا۔

زیارت حرمین: آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے پاپیادہ گئے تھے اورسرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف وعنایات سے سرفرازہوئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میرے سوز سینہ کی گرمی اور درد کو جو ازل سے انتہائے طلب تک کسی جگہ کم نہیں ہوا مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات سے تسکین میسر آئی۔ اور جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ وہاں (حرمین شریفین میں) بہت سے طالبان حق نے آپ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ ایک شخص نے مدینہ منورہ میں ریاضت، مجاہدہ، نوافل اور بہت زیادہ عبادت کیا جس کو جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا، چنانچہ وہ شخص بھی آپ کی خدمت میں کسب فیض کے لئے آیا تو آپ نے اسے مجاہدات کرنے سے منع کیا۔ اور میانہ روی سے عبادت کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ وہ ریاضت شاقہ کا خوگر ہو گیا تھا اس لئے اس نے آپ کے کہنے پر عمل نہ کیا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آپ کی متابعت اور التزام صحبت کا حکم دیا۔ پس وہ آپ کی خدمت میں استفادہ کے لئے آیا اور آپ کی حسن تربیت سے مقامات عالیہ پر فائز ہوا۔ (مقامات مظہری: ص ر ۲۳۳)

تصنیف وتالیف: حدائق حنفیہ مؤلفہ مکرم فقیر محمد جہلمی میں مذکور ہے کہ آپ بڑے عالم فاضل، فقیہ مفسر اہل بیت علم سے تھے یہاں تک کہ علم وعمل اور ورع وتقویٰ میں علماء عصر اور اولیاء وقت سے سبقت لے گئے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں جس میں سے حاشیہ بیضاوی، شرح خلاصۃ کیدانی، رسالہ دربارہ وجوہ اعجاز قرآن، اور العشرۃ المبشرۃ فی فضائل الامۃ المرحومہ وغیرہ مشہور ہیں۔

وفات: آپ کی وفات ۱۱۶۰ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ ''فخر بزرگان'' تاریخ وفات ہے۔ (حدائق الحنفیہ: ص ر ۴۶۳)

آپ کا مزار دہلی میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ

حضرت علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ لکھنوٴ متوفی ۱۱۶۱ھ

(بانی درس نظامی)

نام ونسب: نام نظام الدین محمد، والد کا نام مولانا قطب الدین شہید ہے، والد کی شہادت کے بعد آپ قصبہ سہالہ بارہ بنکی سے منتقل ہوکر لکھنوٴ فرنگی محل کو اپنا مسکن بنایا، اس لئے فرنگی محلی سے مشہور ہوئے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۰۸۹ھ میں قصبہ سہالہ بارہ بنکی صوبہ یوپی میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: علامہ نظام الدین محمد نے اپنی عمر کے ابتدائی چودہ برس والد ماجد کے سایۂ عاطفت میں گزارے اور متوسطات تک کا نصاب انہیں سے پڑھا۔ والد ماجد کی شہادت کے بعد تقریباً دوسال تک گھر میں افراتفری کا ماحول رہا اور تحصیل علم کا سلسلہ موقوف رہا۔ فرنگی محل میں آباد ہونے کے بعد جب ذرا اطمینان خاطر نصیب ہوا تو علامہ صاحب نے سلسلہ تعلیم کو مکمل کرنے کی ٹھانی، چنانچہ رخت سفر باندھا اور تقریباً دس سال کی مدت میں علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہوکر وطن لوٹے۔

اساتذہ: علامہ صاحب کے اساتذہ میں سب سے پہلا نام خود ان کے والد ماجد کا ہے جن کی زندگی میں آپ شرح جامی تک تعلیم پا چکے تھے۔ گو آج قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ سہالی میں آپ کی جو تعلیم ہوئی وہ از اول تا آخر والد

ماجد ہی کے ذریعہ ہوئی، لیکن قرین قیاس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اور معلم باپ نے ہونہار فرزند کی تعلیم وتربیت کی طرف خود ہی توجہ کی ہوگی۔ والد ماجد کی شہادت کے بعد دیوہ ضلع بارہ بنکی، جائس ضلع رائے بریلی، بنارس اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کی روایتیں ملتی ہیں۔ صرف دیوہ میں استاد کا نام نہیں ملتا لیکن دوسرے مقامات کے اساتذہ کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں۔ جائس میں ملا علی قلی جائسی کے درس کی شہرت تھی، اور ملا محمد باقر بھی یہیں مسند درس بچھائے ہوئے تھے۔ ملا نظام الدین اول اول ملا محمد باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے جنھوں نے فرمایا کہ پہلے وہ ان کے بعض تلامذہ سے درس لیں۔ ملا صاحب اس پر اپنی طبیعت کو راضی نہ کر سکے اور ملا علی قلی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور انہیں سے اکثر کتب درسیہ پڑھیں۔ اس کے بعد بنارس جا کر اپنے والد ماجد کے ایک صاحب درس وصاحب تصانیف شاگرد مولانا امان اللہ بنارسی سے علم کلام کی منتہی کتاب ''شرح مواقف'' اور بعض دوسری منتہی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد لکھنؤ واپس آئے اور مسجد ٹیلہ شاہ پیر محمد میں ان کے بیک واسطہ شاگرد اور خلیفہ اور سجادہ نشیں ملا غلام نقشبند سے فن ہیئت کی انتہائی کتاب ''رسالہ قوشجیہ'' پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے، پھر فرنگی محل میں مسند درس بچھائی اور تعلیم وتدریس کے آبائی مشغلہ میں منہمک ہو گئے۔ (مشاہیر علماء فرنگی محل: ص/۲۱)

درس گاہ اور تلامذہ: علامہ نظام الدین کی درسگاہ جسے تاریخی روایتوں میں مدرسہ ملا نظام الدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، دراصل آپ کی رہائشی عمارت (حویلی فرنگی، فرینکس کوارٹرس یا فرنگی محل) میں ہی واقع تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں

نے مدرسہ نظام الدین کا ذکر اس طرح کیا ہے جیسے وہ الگ سے کوئی عمارت ہو جسے تعلیم و تعلم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، لیکن حقیقت یہی ہے کہ علامہ نظام الدین کا مدرسہ آپ کی حویلی یا (بعد میں) اس مسجد میں ہی قائم تھا جو آپ کے زمانہ میں ہی تعمیر ہوئی تھی اور فرنگی محل کی قدیم عمارت میں شامل نہیں تھی۔

ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی علامہ صاحب کا حلقۂ درس اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ تنہا آپ کے لئے طلبہ کو درس دینا ممکن نہیں رہ گیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد رضا کو بھی، جو ایک روایت کے مطابق آپ سے چار یا پانچ سال اور دوسری روایت کے مطابق محض دو سال ہی چھوٹے تھے، اور جو آپ کے ہم استاد اور ہم پیر بھی تھے، اپنے ساتھ شامل کر لیا اور وہ گویا مددگار مدرس کے طور پر آپ کا ہاتھ بٹانے لگے۔ ملا محمد رضا نے درس وتدریس میں عملی تعاون کے ساتھ ساتھ خاندان کے انتظامی امور کے ذمہ داری بھی اپنے سر لے رکھی تھی اور علامہ نظام الدین صاحب کو ان بکھیڑوں سے یکسر بے نیاز کر رکھا تھا۔ مولانا محمد رضا زیادہ دنوں تک آپ کا ساتھ نہ دے سکے اور حضرت سید عبدالرزاق ہانسوی سے بیعت کا سلسلہ قائم ہونے کے بعد تارک الدنیا ہو گئے۔

(مشاہیر علماء فرنگی محل: ص ر ۲۴)

حضرت سید عبدالرزاق (امی) سی بیعت وارادت: خانوادۂ فرنگی محل ''در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق'' (ایک ہاتھ میں جام شریعت [جام شیشہ کا ہوتا ہے] اور دوسرے ہاتھ میں عشق کا سندان [سندان لوہے کا ہوتا ہے] دونوں کو جمع کرنا محال معلوم ہوتا ہے) کی روایت پر عامل رہا ہے۔ یوں بھی علوم

ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی تحصیل ماضی قریب تک کسی شخصیت کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھی جاتی رہی ہے۔ علامہ نظام الدین شریعت وطریقت کی اس جامعیت کی بہترین مثال تھے۔ چالیس برس کی عمر میں ایک الہامی اشارہ کے نتیجہ میں ملا صاحب نے اپنے بھتیجے اور دست راست مولانا احمد عبدالحق کے ساتھ حضرت سید عبدالرزاق ہانسویؒ سے بیعت وارادت اور اصلاح باطن کا تعلق استوار فرمایا۔ اسے بیعت وارادت کی تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہی کہا جائے گا کہ اپنے وقت کا فاضل یگانہ، استاد الہند جس کے علم وفضل کے آگے بڑے سے بڑے اصحاب دستار وکلاہ کی گردنیں خم ہوجاتی تھیں، جس کا جاری کردہ ''درس نظامی'' صرف اس کے عہد میں نہیں صدیوں بعد تک علم وفضل کا اعلیٰ معیار بنا رہا اور جس کی معقولات کی ہمہ گیری اوج کمال تک پہنچی ہوئی تھی، ایک ناخواندہ، بلکہ امی محض کے آستانے پر جبینِ عقیدت (پیشانی) خم کردیتا ہے۔ چنانچہ یہ حیرت ذہنوں میں صرف خلش بن کر نہیں رہ سکی، دوسرے نہیں خود ملا صاحب کے گھر والے، ملا صاحب کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا حیرت ہی نہیں بلکہ خاصی ناراضگی کے ساتھ کہتے تھے، تعجب ہے کہ اس علم وعزت کے باوجود آپ نے ایک ناخواندہ جاہل فقیر سے بیعت کرلی اور خاندان کی عزت کا بھی کوئی پاس نہیں رکھا۔

علامہ نظام الدین اپنے چھوٹے بھائی کی اس بات پر غصہ نہ ہوتے بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے تھے:

محمد رضا جس معاملہ میں تم اعتراض کررہے ہو وہ ایک ایسی کیفیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا ادراک بغیر اس کیفیت کے حصول کے ممکن نہیں ہے، اگر

الفاظ و بیان کے ذریعہ اس کا سمجھانا ممکن ہوتا تو میں ضرور تمہاری تشفی کر دیتا۔

تصانیف: مولانا صاحب کی تصانیف پانچ عنوانات کے تحت تقسیم کی جاسکتی ہیں: (۱) اصول فقہ، (۲) کلام، (۳) فلسفہ، (۴) سیر و سوانح، (۵) حدیث۔

چند کتابیں درج ذیل ہیں:۔

شرح مسلم الثبوت، شرح منار، شرح عقائد جلالی کا حاشیہ، رسالہ مبارزیہ فی العقائد الاسلامیہ کی شرح، حاشیہ شمس بازغہ، مناقب رزاقیہ وغیرہ۔

بناء درس نظامی: علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی نے اسلامی علوم کی حفاظت واشاعت کی خاطر مدارس اسلامیہ کے لئے ایک نصاب ترتیب دیا جس کا نام درس نظامی رکھا۔ اس نصاب کو دنیائے اسلام کے تمام مکاتب فکر کے مدارس نے قبول کیا اور تین سو برس سے زائد مدت گزر جانے کے بعد آج بھی برصغیر ہندو پاک، بنگلہ دیش اور عالم عرب کے متعدد مدارس میں داخل ہے۔

توکل وتواضع: مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کا کہنا ہے کہ: انتہائی تنگدستی کی زندگی گزارتے تھے، عموماً تین تین روز تک گھر میں کھانا نہیں پکتا تھا، صرف ایک مٹھی چنے پر زندگی بسر ہوتی تھی، بلکہ ایک مٹھی چنے بھی میسر نہ ہوتے تھے۔

ملا صاحب اپنے علم و فضل اور محبوبیت و مقبولیت کے باوجود نہایت سادہ اور بے تکلف زندگی گزارتے تھے۔ ان کے مزاج میں اس قدر بردباری تھی کہ خاندانی رعایا اور متعلقات فرنگی محل، میں آباد کرایہ داروں تک سے حق واستحقاق کے معاملے میں بھی سخت رویہ اختیار نہ کرتے تھے۔

رعایا اور کرایہ داروں کا معاملہ تو رہا ایک طرف، علامہ نظام الدین اپنے

ہم چشموں اور معاصروں کے علمی اعتراضات پر بھی سکوت اختیار کر لیتے تھے خواہ اس میں آپ کی سبکی ہی کیوں نہ ہو رہی ہو۔فرماتے تھے کہ: مجھے غلطی پر قرار دے کر اگر کسی کا اعتبار اور مرتبہ علمی بڑھتا ہے تو میں غلطی قبول کرنے پر تیار ہوں۔

ف: سبحان اللہ غایت درجہ تواضع ومروت کی علامت ہے۔(مرتب)

ملا صاحب کے تواضع اور فروتنی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ انہوں نے اپنے وضع کردہ ''درس نظامی'' میں اپنی یا اپنے والد ماجد کی کوئی تصنیف نہیں رکھی حالانکہ ان دونوں حضرات کی تصانیف ان کے معاصر اور بعد کے علماء کی شہادت کے مطابق نہایت بلند پایہ اور اعلی معیار کی حامل ہیں۔

وفات: تعلیم، تعلم، تصنیف اور ارشاد وہدایت کا یہ تاجدار ۹/جمادی الاولیٰ ۱۱٦۱ھ کو عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گیا، اور لکھنؤ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون (مشاہیر علماء فرنگی محل:ص/۲۵)

حضرت شیخ شمس الدین حیدر آبادیؒ متوفی ۱۱۶۱ھ

نام وولادت: آپ کا نام شمس الدین عرف شمس مولا ہے، شاہ محمود اولیاء کے فرزند وخلیفہ ہیں۔آپ کی ولادت ۱۰۸۰ھ میں شہر حیدر آباد میں ہوئی۔

ظاہری وباطنی علوم کی تحصیل: والد ماجد کے سایۂ عاطفت میں نشوونما پایا، جب سن تمیز کو پہنچے تب والد ماجد اور علماء سے علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔پھر علم باطنی کا شوق دل میں پیدا ہوا۔والد ماجد سے شروع کیا، والد ماجد نے آپ کو شائق ولائق سمجھ کر تمام اسرار الٰہی سے آگاہ فرمایا۔اور خلافت کی سند دے کر سجادہ نشین وخلیفہ مقرر کیا۔آپ صاحب کشف وکرامات تھے۔اہل دکن خواہ شیعہ ہوں یا سنی دونوں ہی فریق آپ کے معتقد تھے۔

فضل وکمال: آپ صوفیاء کرام کے مذہب پر تھے، مشائخ عصر سے بزرگانہ طرز سے ملتے تھے جو کوئی آپ کو سلام کرتا تھا جواب دیتے تھے۔مدت العمر خانقاہ ہی میں رہے کبھی شہر میں کسی امیر یا فقیر کے گھر نہیں آئے۔اور حجرہ سے ضرورت کے وقت برآمد ہوتے تھے۔ہفتہ میں پنجشنبہ کے دن حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے، معتقدین حاضرین کو زیارت سے مشرف وسرفراز فرماتے تھے۔انوار الاخیار میں لکھا ہے کہ جب حجرہ سے برآمد ہوتے تھے تو اس وقت کمر میں سفید پٹکا بندھا ہوا ہوتا تھا۔سفید پگڑی بطور عمامہ سر پر اور سفید لباس زیب تن ہوتا تھا۔حجرہ کے سامنے مریدوں کا مجمع ہوتا تھا۔حضرت کے برآمد ہوتے ہی

سب تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔

آپ کی مجلس کا حال: آپ بلند آواز سے تسبیح و درود پڑھتے تھے، آپ کی مجلس میں ذکر اللہ و ذکر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو دم مارنے کی تاب نہیں تھی۔ عالم سکوت تھا یا درود و تسبیح کا ذکر تھا۔ مشکوٰۃ النبوۃ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آپ صاحب تصرف اور اہل نسبت تھے۔

کرامت: مشہور ہے کہ آپ کے والد ماجد کے عرس کے دن ناگاہ شور و غوغا برپا ہوا کہ پہاڑی کے نیچے ایک دامن میں ایک شیر بیٹھا ہوا ہے۔ آنے جانے والوں کا راستہ بند ہے، آپ اٹھے اور شیر کے قریب پہنچے اور اس سے کہا کہ آج شاہ محمود کا عرس ہے، خلائق فاتحہ کے لئے مجتمع ہیں۔ یہاں سے ہٹ جا۔ شیر حضرت کا کلام سنتے ہی وہاں سے اٹھا اور جنگل کا راستہ لیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ پھر کسی نے اس کا نشان نہیں پایا۔ آپ سے اکثر ایسے خوارقِ عادات ظاہر ہوئے ہیں۔

ف: اسی کو کرامت کہا جاتا ہے، یعنی متبع سنت شخص سے جو خرق عادت کا صدور ہو وہی کرامت کہلاتی ہے۔ خوب سمجھو۔ (مرتب)

وفات: اسی برس کی عمر میں ۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ میں دار ناپائیدار سے بہشت بریں کو روانہ ہوئے۔ حیدر آباد پہاڑی پر والد ماجد کے قریب دفن کئے گئے۔ نور اللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج / ۱ ص / ۴۱۵)

حضرت سید محمد صابر رائے بریلویؒ متوفی ۱۱۶۳ھ

نام ونسب وولادت: سید محمد صابر بن آیۃ اللہ حسنی حسینی، رائے بریلوی فضل وصلاح کے اعتبار سے مشہور بزرگوں میں تھے۔آپ سید شاہ علم اللہ رائے بریلویؒ کے پوتے ہیں۔آپ کی ولادت شہر رائے بریلی میں ہوئی۔

فضل وکمال: سید محمد ضیاءؒ متوفی ۱۱۴۶ھ کے بعد آپ ان کے جانشین ہوئے اور یہ چشمۂ رشد وہدایت تشنگان معرفت کو اسی فیاضی کے ساتھ سیراب کرتا رہا، ابتداء میں دہلی اور سرہند تشریف لے گئے اور خواجہ محمد معصومؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد صادق (جن کی ذات اس وقت مرجع خاص وعام تھی) کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہ کر سلوک کے منازل طے کئے اور اعلیٰ ترقیات وبشارات سے بہرہ ور ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

عورتیں بھی مجاز ہوسکتی ہیں: ان کی والدہ سید شاہ علم اللہؒ کی تربیت یافتہ تھیں اور سلوک وطریقت میں بہت سے مردان خدا اور سالکین راہ سے آگے تھیں، بہت قوی نسبت رکھتی تھیں، اور سید شاہ علم اللہؒ کی مجاز اور ان کی نسبت باطنی کی وارث تھیں، انھوں نے سید محمد ضیاء کے انتقال کے بعد اپنے لائق فرزند ارجمند کو دہلی سے طلب کیا، پہلے ان کو اس نسبت کی توجہ دی جو ان کو سید شاہ علم اللہؒ سے حاصل ہوئی تھی اور اس کے بعد سید محمد ضیاء کی امانت وجانشینی ان کے سپرد کی، سید محمد صابر کو بہت قبول عام حاصل ہوا، طالبان خدا ان کی تربیت میں آکر بڑی تعداد میں فائز المرام اور کامران ہوئے اور مقصد اعلیٰ تک پہنچے۔

مقصود اصلی نسبت خاصہ کا حصول ہے: مولانا محمد نعمان لکھتے ہیں کہ اس فقیر نے ان کے بہت سے ایسے مریدوں کو دیکھا ہے جو مقصود اصلی تک پہنچ چکے تھے اور ان کو نسبت خاصہ فراست صادقہ اور قوت کشف وادراک بھی حاصل تھی۔

اخلاق فاضلہ: سید محمد صابر اخلاق ومروت اور ایثار وسخاوت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے جو کوئی بھی ملنے آتا اس کو کچھ دیئے بغیر کبھی رخصت نہ ہونے دیتے، ایک مرتبہ خانقاہ میں آنے والے ایک شخص جو کئی روز سے رخصت ہونا چاہتے تھے لیکن سید محمد صابر اس وجہ سے ان کو روک لیتے تھے کہ کہیں سے کوئی چیز تحفہ میں آئے تو ان کو عنایت فرمائیں، اور یہ جانے پر زیادہ مصر تھے، جمعہ کا دن تھا، سید محمد صابر ایک نئی اور نفیس دستار سر پر باندھے ہوئے تھے نماز جمعہ کے بعد وہی دستار انھوں نے سر سے اتار کر ان صاحب کو عنایت فرمادی اور کہا کہ بھائی اس کو قبول کرلو اور اس کو فروخت کر کے اپنے کام میں لاؤ۔

مولانا سید محمد نعمان ان کی وجاہت ظاہری، قوت روحانی اور ان کے کمال وجمال کا عقیدت ومحبت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ان کی طرف دیکھنا سرمایۂ سرور اور ان کی صحبت وسیلۂ حضور تھی، درویشان عالی مقام کی وجاہت ان کے جمال باکمال سے نمایاں اور اولیاء کرام کا نور ولایت ان کی پیشانی سے عیاں تھا، جو ان کو دیکھتا جنیدؒ وشبلیؒ سے تشبیہ دیتا، اکثر میں نے ان کو عید کی نماز میں حضرت سید شاہ علم اللہؒ کا عمامہ اور قمیص پہنے ہوئے دیکھا جس سے کمال شوق وذوق سے دل میں رقت وگداز کی عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔

غیرت ایمانی: اس نسبت روحانی، قوت ادراک اور سماع وبدعات سے

نفرت کا اندازہ ذیل کے اس واقعہ سے ہوگا۔

مولانا سید نعمان ''اعلام الہدیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ خانوادۂ علم اللہی کے چند بچے اس زمانہ میں امیٹھی میں تعلیم حاصل کررہے تھے، ایک مرتبہ ملا جیونؒ کے عرس میں پہنچ گئے وہاں محفل سماع گرم تھی، کسی نے مجلس میں کہا کہ حضرت سید صاحب (شاہ علم اللہؒ) کے فرزند یہاں موجود ہیں اور سماع ناپسند کرتے ہیں ان کے پاس ادب میں ہمیں سماع روک دینا چاہئے۔ مولانا عبداللہ امیٹھوی (جو ملا جیونؒ کے پوتے اور استاد الہند ملا نظام الدین کے شاگرد تھے) کہا کہ طالب علم ہیں ان کے لئے اس اہتمام کی کیا ضرورت؟ جب سید محمد صابرؒ بیمار ہوئے اور ان کے صاحبزادہ سید محمد واضحؒ دہلی سے امیٹھی ہوتے ہوئے رائے بریلی واپس ہوئے تو مولانا عبداللہ کو (جو ان کے استاد بھی تھے) اپنے ہمراہ لیتے آئے، مولانا عبداللہ راستہ میں بہلی سے گر گئے اور پیر میں اتنی سخت چوٹ آئی کہ بہت دن تک چلنے پھرنے سے معذور رہے، اس درمیان میں کئی مرتبہ سید محمد صابر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، انھوں نے کچھ عذر کردیا، ایک دن مولانا سید محمد واضح سید محمد معین برادرزادہ شاہ ابوسعید صاحب اور سید محمد معتصم ایک وفد کی صورت میں حاضر خدمت ہوئے، سب نے ایک زبان ہوکر کہا کہ مولوی صاحب ملنے کے بہت مشتاق ہیں، آپ ان کو ملنے کا موقع کیوں نہیں دیتے، فرمایا عزیزو! میں کیا کروں حضرت جی (سید شاہ علم اللہؒ) اس واقعہ سے آزردہ ہیں، اس کے بعد امیٹھی کے سماع کا وہ قصہ سنایا جو ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا یہ بھی فرمایا کہ پیر کی چوٹ بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ تھی۔

قرأت کا ذوق: خوش الحان اتنے تھے کہ جو ان کی آواز سن لیتا بے قابو

ہوجاتا، صاحب اعلام الہدی لکھتے ہیں:۔

درقرأت اقرأ زمان بودند ولہجہ	اپنے زمانہ کے بہترین قرأ میں ان کا شمار
فصیح ولحنے حزیں داشتند کہ	تھا، نہایت فصیح لہجہ اور پرسوز آواز تھی،
ارباب ذوق بشنیدش برجا نمی	اہل ذوق پران کی قرأت سن کرایک حال
ماندندوعوام بہ رقت می آمدند۔	طاری ہوجاتا اورعوام پررقت وگریہ۔

ان کے حالات کا اختتام مولانا سید نعمان نے ان الفاظ پر کیا ہے۔

غرض داد درویشی کماینبغی دادند	ولایت ودرویشی کا حق ادا کردیا اوراس
وہرچہ بکاملان ایں طائفہ می	سلسلہ کے کاملین کے لئے جوزیبا تھا وہ
بایست بانجام رسانیدند	کردکھایا۔

حکومت وقت کی طرف سے سید شاہ محمد صابر کوکٹرا کے علاقہ میں تین گاؤں نذر کئے گئے، جن کا مصرف مسافرین وفقراء اور طالبین سلوک کی خدمت اوران کی ضروریات کو پورا کرنا تھا، اس فرمان شاہی کی پشت پر عمدۃ الملک مدارالمہام اعتمادالدولہ قمرالدین بہادر جنگ کے دستخط ہیں اور رقبہ وغیرہ تحریر ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہل حکومت کی طرف سے خانقاہ کے فقراء اور سالکین راہ کی خدمت کے لئے جائدادیں ہدیہ نذر کی جاتی تھیں۔اللہ تعالیٰ اہل ثروت ودولت کودریں زمانہ اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین (مرتب)

وفات: سنہ ۱۱۶۳ھ میں وفات پائی، اور ایک نامور فرزند مولانا سید محمد واضح اور تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں، اور تکیہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں مسجد کے شمال مغربی گوشہ کے قریب سپرد خاک کئے گئے۔نوراللہ مرقدہ (تذکرہ سید شاہ علم اللہ:ص/۱۶۳)

حضرت سید قطب عالم بن سید میران بخاریؒ متوفی ۱۱۶۳ھ

فضل وکمال: آپ محلہ یوسف چوک حیدرآباد میں سکونت پذیر تھے، عالم کامل وفاضل جید تھے۔ بلاغت وفصاحت میں بے مثل تھے۔نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر آپ کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔شہر میں افتاء کی خدمت پر مامور تھے، فقہی مسائل کے جزئیات کے خوب ماہر تھے۔فتوی مدلل طور سے لکھتے تھے۔علماء وقت آپ کو مسلم الثبوت جانتے تھے۔کسی کو آپ کی فضیلت ولیاقت میں کلام کی مجال نہ تھی۔ اور آپ طریقت میں بھی واقف اور وحدۃ الوجود کی حقیقت میں بھی پورے عارف تھے۔

خلافت: آپ کو خلافت والد ماجد سے ملی تھی۔اور آپ کے والد سید میران بخاری جو عالمگیری زمانہ میں حیدرآباد کے مفتی تھے۔آپ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کی جگہ مسند نشین ہوئے، ہمیشہ طلبہ وشائقین کو درس دیتے تھے اور مریدین کو ہدایت وارشاد فرماتے تھے۔آپ خوش تقریر تھے۔آپ کی آواز بلند تھی، متقی وپرہیزگار اور فضیلت وتقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے۔حقائق تصوف میں محقق تھے۔ مسائل صوفیہ کو شریعت کے قالب میں اس خوبی کے ساتھ ڈھالتے تھے گویا قالب بیجان میں نئی جان ڈالدیتے تھے۔اور عوام الناس کو قادریہ طریقہ میں مرید کرتے تھے۔حیدرآباد میں آپ کے تلامذہ کی تعداد قریب تین سو تھی۔خلق ومروت وتواضع وہمت میں بے نظیر تھے، اکثر شہر کے مشائخ

زادے آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے، اوربھرپور فائدہ پاتے تھے۔
قاضی محمد فاضلؒ نے پنج گنج میں لکھا ہے کہ آپ صبح کی نماز کے بعد سے دوپہر تک طلبہ کے درس میں مشغول رہتے تھے۔اثنائے درس کسی کواجازت نہ تھی کہ دنیوی معاملہ میں کچھ کہے۔شہر کے اکثر بزرگ زادوں نے آپ سے لوائح ولمعات وفصوص وغیرہ کتب تصوف کی سند حاصل کی ہے۔آپ کی والدہ شیخ بہاء الدین باجن برہانپوریؒ کی بیٹی تھیں۔

ف: سبحان اللہ ہمارے سلف صالحین کیسے علم وعمل اورشریعت وطریقت کے جامع تھے،اس زمانہ میں بھی ایسے علماء ومشائخ کی ضرورت ہے تاکہ دینی وعلمی جگہیں جاری وساری رہیں۔واللہ الموفق (مرتب)

وفات: آپ کی عمرایک سو پچاس سال کی تھی آخر بمقتضائے کل من علیہا فان ۴رشوال ۱۱۶۳ھ کو عالم فانی سے عالم باقی کوروانہ ہوئے۔مسجد کے صحن میں جو چوک کے قریب حیدرآباد میں واقع ہے،اب وہ مسجد آپ کے نام سے مشہور ہے۔مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج/۲ ص/۷۰۷)

حضرت پیر محمد شاہ احمد آبادیؒ متوفی ۱۱۶۳ھ

نام ونسب: پیر محمد شاہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد میں ہیں۔آپ کے آباء واجداد بغداد میں رہتے تھے۔ان میں سے بعض حضرات وطن ترک کر کے ہندوستان آگئے اور بیجاپور میں مقیم ہو گئے۔

ولادت: آپ کے والد ماجد کا نام امین الدین تھا۔ پیدائش سے پہلے ہی والد ماجد رحلت فرما گئے۔ ۱۱۰۰ھ میں بمقام بیجاپور پیدا ہوئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والدہ کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔آپ کی پرورش کی ذمہ داری پھوپھی کے حصہ میں آئی۔

تعلیم: بنیادی تعلیم آپ کے عم مکرم سید عبدالرحمٰنؒ کے زیر سایہ ہوئی۔سات سال کی عمر میں حفظ قرآن پاک کرلیا۔ پھر حرمین شریفین کا عزم فرمایا۔اور وہاں پہنچ کر وہاں کے مشہور اساتذہ سے علم حاصل کیا۔

سفر حرمین سے قبل اپنے چچا سید عبدالرحمٰنؒ سے سلوک کی منازل طے کیں اوران کے مجاز وخلیفہ ہوئے۔ چنانچہ سلسلہ قادریہ میں لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں: آپ کے چچا اور پیرومرشد نے آپ کو مکہ مکرمہ بغرض تحصیل علم سفر کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ اس مقصد کے لئے بیجاپور سے براہ سورت مکہ مکرمہ پہنچے۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت زبردست علماء ومشائخ تھے جو تشنگان علم کی پیاس بجھارہے تھے۔ چنانچہ آپ تقریباً چھ سال مکہ مکرمہ میں

رہے۔اور شیخ عبدالرحمٰن، شیخ محمد بن احمد بن سعید، شیخ محمد بن عثمان، شیخ مصطفیٰ بن فتح اللہ کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی علم حاصل کرتے رہے۔

مدینہ منورہ میں: مکہ مکرمہ میں چھ سال قیام کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کا سفر فرمایا اور یہاں بھی تقریباً چھ یا سات سال قیام فرمایا۔اس مدت میں آپ ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول رہے اور وہاں کے مشہور علماء وفضلاء سے مستفیض ہوتے رہے۔

ف: اپنے اکابر کا تحصیل علوم کے لئے سفر اور مشقت برداشت کرنا ہم لوگوں کے لئے موجب عبرت ونصیحت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔آمین (مرتب)

حرمین شریفین سے واپسی: حرمین شریفین میں طویل قیام اور تحصیل علوم کے بعد آپ واپس ہندوستان تشریف لائے اور احمد آباد میں قیام فرمایا۔

چلہ کشی: ۱۱۲۳ھ کے آخر میں علامہ وجیہہ الدین علوی (احمد آباد) کے مزار پر چلہ کشی فرمائی۔دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش رہے اور حضرت علامہ وجیہہ الدین کی روحانیت سے فیضیاب ہوتے رہے۔

اوصاف: آپ مادرزاد ولی تھے، بزرگوں کی صحبت اور خدمت کو غنیمت سمجھتے تھے، توکل اور قناعت آپ کا شعار تھا۔دنیا سے بے رغبتی تھی۔ہدایا قبول نہ فرماتے۔آپ ماشاء اللہ علوم ظاہری اور علوم باطنی سے آراستہ تھے۔

شعر وشاعری: آپ شعروشاعری بھی فرماتے۔اردو کے اشعار میں شہید آپ کا تخلص تھا اور فارسی میں اقدس تخلص تھا۔فارسی کلام کے کئی مجموعے مرتب ہوئے ہیں۔آپ کے فارسی واردو کلام کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے

ہیں۔ ؎

من وجود بے نشاں در شان گرفتارم ہنوز　　لا مکانم جائے من در جان بیمارم ہنوز
من بہ جہل کنہ ذات خود در آزارم ہنوز　　بر ظہور کنز خویشم عاشق زارم ہنوز

ترجمہ: میں وجود بے نشاں ہوں اپنی شان میں گرفتار ہوں، ہر ہی جگہ لا مکان ہوں اور اپنی جان میں بیمار ہوں۔ میں اپنی ذات کی کنہ کی جہالت میں اب تک آزار میں ہوں اور اپنی ذات کے کنز کے ظہور پر عاشق زار ہوں۔

اردو کا شعر:

کچھ سکھ نہیں دنیا میں دنیا سے اب جانا بھلا
دو روز کی دنیا میں جینے سے ہے مرنا بھلا

وصال: ۲۶؍جمادی الاولیٰ ۱۱۶۳ھ میں آپ کا وصال ہوا، اور احمد آباد میں آپ کا مزار مرجع خواص وعوام ہے۔ نوراللہ مرقدہ (مشائخ احمد آباد: ج؍۲ ص؍۴۴۸)

حضرت شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی متوفی ۱۱۶۴ھ

نام ونسب: نام محمد فاخر، تخلص زائر، والد کا نام شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ ہے۔

ولادت: ۱۱۲۰ھ میں شہر الہ آباد میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کا خاندان علم ومشیخت کا گہوارہ تھا، اپنے والد کے چچا شیخ محمد افضلؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اور اپنے بھائی شیخ محمد طاہر کے پاس کتب درسیہ پڑھیں، پھر اپنے والد سے طریق کی تعلیم پائی، بائیس سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے۔

سفر حج: ۱۱۴۹ھ میں حج وزیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی سفر حج میں شیخ محمد حیات سندھیؒ کے پاس صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم کا ایک تہائی حصہ پڑھا اور شیخ نے ان کو اجازت عامہ عطا کی، یہ شعبان ۱۱۵۰ھ کا واقعہ ہے، اس کے بعد ہندوستان واپس ہوئے اور چند برسوں کے بعد ۱۱۵۴ھ میں دوبارہ کشتی کی سواری سے حج کے لئے روانہ ہوئے، مگر مرہٹوں نے کشتی پر چھاپہ مارا اور ان کا ساز وسامان لوٹ لیا، اس کے بعد ان کو سورت کے بندرگاہ پر چھوڑ دیا، یہ دوسری کشتی کے انتظار میں وہاں پڑے رہے، ۱۱۵۶ھ میں دوسری کشتی ملی، اس سے ''مخا'' تک آئے اور وہاں اتر کر کچھ دن رہے، پھر مکہ گئے اور حج کیا، ۱۱۵۹ھ میں ہندوستان واپس آ کر ایک سال قیام کیا، سال بھر کے بعد سہ بارہ حج کے ارادہ سے نکلے اور ہگلی میں کشتی پر سوار ہوئے مگر راستہ میں کشتی شکستہ ہوگئی، مجبوراً

چاٹگام آکر دوسری کشتی کا انتظار کر کے جب مایوس ہو گئے تو الہ آباد لوٹ آئے۔

کچھ زمانہ کے بعد پھر اس ارادہ سے نکلے مگر برہان پور پہنچ کر سرسام ہو گیا اور اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ میر غلام علی آزاد سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے، انھوں نے ''سرو آزاد'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

شیخ محمد فاخر علم وعمل اور تقویٰ وتواضع میں یکتائے روزگار تھے۔

(اعیان الحجاج: ج/۲ ص/۲۳۴)

فضل وکمال: حضرت مولانا سید عبدالحیی صاحبؒ نے ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ یوں رقم فرمایا ہے۔

یہ اپنے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے، عبادت میں مشغول رہنے میں یکتا تھے، نور ایمان اور صالحین کی علامتوں نے ان کو ڈھانپ لیا تھا۔ پرہیزگاری، طویل خاموشی، انکساری، اپنے نفس کے ساتھ مشغول رہنے میں آپ ہی سب کے امام تھے۔ تمام لوگوں نے متفق ہوکر آپ کی تعریف، آپ کے اخلاق کی خوبیاں بیان کی ہیں، اور اس باب میں سب کے مرجع آپ ہی تھے۔ یہ کسی فقہی مذہب کے ساتھ متعلق نہ تھے اور کسی بھی دینی مسئلہ میں کسی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ نصوص کتاب وسنت پر عمل کرتے اور اپنی سمجھ کے مطابق اجتہاد کرتے۔ اور وہ اس کے لائق بھی تھے۔ (نزہۃ الخواطر: ج/۶ ص/۴۱۲)

مشائخ الہ آباد میں آپ کا تذکرہ یوں ہے:

سرو آزاد کے علاوہ تذکرہ علمائے ہند، بحر زخار اور تراجم علمائے حدیث وغیرہ میں شیخ محمد فاخر کو جید عالمِ حدیث کی حیثیت سے یاد کیا گیا ہے اور علم حدیث

پران کی بعض تصانیف یادگار ہیں۔ جید عالم حدیث ہونے کے علاوہ فارسی کے اچھے شاعر تھے اور زائرؔ تخلص کرتے تھے۔

وفات: دو مرتبہ حج کیا جب تیسری مرتبہ حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے کہ دریائے نربدا کے قریب برہانپور میں سرسام ہوگیا اور اسی حالت میں دوران سفر بمقام برہانپور ۱۱/ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ بروز یکشنبہ حضرت کا وصال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حسب وصیت حضرت شیخ عبداللطیف برہانپوریؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (مشائخ الہ آباد: ۱۳۴)

حضرت مولانا شاہ محمد وارث ''رسول نما'' بنارسیؒ متوفی ۱۱۶۶ھ

نام ونسب: نام مولانا شاہ محمد وارث، لقب رسول نما، والد کا نام قاضی عنایت اللہ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا آبائی وطن قصبہ ''نونہرہ'' ضلع غازی پور تھا۔ آپ کے والد قاضی عنایت اللہؒ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ حکومت میں بنارس میں منصب قضا پر فائز تھے، اسی عہد قضا کی وجہ سے انھوں نے نونہرہ چھوڑ کر بنارس میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

ولادت: بنارس میں مولانا محمد وارث رسول نما کی ولادت ۱۰۸۷ھ میں ہوئی۔ مولانا عبدالحي حسنیؒ رقمطراز ہیں:۔

وکان اصله من نونهره انتقل والده منها الی بنارس وولدبها محمد وارث سنة سبع وثمانین والف۔	آپ کے آباء واجداد نونہرہ کے تھے لیکن مولانا موصوف کے والد وہاں سے بنارس چلے آئے۔ اور یہیں مولانا محمد وارث ۱۰۸۷ھ میں پیدا ہوئے۔

اورصاحب تذکرۃ الکرام موصوف کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

تاریخ مادۂ ولادت آنحضرت خلیفہ رسول اللہ می شود بے کم وکاست۔	حضرت مولانا موصوف کی تاریخ ولادت لفظ ''خلیفۃ رسول اللہ'' بغیر کسی کمی وبیشی کے ہوئی ہے۔

تعلیم وتربیت: ان کی تعلیمی زندگی کے سلسلہ میں مولانا رحمٰن علی لکھتے ہیں:

دردوسال از کتب علوم فقہ وتفسیر وحدیث ومنطق وحکمت وہندسہ ودیگر علوم مروجہ فراغ حاصل ساختہ در بنارس۔	دوسال میں علم فقہ، اصول فقہ، تفسیر وحدیث، منطق، حکمت وہندسہ اور دیگر مروجہ علوم بنارس میں حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں ملا محمد علیؒ ہیں جو اپنے عہد کے جید عالم اور فاضل متبحر تھے، جن کا سلسلۂ تلمذ قاضی ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن محمد بن علی البیضاویؒ صاحب تفسیر بیضاوی پر منتہی ہوتا ہے۔ایک اور استاد ملا ابراہیم شاگرد مولانا محمد علی تلمیذ میر زاہد بن محمد اسلم ہرویؒ تھے جن کی خدمت میں طویل عرصہ تک رہ کر علم فقہ، علم کلام اور عربی ادب میں مہارت حاصل کی اور علم حدیث میں آپ حضرت حیات سندھیؒ کے شاگرد تھے۔اور وہ حضرت سالم بصریؒ کے شاگرد تھے۔حضرت سالم بصری کی سند مشہور ہے، اس کے بعد مولانا شاہ رفیع الدین بن زین الدین اسماعیل پوریؒ سے بیعت ہو کر سلسلۂ قادریہ سے منسلک ہو گئے۔اور سلوک ومعرفت کی تحصیل کی۔

تصانیف: علوم وفنون کی تکمیل کے بعد درس وتدریس اور ارشاد وتلقین کے ذریعہ طالبان علوم کو مستفیض کرنے کا سلسلہ قائم فرمایا۔اور تصنیف وتالیف بھی فرمائی۔موصوف کی قلمی یادگار میں ''حاشیہ میر زاہد'' ''ملا جلال'' ''شرح تہذیب'' ''اورادحدیثیہ'' اور ''رسالہ فقہیہ'' ہیں، اس کے علاوہ بعض تذکرے کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے فن تفسیر میں بھی ایک کتاب لکھی تھی لیکن اس کا

کوئی سراغ تلاش وجستجو کے باوجود نہیں لگا کہ اندازہ کیا جا سکے کہ علمی اعتبار سے کیا درجہ ومقام تھا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم: موصوف صاحب حال اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے اور ازسر تا قدم عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے عشق رسول آپ کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ آپ کا ہم درس جب کبھی عشقیہ مضمون کے اشعار پڑھتا تو آپ کہتے ہمارے محبوب تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بارہا خوابوں میں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

آپ سماع کے قائل نہ تھے، ایک دن کسی نے سماع کے جواز پر گفتگو کی تو فرمایا سماع سوزش عشق کو لہکانے والی چیز ہے۔ جب یہ خود لہکتی ہے تو اس کو سماع کی کیا ضرورت ہے، ایسے شخص کو سماع سے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

ف: سبحان اللہ کیسی حکمت ومعرفت کی بات ارشاد فرمائی، جو عین حقیقت ہے۔ (مرتب)

صاحب تذکرۃ الکرام نے آپ کی ذاتی خصوصیت کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کی پوست (کھال) کے نیچے بخط سبز اسم پاک قدرتی طور پر منقوش تھا جسے ہر شخص بآسانی پڑھ سکتا تھا۔

وصال: آپ کا وصال ۱۱؍ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ کو ہوا۔ کوئلہ بازار (مولوی جی کے باڑہ) بنارس میں آپ کا مزار ہے۔ تاریخ وصال لفظ ''باذات نبی'' سے نکلتی ہے۔

مریدین وخلفاء: آپ کے تلامذہ ومریدین کی ایک بڑی تعداد تھی اور خلفاء کی تعداد سترہ ہے، آپ کے مقرب ومخصوص خلفاء میں تاج العارفین مولانا شاہ مجیب اللہ قادری پھلواریؒ متوفی ۱۱۹۱ھ اور خلیفۂ کامل شاہ محمد مخدوم پھلواری متوفی ۲۶؍ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ شامل تھے۔ ان کے علاوہ آپ کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادے حضرت ولی میاں مجذوبؒ، حضرت شاہ غلام محمد، شاہ غلام غوثؒ ہمشیرزادہ مولانا موصوف (متوفی ۹؍رجب ۱۱۳۰ھ) مولانا شاہ لعل محمد منیری، مولانا شاہ عصمت اللہ سہارنپوریؒ اور شاہ غلام امامؒ تھے۔ ان کا سلسلہ اب تک باقی ہے۔ سنگھانہ شیخاوالی (جے پور) میں اس سلسلہ کی خانقاہ ہے۔

(تذکرہ علماء بنارس، مؤلفہ مفتی وسیم احمد قاسمی: ص؍۳۱۰)

حضرت شاہ شریف چشتی نظامی اورنگ آبادیؒ متوفی ۱۱۶۸ھ

نام ونسب: آپ کا نام شاہ شریف ہے۔آپ کے والد کا نام خواجہ حبیب اللہ ہے۔خواجہ صاحب خطہ کشمیر میں تھے۔آپ شیخ المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے اعظم خلفاء واکمل ترین مریدین میں سے ہیں۔

فضل وکمال: اولاً آپ کو شیخ موصوف سے خلافت واجازت مل چکی تھی۔ حسب ارشاد پیر مرشد خلائق کو ہدایت وارشاد فرمانے لگے۔اکثر دکن کے خاص وعام آپ کے دائرۂ ارادت وبیعت میں شامل ہونے لگے۔آپ کی پیری مریدی کا بازار خوب گرم ہوا۔آپ رات دن اذکار واوراد میں مشغول رہتے تھے۔ثانیاً آپ کو شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی دہلوی قدس سرہ سے بھی خرقہ خلافت واجازت حاصل ہوئی۔

ہدایت وارشاد کے لئے سورت جانا: آپ شیخ کی اجازت سے ہدایت وارشاد کے لئے شہر سورت گجرات تشریف فرما ہوئے۔اور چند سال وہاں قیام پذیر رہے، خلائق کو فیض وہدایت سے مستفید فرماتے رہے۔اہل گجرات ودکن آپ سے حسن ارادت رکھتے تھے۔آپ کو شیخین سے جمیع سلاسل چشتیہ وقادریہ وسہروردیہ وغیرہا میں مرید کرنے کی اجازت حاصل تھی۔

مریدین کو ہدایات: مرید جس طریقہ کا طالب ہوتا تھا آپ اس کو اسی طریقہ میں مرید فرماتے تھے اور ذکر وشغل کی ہدایت کرتے تھے۔ہر ایک مرید کو

تاکید کرتے تھے کہ کبھی خلاف شرع کسی امر میں دلیری نہیں کرنی چاہئے۔ اتباع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم وواجب سمجھو۔ آپ صاحب وجد وحال تھے، جس شخص پر آپ کی نظر جلال وتوجہ کمال پڑتی تھی تو وہ خودی سے بیخود وہوش سے بیہوش ہوجاتا تھا۔ اور آپ کی صحبت وتوجہ کی برکت سے رجوع الی اللہ نصیب ہوجاتا تھا۔ آپ کی توجہ عجیب وغریب مؤثر تھی کہ بشرا ور شجر وحجر تمام پر اپنا اثر عیاں کرتی تھی۔ بشر کو بیقرار شجر وحجر کو متحرک کردیتی تھی۔

حالات رفیعہ: خلد مکان عالمگیر بادشاہ ہند کے عہد میں فوجداری کی خدمت پر مقرر ہوئے۔ چند مدت فوجداری کی خدمت امانت ودیانت کے ساتھ ادا کرتے رہے، ملازمت کے زمانہ میں حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حسن ارادت ونیک عقیدت سے بیعت ہوئے، باوجود ملازمت ذکر وشغل میں مواظبت فرماتے تھے۔ پیر مرشد کی توجہ کی برکت سے آپ کا دل دنیا کی محبت سے برخاستہ ہوا، دنیوی کاروبار سے بیزاری تھی کہ انہیں ایام میں بادشاہ ہند یعنی عالمگیر کی وفات ہوگئی۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد شاہزادوں میں باہم سلطنت کے بابت جنگ وجدال کا بازار گرم ہوا۔ چنانچہ محمد اعظم شاہ ومحمد معظم شاہ دونوں بھائیوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ طرفین سے بیشمار اہل اسلام مقتول ہوئے۔ آخر محمد اعظم شاہ معرکہ میں مقتول ہوا۔ شاہزادہ کے مقتول ہونے کے بعد فی الجملہ امن ہوگیا۔ اسی ہنگامہ میں حضرت شاہ شریف صاحب قدس سرہ تارک الدنیا ہوئے۔ اور خدمت فوجداری سے مستعفی ہوکے اپنا تمام مال واسباب فقراء واعزاء پر تقسیم کردیا اور فقیری اختیار کی اور پیر ومرشد کی

اجازت سے حرمین شریفین روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ مدینہ منورہ میں چند مدت سکونت پذیر رہے۔ اکثر اوقات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک میں جاتے تھے۔ تلاوت قرآن ودلائل الخیرات میں مشغول رہتے تھے۔ پھر آپ حرمین شریفین سے ہند واپس آئے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادیؒ جو آپ کے پیر کے مرشد تھے ان کی خدمت میں پہنچے۔ آستان بوسی سے سرفراز ہوئے۔ حضرت سے بھی استفادہ کیا۔ ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہوئے ۔ حضرت کے حکم سے اہل بارہہ کی تربیت وہدایت کے لئے روانہ ہوئے۔ چند روز بارہہ میں قیام کرکے وہاں سے شہر سورت گجرات پہنچے۔ جہاں بیشمار خلائق حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ چنانچہ گجرات میں زمانہ دراز تک رہے۔ اہل گجرات آپ سے حسن اعتقاد رکھتے تھے، بعض کو آپ نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کی پیری مریدی کا سلسلہ اب تک پٹن اوراس کے اطراف میں جاری ہے۔ سید شاہ ضیاء الدین چشتی جے پوری آپ کے نواسہ بھی اسی ضلع میں ہدایت وارشاد فرماتے تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے خلفاء سے دوخلیفہ زیادہ مشہور ہوئے۔ ایک مولانا فخر الدین بن شیخ المشائخؒ ۔ دوم حضرت شاہ شریف صاحب قدس سرہ اول الذکر کے ذریعہ سے سلسلہ دہلی وپنجاب وہندوستان میں جاری ہوا۔ چنانچہ اب تک جاری ہے۔ دوم شاہ شریف صاحب قدس سرہ کے توسل سے اورنگ آباد، دکن وخطہ گجرات میں رائج ہوا۔ آپ کے گجرات میں بیشمار مریدین تھے۔ اور چند خلفاء صاحب وجد وحال تھے مثلاً عارف باللہ شاہ

غریب اللہ اورنگ آبادیؒ اور شاہ اسماعیل بخاری اورنگ آبادی ،وشاہ مراد مجذوب وشاہ عبدالفتاح وغیرہم قدس اسرارہم

وفات: آپ نے ۲۶/رجب ۱۱۶۸ھ میں اس عالم فانی سے ملک جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔آپ کی درگاہ شریف اورنگ آباد میں قریب اورنگ پورہ متصل نالہ جس کو شریف کا نالہ کہتے ہیں واقع ہے۔نوراللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ج/۱ص/۱۴۴)

حضرت شیخ غوث حسینی کڑہ مانک پوریؒ متوفی ۱۰۷۰ھ

نام ونسب: نام محمد غوث، والد کا نام فتح محمد بن عبدالنبی بن محمد ہے۔ آپ اسماعیل بن جعفر بن محمد علوی حسینی کی نسل سے تھے۔

ولادت وتربیت: آپ کڑہ میں پیدا ہوئے اور طریقۂ چشتیہ دیوان محمد سعید سے اور طریقۂ قادریہ اپنے والد سید فتح محمد حسینی قنوجی سے حاصل کیا۔ آپ مقامات عالیہ کے ساتھ صاحب کرامات ولی بھی تھے۔ ان کے صاحبزادہ احمد محی الدین نے ان کے معارف کے بارے میں ایک بہت عمدہ جملہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مبارک خواب میں دیکھا تو یہ سوال کیا کہ میرے دادا مولانا خواجگی کے الاربعین کے بارے میں کیا خیال ہے کہ کیا میں اس کو آپ پر ایصال درود کے لئے پڑھ سکتا ہوں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ماخذ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب میں کہا ''مشارق الانوار'' کتاب سے اخذ کیا ہے۔ جو صغانی کی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشارق کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ انتہیٰ

یہ سید محمد غوث میرے ناناؤں میں سے تھے۔ ان کی تصنیفات حقائق اور تعارف میں بہت مفید ہیں ان میں خاص طور سے ''سید الاسرار'' جو عربی زبان میں حقائق ومعارف کے بارے میں ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ احمد محی الدین نے جمع کیا ہے۔

وفات: شعبان ۱۱۷۰ھ میں لاہور شہر میں انتقال ہوا لیکن لوگوں نے ان کے جنازہ کو کڑہ مانک پور یوپی منتقل کردیا اور وہیں لہدری (لام کے زیر اور ہاء کے سکون کے ساتھ) میں جو دریائے گنگا کے کنارے پر ہے دفن کیا۔ نور اللہ مرقدہ۔ (اردو ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج/۶ ص/۴۱۱)

حضرت یاسین غریب نوازؒ نندور بار متوفی ۱۱۷۱ھ

نام ونسب: نام یاسین لقب غریب نواز، والد کا نام غلام محی الدین قادری ہے۔

فضل وکمال: آپ خلق مجسم تھے، (یعنی سراپا اخلاق حسنہ تھے) بزرگی اور عظمت میں معظم (بہت بڑے) تھے۔

ف: سبحان اللہ کیسی جامع تعریف فرمائی۔ (مرتب)

خواجہ موسیٰ خان لکھتے ہیں کہ آپ خلق مجسم تھے، بزرگی وعظمت میں معظم تھے، خاکساری وفروتنی میں یگانۂ دہر اور انکساری وعاجزی میں یکتاء عصر تھے۔ حضرت محبوب سبحانی کی اولاد میں ہیں۔ اٹھارہ واسطہ کے بعد نسب کا سلسلہ محبوب سبحانی سے ملتا ہے۔ دکن واحمد آباد اور علاقہ برار (صوبہ مہاراشٹر ومدھیہ پردیس کے چند اضلاع کو برار کہا جاتا ہے، مثلاً امراوتی اور ناگپور وغیرہ) کے مشاہیر اولیاء میں سے تھے۔ صاحب خوارق عادات وکرامات اور صاحب تصرف تھے، تمام دکن آپ کا معتقد تھا۔ جوکوئی آپ کے پاس آتا تھا کامیاب ہوتا تھا۔ خواہ دنیادار ہو خواہ طالب پروردگار ہو۔

ضیافت: آپ کا لنگر خانہ اس قدر جاری تھا کہ ہرروز ہزار آدمی اس سے کھانا پاتے تھے۔ واردین ومسافرین کی بڑی خاطر و مدارات کرتے تھے۔ مہمان نوازی کے بعد چلتے وقت نقد بھی عنایت کرتے تھے اسی وجہ سے آپ ملقب بغریب نواز ہوئے۔ نواب آصف جاہ ثانی کے زمانہ میں زندہ تھے۔

مریدین کی تعداد: دکن میں آپ کے مریدوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی، کیا ذکور کیا اناث (مرد ہوں یا عورت)۔ کہتے ہیں کہ آپ پیروں سے معذور تھے اس لئے چل پھر نہیں سکتے تھے۔ ہاتھ پاؤں میں ہڈیاں نہیں تھیں۔ آپ چوکی پر سوار ہوکر گھر سے برآمد ہوتے تھے اور مریدین چوکی کاندھے پر اٹھاتے تھے۔ اکثر جنات آپ کے معتقد و مطیع تھے۔

چنانچہ نقل ہے کہ ایک روز ایک جن سانپ کی صورت میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ ایک ساعت کھڑا رہا۔ آپ نے اپنا رومال پانی میں بھگو کے سانپ کے منہ میں رکھا۔ سانپ نے پانی کو چوس کر مجلس سے باہر نکلا اور غائب ہو گیا۔ حاضرین مجلس نے آپ سے دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا یہ جنوں میں سے ہے، قادریہ طریقہ میں مرید ہوا ہے۔

وفات: صاحب محبوب القلوب کہتے ہیں کہ آپ کا انتقال ۲۴/ربیع الاول ۱۱۷۱ھ میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قبر شریف نذربار ضلع خاندیس (موجودہ ضلع نندوربار صوبہ مہاراشٹر) میں ہے۔ نوراللہ مرقدہ

(محبوب التواریخ: ج/۲ ص/۱۱۲۹)

حضرت سید محی الدین محمد عرف قادر بادشاہ حیدرآبادیؒ متوفی ۱۱۷۱ھ

فضل وکمال: آپ حضرت شاہ درویش کے دوسرے فرزند ہیں۔ متدین ومتقی اور متشرع تھے۔ شریعت کے مسائل سے واقف اور طریقت کے مسالک کے عارف تھے۔ مکاشفہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر سترہ سال کی ہوئی تو والد نے آپ کو خلافت کی خلعت عنایت کی اور بزرگوں کے سجادہ پر جانشین کیا۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ آپ ہمیشہ دائم الوضور ہتے تھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ تہجد پڑھ کے تمام شب جاگتے رہتے تھے۔ زندگی کا مدار توکل پر تھا۔ آپ کبھی کسی سے سائل نہیں ہوئے اور مدۃ العمر کسی سے ایک حبہ قرض نہیں لیا۔ ہمیشہ خوش حال رہے، منہیات سے منزلوں دور رہتے تھے، حلم وتواضع میں ایک پہاڑ تھے۔ حیا وشرم میں بیمثل، قوت وشوکت، بزرگی ومشیخت میں کامل تھے۔ ایک روز شاہ ابراہیم جوشاہ عبدالقادر لنگ بند کے خلیفہ تھے رائچور سے حیدرآباد آئے ایک روز حضرت سے ملے اور مصافحہ کیا۔ اور کہا دیکھو مجھ میں کس قدر قوت ہے۔ آپ خاموش رہے، شاہ صاحب رخصت ہونے لگے تو آپ بھی زینہ تک پہنچانے آئے، یکایک شاہ کا پیر پھسلا، گرنے ہی والے تھے کہ آپ نے تھام لیا اور فرمایا دیکھو فقیر میں کس قدر طاقت ہے۔ شاہ ابراہیم آپ کی ولایت کے قائل ہوئے اور عذر خواہی کی۔ آپ کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے ؎

اقلیم دل بزور مسخر نمی شود ایں فتح جز شکست میسر نمی شود
فکر ہر کس بہ کاروبار خوش است در جہاں ہر طرف بہار خوش است

بہر تسخیر عالم دلہا دعوت عجز وانکسار خوش است
ہمدریں عمر جانِ عاشق را عیش وعشرت بذکر یارِ خوش است

ترجمہ: دل کی بادشاہت قوت سے مسخر نہیں ہوتی، یہ فتح سوائے شکستگیٔ قلب کے حاصل نہیں ہوتی۔ ہر شخص کی فکر اپنے کاروبار کے ساتھ اچھی ہے، دنیا میں ہر طرف بہار بہتر ہے۔ اہل دنیا کے دل کو مسخر کرنے کے لئے عاجزی وانکساری سے پیش آنا بہتر ہے۔ ساری زندگی میں عاشق کی جان کو آرام وسکون یار کے ذکر میں ملتا ہے۔

انھیں کے یہ اشعار بھی ہیں ؎

خودی از خود بردن کن تا خدا پیدا شود آری یقین ہر ظرف خالی را صد پیدا شود آری
بفکر بیش وکم ہرگز نہی افتند درویشان توکل بر خدا کردن غنا پیدا شود آری

ترجمہ: خودی کو اپنے سے باہر کرو تا کہ اللہ کا یقین پیدا ہو جائے، یقینا خالی برتن سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ کمی زیادتی کی فکر میں درویش ہرگز نہیں پڑتے ہیں، اللہ پر توکل کرنے سے غنا پیدا ہوتا ہے۔

ف: سبحان اللہ کس قدر معرفت کے اشعار ہیں جو نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہیں۔ (مرتب)

وفات: آپ نے موت سے پہلے مریدین سے کہہ دیا کہ اب دس روز باقی ہیں۔ آخر دوسرے دن ۲۹/ذیقعدہ عارضہ اسہال سے بیمار ہوئے، دس روز تک صاحب فراش رہے۔ ۱۱/ذی الحجہ ۱۱۷۱ھ کو جان بحق ہوئے۔ آپ اندرون شہر شاہ محی الدین ثانی کے روضہ کے قریب بیرون حجرہ مشرقی جانب حیدرآباد میں مدفون ہوئے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک حضرت شاہ موسیٰ قادری دوسرے شاہ غلام درویش عرف دستگیر صاحب، دونوں صاحبزادے والد ماجد کے مرید وخلیفہ تھے۔ (محبوب التواریخ: ج/۲ ص/۸۳۹)

حضرت قاضی عبدالنبی احمدآبادیؒ متوفی ۱۱۷۳ھ

(مؤلف دستورالعلماء)

نام وولادت: نام قاضی عبدالنبی والد کا نام عبدالرسول بن ابومحمد بن عبدالوارث عثمانی احمد نگری ہے۔آپ کا مولدو مسکن احمد نگر ہے۔

تعلیم وتربیت: مختصرات تک کی کتابیں اپنے والد سے اور والد کی وفات کے بعد عبداللہ احمد نگریؒ اور سید بخش حسینی کرمانی فیروزآبادیؒ سے پڑھی پھر گجرات چلے آئے۔ اور حاشیہ قدیمہ وغیرہ کتب درسیہ شیخ قطب الدین عثمانی گجراتیؒ سے پڑھیں۔اوران میں سے اکثر شیخ محمد بن محسن بن عبدالرحمٰن صدیقی گجراتیؒ سے پڑھیں۔اورایک طویل عرصے تک ان کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ اپنے زمانہ کے علماء میں نحو، منطق میں ماہر ہوگئے۔احمد نگر کی قضاۃ آپ کو سونپی گئی پھر بھی درس وتدریس کو نہ چھوڑااوراس میں مشغول رہے، اور کثیر تعداد مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں ''جامع الغموض ومنبع الفیوض'' ہے۔ کافیہ ابن حاجب کی ایک بسیط شرح آپ ہی نے لکھی ہے۔''دستورالعلماء'' آپ کی ایک کتاب ہے جوعلوم وفنون کی اصطلاحات میں ہے۔ چار جلدوں میں ہے۔ ایک مبسوط حاشیہ آپ نے شرح تہذیب پرلکھا۔منطق کی دوسری اہم نصابی کتاب تہذیب المنطق کی دوشرحیں لکھی گئیں جس کے مصنف دومشہور علماء ہیں۔

عبیداللہ یزدیؒ اور جلال الدین دوانی یزدیؒ کی لکھی ہوئی شرح تہذیب المنطق پر شیخ عبدالنبی احمد آبادیؒ نے یہ حواشی لکھے جن میں منطق کے اہم مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ایک حاشیہ ''میرزاہد ملا جلال'' پر لکھا۔

نیز آپ کا ایک حاشیہ ''دستور المبتدی'' بھی فن صرف میں ہے، اور عاملی کی خلاصۃ الحساب کا حاشیہ اور اصول حسامی کا حاشیہ، مطول پر حاشیہ، شرح عقائد پر حاشیہ، شرح عقائد کی شرح خیالی پر حاشیہ، رشیدیہ پر حاشیہ جو شرح شریفیہ کی شرح ہے۔ جو فن آداب کے بحث میں ہے۔

قاضی عبدالنبی کی ان تصنیفات میں دستور العلمائیؒ (جس کا پورا نام جامع العلوم الملقب بدستور العلماء فی اصطلاحات العلوم والفنون ہے) علوم وفنون کی مصطلحات کے بارے میں برصغیر کے علماء نے جو کوششیں کی ہیں ان میں نا قابل فراموش اور اہل علم کے لئے گراں قدر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ان میں سے ایک تو شیخ محمد اعلیٰ تھانویؒ کی کشاف اصطلاحات الفنون ہے اور دوسری یہ کتاب دستور العلماء ہے۔ کثرت مواد اور ضخامت کے اعتبار سے اول الذکر کو فضیلت حاصل ہے، مگر حسن ترتیب کے لحاظ سے مؤخر الذکر بہتر ہے۔

شیخ عبدالنبیؒ نے اگر چہ کتاب کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے پیش کی ہے مگر آپ نے لفظ اللہ، الاحمد اور اصحاب کا ذکر ترتیب حروف تہجی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سب سے پہلے کیا ہے اور مقصد صرف یمن و برکت ہے۔

تعارف کتاب: اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:۔

ان هذا دستور العلماء جامع العلوم العقلية ۔ حاوی الفروع

والاصول النقلية، فيه فوائد غريبة وجرائد عجيبة، فى تحقيقات اصطلاحات العلوم المتناولة، وتدقيقات لغات الكتب المتداولة وتوضيحات مقدمات منتشرة مشكلة على المعلمين وتلويحات مسائل مبهمة متعسرة على المتعلمين۔

یہ کتاب دستور العلماء ہے جو عقلی علوم کی جامع اور نقلی فروع واصول پر حاوی ہے۔اس میں عجیب وغریب فوائد وبیانات ہیں جن میں مستعمل علوم کی اصطلاحات کی تحقیق ہے۔متداول کتابوں کے الفاظ کی باریک تشریح ہے۔ان منتشر معلومات کی توضیح ہے جو اساتذہ کے لئے مشکل ہیں اوران مبہم مسائل کی وضاحت ہے جو طلبہ کے لئے لاینحل ہیں۔

یہ کتاب اپنے ضمیمہ سمیت حیدرآباد دکن سے چار جلدوں میں چھپی ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۱۷۳ھ میں ہوئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

(مشائخ احمد آباد،مؤلفہ مولانا محمد یوسف صاحب متالا خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ: ج/۲ ص/۴۵۴)

حضرت سید شاہ ابراہیم بیجاپوریؒ متوفی ۱۱۷۷ھ

نام ونسب: نام سید ابراہیم محمدی۔آپ اصلاً بیجاپوری ہیں۔

فضل وکمال: سید محمود رضویؒ کے خلیفہ ہیں۔قادریہ طریقہ کے پیرو تھے۔اور طریقہ چشتیہ سے بھی فیض پایا تھا۔بمقتضائے زمانہ حیدرآباد میں وارد ہوئے،اور وہیں سکونت اختیار کی، ہمیشہ وردو شغل میں مشغول رہتے تھے۔ دنیا سے کچھ سروکارنہیں تھا۔مرید کم کرتے تھے۔کسی وقت آصف الدولہ صلابت جنگ نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو بیعت فرمالیجئے۔آپ نے التفات نہیں کی۔نواب صاحب آپ کی خدمت میں متواتر تین سال تک درخواست کرتے رہے۔آپ ہمیشہ انکار ہی کرتے تھے۔آخر مرید فرمایا۔

ف: معلوم ہوا کہ مرید کرنے میں عجلت نہ کرنی چاہئے بلکہ سمجھ بوجھ کر صدق طلب وارادت کو ملاحظہ کر کے بیعت کرنا چاہئے۔ چاہے وہ نواب ورئیس ہی کیوں نہ ہو۔مگر اب اس کے بالکل برعکس معاملہ ہے جس کی وجہ سے طریق میں فساد آرہا ہے اور بدنام ہورہا ہے بلکہ بہت سے اس کوشش وکاوش کے شکار ہیں کہ جیسے بھی ہو مریدین کی کثرت ہونی چاہئے۔چاہے طریق رہے یا نہ رہے۔اعاذنا اللہ تعالیٰ۔(مرتب)

زہدوتقویٰ میں مشہور ومعروف تھے،نفس کشی وجفاکشی میں اس درجہ پابند تھے کہ مدۃ العمر بوریا کے سوائے کوئی فرش اختیار نہیں کیا۔ ہمیشہ خلوت نشین رہتے تھے۔چینی کے برتنوں کو استعمال میں رکھتے تھے۔صاحب خوارق عادات تھے۔

ایک وقت آپ کا مرید عارضہ سرسام سے سخت بیمار ہوا۔ آپ نے توجہ فرمائی اسی وقت صحیح وتندرست ہوگیا۔ اکثر بزرگ آپ کی خدمت میں مستفید ہوئے ہیں۔

دشمنوں کے ظلم وستم سے حفاظت کے لئے وظیفہ: شاہ محمد فاضل ورنگلی صاحب پنج گنج فرماتے ہیں کہ میں ایک وقت ایک زبردست ظالم کے ہاتھ سے مجبور ومظلوم ہورہا تھا۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌ بِالۡعِبَادِ" اس آیت کریمہ کو ہر نماز کے بعد پانچ مرتبہ پڑھا کرو انشاءاللہ تعالیٰ دشمن عداوت سے باز رہے گا۔ اورآپ محفوظ رہیں گے۔ آیت مذکورہ کا پہلا حرف الف ہے، حساب جمل سے ایک عدد ہے۔ اورآخر حرف دال ہے۔ جس کے عدد چار ہیں۔ پانچوں نمازوں میں ہر وقت پانچ پانچ مرتبہ پڑھنا چاہئے، مفید ہوگا، انشاءاللہ تعالیٰ۔ میں نے چندروز پڑھا دشمن کے شر سے محفوظ رہا۔

ف: یقیناً ہم سب کو یہ وظیفہ اپنانے کے لائق ہے، اس لئے کہ اس وقت ظالموں کے ظلم کے سبھی شکار ہیں۔ (مرتب)

حافظ سید میران بن قطب عالمؒ نے آپ سے قرآن حفظ کیا تھا۔ آپ رئیسوں کے مرشد تھے مگر لباس معمولی اور جوار کی روٹی اور مسور کی دال اور کڑھی استعمال کرتے تھے۔ کسی عمدہ لباس وعمدہ غذا کی خواہش نہیں کی۔ اور کسی کی دعوت میں نہیں جاتے تھے۔ ہاں عیادت اور جنازہ میں شریک ہوجاتے تھے۔ پوری عمر چالیس سال تک صائم الدہر وقائم اللیل رہے۔ صلابت جنگ آپ کے مرید تھے۔ مال ودولت کی کچھ کمی نہ تھی۔ مگر آپ کبھی دنیوی آسائش کی طرف رغبت نہیں کرتے تھے۔ بدستور کھادی وگزی کپڑا پہنتے تھے۔ اور ہر ایک

سے شفقت ومحبت سے ملتے تھے۔نواب نے چاہا کہ آپ کے مکان کی عمارت عمدہ بنوادی جائے۔آپ نے قبول نہیں فرمایا۔

ف: یہ آپ کے انتہائی زہدوقناعت کی علامت ہے، ہمارے اسلاف کا عموماً یہی حال رہاہے۔وباللہ التوفیق (مرتب)

آپ عالم باعمل وفاضل بیمثل تھے۔اکثر علماء آپ کی خدمت میں آتے تھے۔اورمسائل مشکلہ کوحل کرتے تھے۔آپ زبان مبارک سے جو کچھ فرماتے تھے وہی مستقبل قریب میں رونما ہوتا تھا۔آپ صاحب تصانیف تھے۔(۱) محب اللہ (۲) قل ھواللہ (۳) حسبی اللہ آپ کی تصانیف ہیں۔

وفات: آپ کی وفات ۳/ذیقعدہ ۱۱۰۷ھ میں ہوئی۔محلہ چوک حیدرآباد میں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ۔آپ کی قبرزیارت گاہ خاص وعام ہے۔

مرنے کے بعد کی حالت: نقل ہے کہ: مشکوٰۃ النبوہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ کسی مرید نے آپ کوخواب میں دیکھا کہ آپ عمارت عالیہ میں فرش زمردی پر مسند نشین ہیں۔عرض کیا کہ حضرت آپ تو تکیہ وفرش سے متنفر تھے۔آج یہ کیاحال ہے۔آپ نے فرمایا۔وہ داردنیا تھا اور یہ عقبیٰ یعنی دارآخرت ہے۔یہاں ہمارے لئے آرام وراحت ہے۔یہ نتیجہ وہاں کی ریاضت اورمحنت کاہے۔

(محبوب التواریخ:ج/۱ص/۱۲۸)

ف: سبحان اللہ کیا ہی مبارک خواب ہے جس میں دنیاوآخرت کی حیثیت کو ظاہرفرمایا گیاہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کواس داردنیا میں ریاضت ومجاہدہ کی توفیق دے تاکہ آخرت کی نعمتوں سے نوازے جائیں۔آمین (مرتب)

حضرت[1] مولانا شاہ ابوالغوث گرم دیوان بھیروی مئویؒ متوفی ۱۱۷۸ھ

نام ونسب: نام مولانا ابوالغوث، خطاب گرم دیوان والد کا نام شیخ محمد فاروقی بھیروی، لہراوی ہیں۔ اور دادا شیخ اسماعیل تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت شب دوشنبہ ماہ ربیع الآخر ۱۱۰۰ھ میں بھیرا ضلع مئو یوپی میں ہوئی۔ اس دیار میں ان کی ذات بابرکات سے بڑا فیض پہنچا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت خضر فاروقیؒ نے طریقہ سہروردیہ حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین بن شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ سے حاصل کیا تھا، فتنۂ تیموری کے زمانہ میں اپنے صاحبزادے شیخ محمد بن خضر کو ساتھ لے کر دہلی سے جونپور آئے، یہ سلطان ابراہیم شرقی جیسے نیک وعادل علم دوست اور علماء نواز کا مبارک دور سلطنت تھا۔

والد سے بیعت وارادت: دیوان صاحب کے بچپن میں ان کے والد محمد شاہ جاگیر اور زمینداری کے انتظامات دیکھتے تھے، اور ان کو اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کی فرصت بہت کم ملتی تھی، اس لئے دادا مخدوم اسماعیل نہایت پیار اور توجہ کے ساتھ پوتے کی پرورش اور تعلیم وتربیت پر نظر رکھتے تھے، دیوان صاحب جب چھ سال کے ہوئے تو دادا انتقال کر گئے، اس کے بعد والد نے ان کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی، دیوان صاحب بچپن سے بلوغ تک جسمانی امراض میں مبتلا رہے۔ اس

---

[1] مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ نے آپ کے حالات تفصیل سے ''دیار پورب میں علم وعلماء'' میں نقل فرمائے ہیں، اسی سے اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

کے باوجود بچپن ہی سے خاندانی خصوصیات کے حامل تھے۔خرافات وبدعات سے بچپن ہی سے نفرت تھی، دس سال ہی کی عمر سے روزہ، نماز اور نوافل میں پیش پیش رہا کرتے تھے، روحانیت کا خاندانی ذوق بھی اسی عمر میں پیدا ہو گیا تھا، گیارہ سال کے ہوئے تو والد نے ترک دنیا اور تجرید کی زندگی اختیار کر لی، اور علائق دنیا سے یکسو ہو کر تصفیۂ باطن اور عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے اسی زمانہ میں دیوان صاحب کو طریقۂ سہروردیہ کے بعض اشغال اور وظائف کی تعلیم وتلقین کی، اور تیرہ سال کی عمر میں اتنی استعداد وصلاحیت پیدا ہو گئی کہ والد نے ۱۲ / ربیع الثانی ۱۱۳ سنہ ھ، میں ان سے بیعت لے کر آباء واجداد کی روحانی وراثت ان کے حوالہ کر دی۔ اس کے بعد ایک سال بھی گذرنے نہیں پایا تھا کہ والد نے ۱۵ / صفر ۱۱۴ سنہ ھ کو انتقال کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

دیوان صاحب کا بیان ہے کہ عمر کے تیرھویں سال میرے دل میں خیال گذرا کہ والد کی زندگی کے دن اب کم ہی رہ گئے ہیں وہ دو سال سے علائق دنیا سے الگ ہو چکے ہیں، اس لئے ان سے بیعت کر کے خاندانی روحانیت کی وراثت حاصل کر لینی چاہیے، مگر والد کا ادب واحترام اس کی گذارش کرنے سے مانع ہوا، ان کی ہیبت کا حال یہ تھا کہ میں ان سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا اس لئے ایک صاحب کے ذریعہ بات کرائی اور کچھ دنوں کے بعد ان کے دل میں یہ بات آئی کہ اگرچہ ابوالغوث پر روحانی اسرار ورموز کا انکشاف دوسری جگہ سے ہوگا لیکن فی الحال بطور برکت کے ان کو روحانیت سے تعلق ہو جانا چاہیے، چنانچہ والد نے میری گذارش پر مجھے اپنی بیعت وارادت سے نوازا۔

بنارس، غازی پور اور کچھوچھہ کے تعلیمی اسفار: دیوان صاحب کی عمر ان کے والد کے انتقال کے وقت چودہ سال کی تھی، ابتدائی تعلیم خاندانی مدرسہ میں اپنے والد وغیرہ سے حاصل کر چکے تھے، اور ان کے انتقال کے بعد تحصیل وتکمیل کے لئے باہر گئے۔ انھوں نے چند ہی سال پہلے دیکھا تھا کہ ان کے والد نے بنارس، غازی پور وغیرہ کا علمی وروحانی سفر کیا تھا، اس لئے دیوان صاحب نے اپنے تعلیمی سفر کی پہلی منزل بنارس کو بنایا، مگر وہاں کے مدرسوں اور خانقاہوں سے دلبستگی نہ ہوسکی، اس لئے وہاں سے غازی پور آ کر وطن واپس آ گئے۔ بنارس اور غازی پور سے واپس آ کر کچھ دنوں وطن میں رہے، پھر کچھوچھہ جا کر دیوان صاحب نے کن علماء اور مشائخ سے تعلیم حاصل کی اور دینی وروحانی فیض پایا، سوائے مولانا شاہ رمضانؒ کے کسی بزرگ کا نام معلوم نہیں۔

مولانا شاہ فتح محمد الہ آبادیؒ سے بیعت وخلافت: دیوان صاحب کچھ مدت وطن میں گذارنے کے بعد پھر بنارس گئے اور وہاں سے الہ آباد پہنچے، یہاں ان کے استاذ میر سید غلام احمدؒ سے ملاقات ہوئی، وہ بڑی محبت وشفقت سے پیش آئے، دیوان صاحب نے ان سے اپنا مقصد بیان کیا کہ وہ یہاں روحانی مرشد ومربی کی تلاش میں آئے ہیں۔ میر سید غلام احمد نے مولانا شاہ فتح محمدؒ کی طرف رہنمائی کی، اور دیوان صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا فتح محمدؒ نے عزت واحترام کے ساتھ دیوان صاحب کا استقبال کیا۔ اور ان کو طریقۂ چشتیہ کے جملہ اعمال واشغال کی تعلیم وتلقین کر کے تھوڑے ہی دنوں میں درجۂ کمال کو پہنچا دیا اور خلافت بھی دے دی، اس کے بعد دیوان صاحب

موضع بھیرا آ کر اپنے آباء واجداد کے انداز پر ارشاد وتلقین اور عبادت وریاضت میں مصروف ہو گئے۔

اساتذہ وشیوخ: دیوان صاحب کے اساتذہ وشیوخ میں ہم کو مندرجہ ذیل حضرات کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔ بھیرا میں ان کے والد شیخ محمد شاہؒ، کچھوچھہ میں مولانا شاہ رمضانؒ، محمد آباد میں میر سید غلام احمد الہ آبادیؒ، سیدانہ میں فتح محمدؒ، اور جیسا کہ آگے معلوم ہوگا دیوان صاحب نے لہرا آنے کے بعد راجہ سید خیر اللہؒ اوران کے بھائی راجہ سید دانیؒ سے طریقہ چشتیہ میں خرقہ خلافت پایا۔

وحدت آباد عرف لہرا میں مستقل سکونت: دیوان صاحب کے آباء واجداد کو سلطان ابراہیم شاہ شرقی کی طرف سے جو بارہ مواضعات پرگنہ محمد آباد میں ملے تھے، ان میں ایک گاؤں لہرا بھی تھا جو مبارک پور سے چند فرلانگ پر بہ جانب جنوب واقع ہے، اس کے پاس ہی گجہڑا اور فخر الدین پور نامی گاؤں ہیں، ہمارے (قاضی اطہر مبارکپوریؒ) بچپن کے زمانہ تک اس کے قریب بہت بڑا بن (جنگل) تھا جو اب کھیت بن گیا، اور جس طرح بھیرا کا نام سلطان پور تھا، لہرا کا نام وحدت آباد تھا، مگر یہ دونوں نام عام رواج نہ پا سکے، دیوان صاحب جاگیرداری اور زمینداری کے جھمیلوں سے یکسوئی حاصل کرنے کے لئے بھیرا سے وحدت آباد لہرا چلے آئے اور گھر اور جاگیر کے انتظام کے لئے اپنے چھوٹے بھائی شیخ احمد شاہؒ کو بھیرا میں رکھا، یہاں آنے کے بعد ایک حجرہ بنا کر ذکر وشغل اور رشد وہدایت میں منہمک ہو گئے۔

سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب: دیوان صاحب کا خاندان

کئی صدیوں سے ارباب علم وفضل کا گہوارہ رہا ہے اس میں شاہ ابوالخیرؒ، ملا محمدؒ، قاضی منجھنؒ جیسے بہت سے علوم شرعیہ کے علماء وفضلاء اور روحانی واحسانی معدن کے مشائخ وعرفاء گذرے ہیں اور طریقۂ سہروردیہ اس خاندان کا ورثہ رہا ہے، جس کی وجہ سے شریعت وطریقت کے جامع بن کر رہے بلکہ مزید برآں انھوں نے طریقۂ چشتیہ میں کمال پیدا کیا، اور زندگی کے ہر مرحلہ پر اتباع سنت کے ساتھ بدعات وخرافات سے اجتناب فرمایا، صاحب مناقب غوثی کا بیان ہے:۔

"نقل است کہ در جمیع رسمیات لابدی وے مثل نمک چشی، وختنہ ومکتبہ وغیرہ تکالیف بدعت بوقوع نیامدہ"۔

دیوان صاحب نے اپنی جوانی میں شادی کی جو ہر قسم کے تکلفات سے پاک اور سادگی کا نمونہ تھی۔

راجہ سید خیر اللہ اور راجہ سید دانی سے طریقۂ چشتیہ میں بیعت وخلافت:

ابتداء ہی سے ہمارے دیار میں روحانی طرق وسلاسل میں دو طریقے خاص طور سے نمایاں تھے ایک طریقۂ سہروردیہ، جس کا علم بردار دیوان صاحب کا خاندان تھا، اور دوسرا طریقۂ چشتیہ جس کی قیادت وسیادت مانک پور کے خانوادہ حامدیہ چشتیہ کو حاصل تھی۔ اور اس دیار میں مانک پوری راجگان چشت اس کو فروغ دیتے تھے، اور خانوادۂ سہروردیہ کے مشائخ خانوادۂ چشتیہ سے اکتساب فیض کرتے تھے، چنانچہ دیوان صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ بڑے راجہ سید ابراہیم مانک پوریؒ سے طریقۂ چشتیہ میں بیعت وخلافت رکھتے تھے۔ نیز دیوان صاحبؒ کے پیر ومرشد مولانا شاہ فتح محمد راجہ سید ابراہیم مانک پوریؒ کے

مرید وخلیفہ تھے۔ اس وجہ سے اس دیار میں سہروردیت اور چشتیت کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا اور دونوں طریقوں میں گہرا تعلق تھا۔

حسن اتفاق سے دیوان صاحب کے زمانہ میں مانک پور کے راجگان چشت میں سے دو بزرگ اس علاقہ میں موجود تھے، اور ارشاد وتلقین کی خدمت انجام دیتے تھے، ایک راجہ سید غلام معین الدین عرف راجہ دانی متوفی ۱۱۳۰ھ جون پور میں اور دوسرے ان کے بھائی راجہ سید غلام نظام الدین عرف راجہ خیر اللہ متوفی ۱۱۲۸ھ محمد آباد گوہنہ میں، دیوان صاحب نے ان دونوں حضرات سے طریقۂ چشتیہ حاصل کر کے خلافت پائی جس سے ان ہر سہ حضرات میں تعلقات نہایت خوشگوار اور استوار تھے، اور راجہ خیر اللہ تو دیوان صاحب کے ذاتی اور خاندانی امور ومعاملات تک میں دخیل تھے۔

خلفاء وتلامذہ: دیوان صاحبؒ نے پوری زندگی تعلیم وتلقین میں بسر کی اور بہت سے اہل دل ودماغ نے ان سے استفادہ کیا، ان میں سے چند نام یہ ہیں: مثلاً مولانا حافظ اسحاق لہراویؒ، شاہ عبدالحق بھیرویؒ، شاہ معشوق علی غازی پوریؒ، شیخ شمس الدین حیدریؒ، شیخ نور محمدؒ، حافظ محمد علیؒ وغیرہ۔

مختصر اور جامع تعارف: شیخ وجیہ الدین اشرف لکھنویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''بحر زخار'' میں آپ کا تذکرہ یوں ارقام فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ابوالغوث مشہور بہ گرم دیوان، شاہ فتح محمدؒ کے خلیفہ اعظم ہیں، جود وسخا اور ورع، تقویٰ میں ممتاز، تواضع اور داد ودہش میں نمایاں، اور طالبان رشد وہدایت کی تعلیم وتربیت میں بہت آگے تھے اور وہ ان کے طفیل میں معرفت

سے بہرہ ور ہوئے، اور ہندوستان میں اکثر مشائخ اور درویشوں کو دیوان کہتے ہیں، ان کے طبعی جلال کی وجہ سے ان کو گرم دیوان کہتے تھے۔

وفات: حضرت شاہ ابوالغوث گرم دیوان ۲۵/جمادی الاخریٰ ۱۱۷۸ھ کو شب جمعہ میں عشاء کے بعد فوت ہوئے، چند دن پہلے بدن میں شدید قسم کا درد پیدا ہوا جس سے جوڑ جوڑ میں تکلیف ہوگئی تھی، لہرا میں مکان وخانقاہ کے پاس والے باغ میں دفن کئے گئے۔ مزار کے علاقہ کو آج کل روضہ کہتے ہیں، جو ضلع مئو (اعظم گڈھ) یو، پی میں ہے۔ (دیار پورب میں علم وعلماء: ص/۴۵۶)

حضرت خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی کشمیری ثم دہلویؒ متوفی ۱۱۸۰ھ

تعارف: حضرت خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ کے خلیفہ اور بارہویں صدی ہجری کے صوفیاء میں سے تھے، کتاب مقاصد السالکین انہیں کی تالیف ہے، جو نہایت بصیرت افروز کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے استفاضہ کی توفیق دے۔ آمین

حضرت خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی کا تعلق خطۂ کشمیر سے تھا، آپ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے۔ امیر وکبیر قسم کے تاجر تھے، چنانچہ ایک ایک لاکھ کا خیمہ ہوا کرتا تھا۔

بیعت کا سبب: حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی کے خلیفہ تھے اور آپ کے بیعت ہونے کا سبب یہ ہوا کہ خواب میں آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سید امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ بھی تھے۔ وہاں حضرت خواجہ محمد زبیرؒ بھی حاضر تھے، حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ نے دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارک

ا۔ آپ کے مختصر حالات کا تذکرہ مکرم پروفیسر محمد اقبال مجددی صدر شعبہ تاریخ لاہور پاکستان نے ''مقاصد السالکین'' کے مقدمہ میں کیا ہے۔ اسی سے ان کے حالات کو نقل کر رہا ہوں، جو مکرم ڈاکٹر امداد علی صاحب بلاری نے کسی نسخہ سے اخذ کر کے ارسال کیا ہے، لیکن میرے پاس موجودہ نسخہ میں یہ مقدمہ نہیں ہے۔۔(مرتب)

اور حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کی شکل ایک ہو گئی ہے، اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خواجہ ضیاء اللہؒ سے فرمایا کہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کی خدمت میں جاؤ اور ان سے بیعت ہو جاؤ۔ چنانچہ اگلے ہی روز خواجہ ضیاء اللہ حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کے پاس گئے اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے، حضرت خواجہ محمد زبیر ان پر غایت درجہ مہربان تھے، چونکہ خواجہ ضیاء اللہ نہایت حلیم الطبع اور متواضع تھے اس لئے آپ نے انہیں ”ھین لین“ (سنجیدہ، نرم خو) کا خطاب دیا تھا۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہ کا تعلق خطۂ کشمیر سے تھا، آپ کشمیر ہی سے بغرض تجارت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آتے جاتے تھے، خواجہ محمد زبیرؒ نے انہیں ”فخر کشمیر“ کا بھی خطاب دیا تھا۔ کشمیر میں ان کی شہرت ”احسن لین“ (بہترین لین والے) کے نام سے تھی۔ (مقدمہ مقاصد السالکین: ص/۱۱)

آپ اہل قلم کی نظر میں: روضۃ القومیہ کے معاصر مؤلف نے خواجہ محمد زبیرؒ کے چند معروف خلفاء کے ضمن میں خواجہ ضیاء اللہؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

خلافت: خواجہ ضیاء اللہ کشمیری حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کے اجل خلیفہ ہیں، آپ ورع وتقوی اور طریقۂ احمدیہ معصومیہ کے سخت پابند ہیں، حضرت خواجہ محمد زبیرؒ آپ پر بدرجہ غایت مہربان تھے اور ولایت صغریٰ وکبریٰ، کمالات نبوت بلکہ حقائق ثلاثہ تک کی بشارت خواجہ ضیاء اللہ کو عنایت فرما کر اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا، بارہا خواجہ صاحبؒ کی بابت فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ صاحب محبت واعتقاد میں بے نظیر ہیں۔

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ روضۃ القومیہ کی تالیف (حدود ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۰ئ) کے دوران ہوئی ہوگی جب کہ خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی کشمیریؒ بقید حیات تھے، ۱۱۷۴ھ ۱۷۶۱ء کو معروف شیخ طریقت حضرت شاہ غلام علی دہلوی نوعمری میں بٹالہ سے دہلی پہنچے تو اس وقت دہلی میں جو معروف ترین مشائخ مصروف کار تھے ان میں خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی کا نام سرفہرست ہے۔ شاہ غلام علیؒ ۱۱۷۴ھ سے ۱۱۷۸ھ چار سال تک دہلی کے مختلف مشائخ کی صحبت میں رہے اور خواجہ ضیاء اللہ سے بہت متأثر ہوئے۔ گویا خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی کشمیری ۱۱۷۴ھ تک زندہ اور دہلی میں دعوت وارشاد میں مصروف تھے، قیاس ہے کہ ۱۱۷۸ھ کے بعد شاہ غلام علی حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے منسلک ہوئے ہوں گے۔ (مقدمہ مقاصد السالکین: ص / ۱۲)

حضرت شاہ غلام علی کی رائے: حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس نے نسبت مجددی مجسم نہ دیکھی ہو حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ کو دیکھے، فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ آخر شب میں گریہ وزاری کرتے ہوئے اور لوگوں کو زجر وتنبیہ کر کے بیدار فرماتے اور کہتے کہ حیف ہے تمہارے حال پر کہ محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہو اور تمہارا یار ومحبوب بیدار اور تمہاری طرف متوجہ ہے اور تم خفتہ وغافل ہو، تم دعوی محبت میں دروغ گو ہو ورنہ عاشقوں کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ؎

مجنوں بہ خیال لیلیٰ در دشت　　در دشت بجستجوئے لیلیٰ می گشت
می گشت بدشت بر زبانش لیلیٰ　　لیلیٰ می گفت تا زبانش می گشت

(درالمعارف)

ترجمہ: مجنوں لیلیٰ کی طلب وجستجو میں جنگل و بیابان میں گھوم رہا تھا اور اس کی زبان جب تک چلتی رہی بس لیلیٰ ہی کی رٹ تھی۔ (مرتب)

سرہند میں فساد: بدقسمتی سے مسلمانوں کا دارالارشاد سرہند شریف پر سکھوں نے پے در پے کئی حملے شروع کر دیئے ان کا پہلا حملہ ۱۱۲۲ھ ۱۷۱۰ء کو بندہ سنگھ کی نگرانی میں ہوا اور مسلمانوں کو سکھوں نے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا، اس حملہ سے صرف ایک سال پہلے الہامی طور پر حملہ سے آگاہ ہو کر حضرت شیخ عبدالاحد وحدتؒ اور حضرت خواجہ محمد زبیرؒ نے سرہند شریف سے ہجرت کی اور دہلی آ کر مقیم ہو گئے۔ چونکہ سکھوں کے سرہند پر ۱۱۷۸ھ/ ۱۷۶۴ء تک وقفے وقفے سے حملے جاری رہے اس لئے یہ حضرات واپس سرہند نہ جا سکے اور ان کے وصال کے بعد ان کو سرہند لے جا کر دفن کیا گیا۔ (مقاصد السالکین: ص/ ۱۴)

دہلی آمد: اس لئے ۱۱۳۱ھ کو حضرت خواجہ ضیاء اللہ جب کشمیر سے مذکورہ خواب کے بعد حضرت خواجہ محمد زبیر سے بیعت ہونے کے لئے نکلے تو سرہند جانے کی بجائے دہلی حاضر ہوئے، چونکہ آپ کے پیر ومرشد خواجہ محمد زبیرؒ دہلی میں مقیم ہو گئے تھے اور انہیں اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی پھر دونوں میں موانست کے واقعات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خواجہ ضیاء اللہ بھی دہلی میں ہی مقیم ہو گئے ہوں گے اور وہاں سے واپس کشمیر نہ گئے ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ مشائخ کشمیر کے موضوع پر مرتب ہونے والی کتب میں خواجہ ضیاء اللہ کشمیری کا ذکر نہیں ملتا۔

۱۱۷۴ھ کو جب حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ دہلی میں تھے تو دہلی کے مشہور ترین بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا،

اقتباسات از مقاصد السالکین

حضرت خواجہ ضیاء اللہ نقشبندی کشمیریؒ نے ایک کتاب مسمی بہ مقاصد السالکین تالیف فرمایا ہے جس میں پانچ مقاصد کے تحت نہایت مفید و وجد آفریں مضامین درج فرمائے ہیں۔ اس میں سے ہر مقصد کے مندرجہ ارشادات عالیہ نافعہ سے چیدہ چیدہ ملفوظات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ لہذا ان کو بحضور قلب بصدق وارادت مطالعہ کریں۔ انشاء اللہ اس سے عمل کا داعیہ وجذبہ پیدا ہوگا اور امید ہے کہ عمل پر کمر بستہ ہونے کی ہمت نصیب ہوگی۔ واللہ الموفق (مرتب)

ارشادات عالیہ از مقصد اول

اے عزیز! ولایت کے درجوں کو پانا، طاعت پر مداومت کرنا، دوزخ کی آگ سے چھٹکارا پانا، بہشت کی نعمتوں میں داخل ہونا، تہذیب اخلاق، اللہ تعالیٰ کا قرب ووصال، معانی کے بھیدوں کا ظہور، نفسانی حرص کی مخالفت، اللہ تعالیٰ کی رضامندی، نہایت صدق وصفائی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت تمام اعلیٰ مرتبوں کا حصول، دین ودنیا کی سعادت، دونوں جہاں کا سرور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہی سے وابستہ ہے۔

جس شخص نے اپنی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے سنوار لیا تو سعادت کی روشنی اس کی پیشانی سے ظاہر ہوگی۔ وہ کیا ہی سعادتمند اور صاحب نصیب شخص ہے جو اس آیت کریمہ ”اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ“ کے چراغ کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر

طے کرے اور اپنے تمام کاموں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حمیدہ اخلاق کا اقتداء کرے۔

یہی تو باعث ہے کہ اس وحدہ لاشریک لہ کی درگاہ کے نیک اور مقبول بندے اور شریعت کے انوار کا اقتباس کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کے ادا کرنے کو سینکڑوں چلوں اور ریاضات سے بہتر یقین کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں سے کسی ایک عمل کو تمام عبادتوں سے زیادہ بزرگ جانتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی صفت سے موصوف کیا جو اس کے نزدیک مقبول ومحبوب ہے۔ بس کسی قسم کی عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے بہتر اور خوشتر نہیں ہے۔ اور کوئی طاعت، شریعت پر استقامت رکھنے سے زیادہ بزرگ نہیں ہے۔ جو شخص دین ودنیا کی سعادت پر پہنچنا چاہے کہ طریقت وحقیقت کا جمال اس پر جلوہ گر ہو تو اس پر لازم ہے کہ ظاہر وباطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ مبارک پر ہی مداومت کرے تا کہ اس کے دل کو اللہ تعالیٰ معانی کے انوار سے روشن کرے۔ (مقاصد السالکین: ص/۲۱)

نیک لوگوں کی حرمت: بشر حافیؒ سے منقول ہے کہ رات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے بشر! تجھے کچھ خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کیوں برگزیدہ کیا؟ اور کیوں تیرے رتبہ کو اس قدر بلند کیا؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری متابعت میں آپ نے بہت کوشش کی اور میری سنت کو بجا لایا اور نیک لوگوں کی حرمت تو نے نگاہ میں

رکھی۔ان سب نیکیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے تجھے اس بلند مقام پر پہنچایا۔

حق تو یہ ہے کہ جس قدر باطن کی صفائی اور انکشاف معانی اور دولت پنہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے لاکھ ریاضت اور مجاہدہ سے بھی نہیں مل سکتی، اور جس قدر عبادت کی لذت حق تعالیٰ کی رضامندی، اعلیٰ درجات، دین کی مضبوطی اور ظاہر وباطن کی پاکیزگی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں اپنی جھلک دکھاتی ہے کسی قسم کی طاعت اور عبادت سے میسر نہیں ہوسکتی۔(مقاصد السالکین:ص؍۲۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا درجہ: اولیاء اللہ کی کرامت اور ولیوں کی ولایت انبیاء علیہم السلام کے تابع ہوا کرتی ہے۔ جو شخص انبیاء علیہم السلام کی متابعت کو ترک کردے گا اس کی ولایت کا منصب اور قرب کا درجہ بحال نہ رہے گا۔پس جس شخص کو اس مقصد کی آرزو ہو کہ درجات ولایت اسے مل جائیں اور حقیقت کا راستہ اس کے آگے کھل جائے تو اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو اپنے اوقات کا آئینہ بنائے اور اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور ہمیشہ اس میں دیکھتا رہے تاکہ اس کے خلاف کوئی (عبادت) عمل میں نہ آئے۔(مقاصد السالکین:ص؍۲۷)

شریعت معرفت الٰہیہ کا وسیلہ ہے: فرمایا: جب شریعت حق تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہے تو جو شخص وسیلہ ترک کرکے دین کے کاموں پر مستقیم نہ رہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے دین سے منہ پھیر کر دائرۂ اسلام سے اپنے پاؤں باہر کھینچ لئے، جس طرح کہ بعض بدعتی فقیر کہتے ہیں کہ ہم اب شریعت سے گذر کر طریقت اور حقیقت پر پہنچ گئے ہیں اس لئے ہمیں نماز، روزہ، حج اور

زکوٰۃ وغیرہ کے ادا کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔توبہ توبہ، یہ صریح گمراہی ہے۔

سب راستے بند ہیں سوائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راستہ کے: سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے سب راستے بند ہیں، لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ کھلا ہوا ہے، لہذا جو شخص اس راستہ پر چلے گا وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا۔

حضرت ابوالحسن باروسی قدس سرہ نے فرمایا ''دل کی صفائی اور سینہ کی کشادگی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ مومن سنتوں کی پیروی کرتا ہے اور بدعتوں سے پرہیز کرتا ہے۔

حضرت شیخ ابوسعید قلولیؒ کا ارشاد ہے: جو شخص باطنی حال کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ حال اس کو شریعت کی حد سے باہر نکال دیتا ہے تو اس کے پاس ہرگز نہ جاؤ اور اس کی صحبت میں رہنے سے پرہیز کرو۔

امیر المومنین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ایک مومن کی حاجت روائی کروں تو اس کو ستر برس اعتکاف سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ لہذا اپنے تمام امور میں اپنی نیت کو درست رکھے۔یعنی ہر فعل وعمل میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہی مدنظر ہو اور اس میں نفس کا کچھ دخل نہ ہو۔کیونکہ نفسانی خواہشیں حقانی اعمال کو برباد کرتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ ''انما الاعمال بالنیات'' یعنی اعمال کی قبولیت کا مدار نیتوں پر ہے۔

دنیا کے کام میں بھی آخرت کی بہتری کی نیت کرے: جو کام دنیاوی کرے اس میں بھی آخرت (کی بہتری) کی نیت ہو اور ہر گھڑی دل کی

نیت کو نیک کاموں پر تازہ رکھے۔ نیة المومن خیر من عمله۔ (مومن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے)

تقویٰ اور پرہیزگاری سے اپنی ذات کو آراستہ رکھے۔ یعنی عزیمت پر عمل رکھے اور حتی الوسع رخصت سے دور رہے۔ اس لئے کہ تقویٰ کی رعایت متقی کو بلند درجوں تک پہنچاتی ہے، اور اعلیٰ درجہ کی صفائی بخشتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم'' (تم میں بہت بزرگ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرے۔ (مقاصد السالکین: ص ۳۸)

تعدیل ارکان نماز کی نافعیت: شیخ الاسلام برہان الدینؒ نے یوں کہا ہے کہ جو شخص تعدیل ارکان بجا نہ لائے اس کے لئے یہ بہت اچھا ہے کہ نماز کو دوبارہ پڑھے۔ ''قال النبی صلی اللہ علیه وسلم من حفظ علی اللہ الصلوٰة بقیامها ورکوعها وسجودها حرم اللہ تعالیٰ جسده علی النار'' (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خاص اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھی، اس کے قوموں، رکوعوں اور سجدوں کو پوری طرح سے ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم پر دوزخ کی آگ حرام کردی۔)

پس رکوع وسجود اور دونوں سجدوں کے درمیان آرام لینا، نماز کے رکنوں میں سے ہے، جو شخص نماز کو اپنے دل کی تسلی کے ساتھ ادا کرتا ہے، تو وہ نماز اس کی مغفرت کا وسیلہ ہو جاتی ہے، اور دو سجدوں کے درمیان آرام کرنے کے معنیٰ ہیں کہ جو ذکر کہ ہر ایک رکن میں مقرر ہے چاہئے کہ اسی رکن میں ختم ہو جائے۔

اے عزیز! نماز کی ایسی ہی حقیقت ہے جیسے آدمی کی۔ مثلاً انسان

خوبصورت اور بے عیب اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کے تمام اعضاء آنکھ، کان، زبان، ناک اور ہاتھ، پاؤں سب کے سب ٹھیک اور سلامت ہوں۔ ایسے ہی کامل صحیح وسالم اور بے عیب نماز اس وقت ہوتی ہے کہ اس کے سب ارکان اور احکام جس طرح پر صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اس کے مطابق ادا کی جائیں۔ بس سعادتمندوں کو یہ لازم ہے کہ اس بات میں سستی اور کاہلی کو عمل میں نہ لائیں اور عجز و نیاز کے ساتھ عبودیت کے آداب بجالائیں تاکہ ایسی نماز (جس کا اوپر ذکر ہوا) ان کے بخشے جانے کا موجب ہو، اور ان کے ایمان کی بیخ و بنیاد کو مضبوط کرے۔ (مقاصد السالکین: ص/۴۶)

نماز کے خشوع میں جو چیز مخل ہو اس سے بچنا چاہئے: نقل ہے کہ ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک صوف کا سیاہ پارچہ جس پر سفید دھاریاں تھیں، تحفہ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنا اور اس پر نماز ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اسے بدن سے اتار دیا اور فرمایا ''اے عائشہ! یہ پارچہ ابوجہم کو واپس کر دے۔ جب نماز میں اس کپڑے پر میری نگاہ پڑی تو قریب تھا کہ مجھے غیر حق کی طرف مائل کر دے۔

ف: پس اس معاملہ میں پوری احتیاط کو کام میں لانا، اور دل کو غیر حق کے خیالات سے روکنا، سالک کے لئے واجبات میں سے ہے۔ واللہ الموفق (مرتب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ومتابعت: ہر ایک سعادتمند آدمی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں فانی ہو، اور آپ کی متابعت اور پیروی میں مستقل اور راسخ ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درحقیقت بے واسطہ فیض پاتا ہے، اور اس فیض

کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے درگاہ کا مقرب اور مقبول ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دراصل حضرت حق جل مجدہ کی محبت ہے۔ اور آپ کی محبت کے علامات میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پر فتوح پر ہمیشہ درود اور صلوٰۃ وسلام نہایت عجز واخلاص سے پہنچاتا رہے تاکہ محبت اور اخلاص کے بہ قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت سے فیضیاب ہو اور اللہ تعالیٰ کے فیض ورحمت کے قابل ہو۔

کتاب المصابیح میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک بار مجھ پر درود شریف پڑھے حق تعالیٰ دس بار اس پر رحمت بھیجتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندۂ مومن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو مقرر فرماتا ہے، تاکہ فی الفور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ انور پر حاضر ہو کر کہے کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص فلاں آدمی کے بیٹے نے آپ پر ایک بار درود شریف بھیجا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال فرحت ومسرت سے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر اس نے ایک دفعہ مجھ پر درود بھیجا ہے تو دس بار میری طرف سے اس پر صلوٰۃ پڑھ۔

پس وہ نہایت خوشی کی گھڑی ہے کہ تیرا سلام اور تسلیمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچ جائے اور کیا ہی نیک بختی اور خوش قسمتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد اور ان کے جواب باصواب سے سرفراز ہو جائے۔

شہد کی مکھی نے صحابہ کرام کی دعوت کی: واقعہ ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کو تشریف لے جا رہے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ساتھ تھی، خیمہ میں اترے اور آپ نے کھانا طلب

فرمایا۔ ایک روٹی جو کی موجود تھی۔ وہ حاضر کی گئی تو ارشاد فرمایا: اس کے لئے سالن لاؤ۔ دوستوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں ہے۔

اتفاقاً ایک شہد کی مکھی اصحاب رسول کے سروں پر گھوم رہی تھی، اور بڑے زور سے بھنبھناتی تھی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ مکھی کیوں اس قدر شور مچاتی ہے؟ فرمایا، یہ کہتی ہے کہ ہم مکھیوں کی فوج بے قرار اور ملول ہیں کہ صحابہ کرام ؓ روٹی کو بغیر سالن کے کھاتے ہیں، حالانکہ ہم نے اسی پڑوس والے پہاڑ میں شہد تیار کر رکھا ہے، لیکن اس کے یہاں لانے کے وسائل اور طاقت ہم میں نہیں ہے۔ کسی کو حکم دیں تاکہ وہاں سے جا کر شہد لائے۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چوبی (لکڑی) پیالہ اپنے ساتھ لیا اور مکھی کے پیچھے پہاڑ کی طرف گئے۔ مکھی ایک غار میں چلی گئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا تعاقب کیا (یعنی اس کے پیچھے پیچھے تشریف لے گئے) نہایت صاف وشفاف شہد دیکھا جس سے حضرت علی ؓ نے کسی قدر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ شہد دوستوں میں تقسیم فرمادیا۔ لیکن وہ شہد کی مکھی ویسے ہی بھنبھنا رہی تھی۔ صحابہ کرام ؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا سبب دریافت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ہمارے ساتھ سوال وجواب کر رہی ہے، چنانچہ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہاری خوراک کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ، اے اللہ کے رسول اس پہاڑ وبیابان میں ہم کڑوے پھول اور بے مزہ پتے کھاتی ہیں۔

پھر میں نے پوچھا ’’جب تمہاری خوراک ایسی کڑوی اور بے مزہ ہے تو پھر ایسا صاف شفاف اور شیریں شہد کیونکر ممکن ہوتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ اے اللہ کے رسول! ہمارا ایک امیر اور سردار ہے جس کے ہم سب تابع ہیں۔ جب ہم پھولوں کا رس چوسنے بیٹھتی ہیں تو ہمارا امیر آپ پر درود شریف بھیجنے کے لئے زبان کھولتا ہے تو ہم سب اس کی ہم آواز ہوتی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک بھیجتی ہیں، تو وہ تلخ پھول اور بے مزہ پتے درود شریف کی برکت سے ہمارے حلق میں پہنچتے ہی شیریں ہو جاتے ہیں اور شہد نہایت صاف وشفاف ہو جاتا ہے۔ اسی درود شریف کے سبب سے لوگوں کے درد کی شفاء اس میں ہے۔

(مقاصد السالکین: ص/۶۸)

ف: غور کرو کہ جب شہد کی مکھیاں صدق واخلاص سے درود شریف پڑھتی ہیں تو ان کی غذا کی تلخی شیرینی سے بدل جاتی ہے تو پھر اگر مومن بندہ صلوٰۃ وسلام کا تحفہ اس موجودات عالم کے باغ کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک روح پر محبت واخلاص کے ساتھ بھیجے گا تو اس سے امید ہے کہ اس کے سب گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور اس کے ذریعے سے درود شریف بھیجنے والا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقرب اور درگاہ الٰہی کا واصل ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ لہٰذا خاص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بکثرت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنے خاص قرب وقبول سے نوازے۔ آمین۔ (مرتب)

ارشادات عالیہ از مقصد دوم

نفس کو پاک کرنا: جان لو اے عزیز! قضا وقدر نے روحِ لطیف کو کہ جسم

کثیف میں پھنسا دیا ہے اور بے گھونسلہ پرندے کو اس تنگ و تاریک پنجرے میں ڈال دیا ہے۔ تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اس ذرۂ خاک کو محنت کشی کی کھٹالی میں گلا کر پاک وصاف کرے، اور دائمی توجہ کے ساتھ طاعات اور عبادات کے ذریعے سے اس کو مجلی و مصفیٰ کرے۔ تا کہ مصداق آیت کریمہ ''اِنِیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'' (میں اپنا نائب زمین میں پیدا کرنے والا ہوں) وہ نہایت کے قابل ہوجائے اور ''فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ''(تو میرے خاص بندوں میں مل کر بہشت میں داخل ہوجا) کے سزاوار بن جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ ریاضت اور مشقت کے سوا نیک بختی کا راستہ نہیں دکھاتے اور محنت اور عبادت کے بغیر فتوحات کے دروازے نہیں کھولتے۔ جس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا''(یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مجاہدہ کیا ان کو ہم راستہ دکھاتے ہیں۔)

قیمتی چیز بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی: یہ بات کاملان اہل معانی کے نزدیک تحقیق شدہ ہے کہ جو چیز بیش قیمت ہے وہ بہت سے رنج اور محنت کے بغیر ہاتھ نہیں آتی اور جو چیز سہل اور کم قدر ہو وہ تھوڑی سی کوشش سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ دکھ اور تکلیف کا بوجھ سوائے جوانمردوں کے کوئی نہیں اٹھاتا، اور سعادت کا خزانہ تکلیف اٹھائے بغیر قبضہ میں نہیں آتا اور رسمی طاعت اور عادی عبادت سے یہ مشکل حل نہیں ہوتی۔ اس لئے خالص بندگی میں کمر ہمت چست باندھنی چاہئے اور اپنے وجود کے شیشہ کو ریاضت اور نیک اعمال کی ریتی سے بشری میل سے پاک وصاف کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کا

وعدہ نیک اعمال پر منحصر رکھا ہے۔ ''فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَداً'' (پس جو شخص اپنے پروردگار کے دیدار کی امید رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ کرے۔)

پس عقلمند آدمی کو لازم ہے کہ کسی وقت بھی اپنے رب کی عبادت سے آرام نہ کرے کہ انسان کی بزرگی اور بلند درجہ کا حصول اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لوازمات کے ادا کرنے پر ہی موقوف ہے۔ اگر بندہ بندگی میں قصور کرے اور اختیار کی باگ نفس وشیطان کے ہاتھ میں دے دے تو ایسا بندہ چوپایوں اور حیوانوں سے بدتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰئِکَ ھُمُ الْغَافِلُوْنَ'' (یعنی وہ لوگ چارپایوں (مویشی) کی طرح ہیں، بلکہ اس سے زیادہ گمراہ ہیں، وہی لوگ غافل ہیں۔) (مقاصد السالکین: ص ر ۷۳)

تہجد کی فضیلت: ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رکعتان فی جوف اللیل خیر من الدنیا ومافیھا'' (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے درمیان کی دو رکعت نماز تمام دنیا ومافیہا سے بہتر ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تہجد پڑھے میں اور وہ دونوں ایک ساتھ بہشت میں جائیں گے اور وہ قیامت کے دن پورے ایک ہزار آدمی کی شفاعت کرے گا اور جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اس کا تمام چہرہ سورج سے بھی زیادہ روشن ہوگا۔

ایک گروہ نے حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب

میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ”ان تمام عبادتوں نے کچھ بھی نفع نہ دیا، مگروہ دو رکعتیں نماز کام میں آئیں جو آدھی رات کو ادا کی جاتی تھیں۔ (مقاصد السالکین: ص/۷۹)

دعا کی عظمت: چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے ”لیس اکرم علی اللہ من الدعاءٔ“ (کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا مانگنے سے زیادہ عظیم نہیں ہے) لیکن انسان کو لازم ہے کہ دعا مانگنے کے آداب اور شرائط بجالائے تاکہ دعا بہت جلدی قبول ہو۔

صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیا اور فضل وکرم کی تمام صفتوں سے موصوف ہے، جب کوئی بندہ اس کے حضور میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ اس کے ہاتھوں کو اپنے فضل وکرم کے خزانوں سے خالی لوٹا دے۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز دعا سے زیادہ بزرگ نہیں ہے۔

دعا کے لئے کامل ادب: (۱) جاننا چاہئے کہ سب سے زیادہ کامل ادب دعا کے لئے توبہ واستغفار اور اخلاص سے دل کو حاضر رکھنا۔ (۲) حلال روزی کی روٹی کھانا، کپڑوں کو پاک رکھنا، باوضو ہونا، اور قبلہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھ اٹھانا اور پھیلانا اور دوزانو ہو کر بیٹھنا ہے۔ (۳) دعا مانگنے میں جلدی نہ کرنا، چونکہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”ادعونی استجب لکم“ (تم مجھ سے مانگو اور میں اس کو قبول کروں گا) اس لئے ناامید نہ ہو جائے۔ اگر دنیا میں دعا کے منظور ہونے کا اثر نہ ہوگا تو حق تعالیٰ اس جہان میں اپنے خاص ثواب کا خزانہ عطا فرمائے گا۔

جب دعا سے فارغ ہوتو اپنے باطنی سبق یعنی ذکر وفکر میں مشغول ہوجاؤ، کیونکہ نیک وقت کا نیک کاموں میں خرچ کرنا بہتر ہے اور سب سے نیک کام حق تعالیٰ کی یاد ہے۔(مقاصد السالکین:ص ۸۱)

کامل عارفوں کی علامت: کامل عارفوں کی علامت ہے کہ ہر ایک انسان کو اپنی ذات سے بہتر اور اپنے کو بدتر جانتے ہیں۔ اور اپنے نفس کو نہایت ذلیل وخوار گنتے ہیں۔ اگر ان کے در پر کوئی سوالی، محتاج، فقیر اور شکستہ دل آئے تو بمصداق آیت کریمہ ''وَاَمَّاالسَّائِلَ فَلَاتَنْهَرْ'' اس کے سوال کو رد نہیں کرتے اور حتی المقدور اس کو خالی ہاتھ اپنے دروازے سے نہیں جانے دیتے، کیونکہ تمام نیک صفتوں میں سے کوئی صفت بھی سخاوت سے زیادہ نیک نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''جو شخص سوالی کو اپنے در سے خالی ہاتھ واپس کرتا ہے تو ایک ہفتہ تک فرشتے اس کے گھر میں نہیں جاتے''۔

اور جو کچھ للہ خیرات کرے نہایت خوش دلی اور تازہ روئی سے خرچ کرے، ناپسندیدگی اور سخت گوئی کو عمل میں نہ لائے۔(مقاصد السالکین:ص ۹۴)

قرأت قرآن پاک کی افادیت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:''من اراد ان یتکلم مع اللہ تعالیٰ فلیقرأ القرآن'' (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ قرآن مجید پڑھے۔)

پس جو غفلت سے پڑھا گیا ہے اس کو ان پڑھا سمجھے اور دوبارہ پڑھے، اگر عالم ہے تو قرآن شریف کے معنوں میں غور وفکر کرے۔

قولہ تعالیٰ ”اِنَّ فِیۡ ذَالِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَهٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَهُوَ شَهِیۡدٌ“ (بے شک قرآن مجید (کے پڑھنے، سننے) میں نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا دل بہت سے مجاہدہ، ریاضت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے باعث بشریت کے لالچ اور نفس کی پلیدیوں سے پاک ہے اور ہوش کے کان لگا کر سنے۔)

ف: سبحان اللہ جو قلب نصیحت کو قبول کرتا ہے اس کی کیسی کچھ توضیح فرمائی جو اہل اللہ ہی کی خصوصیت و شان عظیم ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی قلب کو قلب سلیم کہا جاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا قلب نصیب فرمائے جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ“ (مال اور اولاد آخرت میں کچھ کام نہ آئیں گے مگر وہ لوگ جو قلب سلیم لے کر آئیں)۔ (مرتب)

عوام و خواص کی تلاوت کا فرق: اے عزیز! اگرچہ اللہ تعالیٰ کا کلام سب لوگ پڑھتے ہیں، لیکن ظاہری لوگوں کا پڑھنا اور ہے، اور اہل معانی کا پڑھنا اور۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قرآنی انوار و اسرار اس وقت ظاہر فرماتے ہیں کہ اس کا دل نفسانی حرص و ہوا اور بشریت کی صفتوں سے پاک ہو، اور قرآن مجید کے خوبصورت چہرہ کا عکس اس شخص پر جلوہ گر فرماتے ہیں جس کا دل ماسوی اللہ کی غفلت اور تاریکی کے غبار سے صاف و شفاف ہو۔

جاننا چاہئے کہ ہر ایک چیز کی ایک صورت اور ایک حقیقت ہے۔ سنو! ظاہری لوگ قرآن مجید کے آواز اور لفظوں سے ہی فائدہ پاتے ہیں۔ اور آخرت

کے اچھے درجے اور دینی سعادت حاصل کرتے ہیں، لیکن ان کے دلوں کو اتنی شائستگی نہیں ہوئی کہ قرآن مجید کے انوار کو لے سکیں۔ لیکن اہل دل اس کی حقیقت سے نفع لیتے ہیں اور اس کے معنوں کی خوشبو سے جان کے مغز کو معطر کرتے ہیں، بلکہ جو لوگ روشن دل اور صاف باطن ہیں ان کے لئے حروف قرآنی کا ہر ایک حرف اسرار ومعانی کے بھید کا پردہ کھولنے والا ہے اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے خوبصورت چہرہ کا آئینہ ہے ؎

قومے ز وجود خویش فانی   رفتہ ز حروف در معانی

ترجمہ: جس قوم نے اپنے وجود کو فنا فی اللہ کر دیا ہے تو وہ قوم حرفوں سے نکل کر معنوں تک پہنچ گئی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مناجات کرتے اور اللہ کا کلام سننے سے لوٹ کر آتے تو لوگوں سے بھاگتے اور اپنے کانوں میں انگلیاں دیتے تاکہ لوگوں کی بات نہ سن سکیں۔ اس وقت ان کو عوام کی بڑبڑ گدھے کی آواز سے بھی زیادہ ناپسندیدہ معلوم ہوتی تھی۔

ف: کہاں تو اللہ کا کلام اور کہاں عوام کی آواز

ع   چہ نسبت خاک را با عالم پاک   (مرتب)

پس اے عزیز! تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو سب سے بہتر اور تمام آسمانی کتابوں سے بزرگ تر ہے، جب تو پڑھتا اور سنتا ہو تو تجھے لازم ہے کہ پڑھتے وقت ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو جائے۔ اور لوگوں کا کلام سننے سے کانوں میں روئی ڈال کر اور دل کی توجہ ایک طرف کر کے کلام ربانی کے انوار سے اللہ جل

جلالہ میں ایسا مر مٹے اور غرق ہوجائے کہ کسی اور طرف کی تجھے خبر نہ ہوتا کہ اس کے ذریعے سے حجاب دور ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں ترقی ہوجائے۔

(مقاصد السالکین: ص/۱۰۵)

کون سی طاعت اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا: وہ کون سی طاعت ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے اور کون سی معصیت ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرتی ہے؟ فرمایا وہ طاعت جس کا اول خلوص سے ہومگر انجام کار ریا وخود بینی ہو ،ایسی عبادت بندہ کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے جیسے شیطان کہ شروع میں اس نے کیسی عبادت وطاعت کی مگر آخر کار اس میں خود پسندی وخود بینی آ گئی جس نے نہ صرف کام کو بگاڑ دیا بلکہ ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق اس کے گلے میں پڑ گیا۔اور وہ معصیت جس کا اول ہولناک ہومگر انجام کار عذر وتوبہ ہو،تو یہ حالت بندہ کو مقرب بارگاہ الٰہی بنا دیتی ہے، جیسے حضرت آدم علیہ السلام بعد خطائے اجتہادی کے اخیر میں توبہ واستغفار کی جس کی وجہ سے عنداللہ شرف قبولیت اور منصب خلافت سے سرفراز کئے گئے۔

عذر کے ساتھ گناہ سبب قرب الٰہی ہے: یہی تو باعث ہے کہ اکابر دین نے فرمایا،''وہ گناہ جو عذر کے ساتھ ہو، اس طاعت سے بہتر ہے جو خودی وتکبر کے ساتھ ہو، اس لئے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت شرمساری اور عجز وزاری کے ساتھ رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ عفو ومغفرت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

سب سے بڑا عالم کون ہے: کسی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: وہ گنہ گار جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، لوگوں نے پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ جاہل کون ہے؟ فرمایا وہ مطیع جو نڈر رہو۔

ف: سبحان اللہ کیسی معرفت کی بات فرمائی، اللہ تعالیٰ اس کا حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔ آمین (مرتب)

ارشادات عالیہ از مقصد سوم

ذکر کے برکات: اول جب بندہ ذکر الٰہی کو شروع کرتا ہے تو اس کا دل اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اور پھر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

دوم: اللہ تعالیٰ ذکر کی برکت سے ذاکر کو گناہوں سے دور رکھتا ہے۔

سوم: جب بندہ بہت ذکر کرتا ہے، تو حق تعالیٰ کی دوستی کا شرف اس کے دل میں مستحکم ہو جاتا ہے۔

چہارم: جو شخص ذکر الٰہی میں اس دنیائے فانی سے رحلت کر جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر قبر میں اس کا غمخوار ہوتا ہے۔

پنجم: جو شخص اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو یاد کرتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے بندہ کو وہ چیز عنایت کی ہے کہ اگر جبرئیل اور میکائیل کو بھی عطا کرتا تو ایک بڑی نعمت ان کو نصیب ہوتی، وہ یہ ہے "**فاذکرونی اذکرکم**" (یعنی تم مجھ کو یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا)

نقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی اور کہا ''اے موسی! اپنی امت کے گنہ گاروں کو کہہ دیں کہ ہمیں بہت ہی یاد کریں، ہم نے بخشش کو اپنی ذات پر لازم کر رکھا ہے کہ جو ہمیں یاد کرے ہم اسے یاد کرتے ہیں۔

پس اس سے زیادہ سعادت کیا ہوگی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس ذاکر بندہ کو اپنی یاد سے نوازش کرے۔ برخلاف اس کے کہ اس سے بڑھ کر کیا بدبختی ہوگی کہ انسان ان بڑے رتبوں اور بلند درجوں پر پہنچنے کی استعداد کے باوجود پھر بھی اپنی ذات کو ان نعمتوں سے بے نصیب رکھے۔

حدیث شریف میں وارد ہے ''اہل بہشت پر اس سے زیادہ کوئی حسرت نہ ہوگی کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی یاد کے بغیر ایک لحظہ بھی ان پر کیوں گذرا تھا۔

(مقاصد السالکین: ص ر ۱۴۴)

ذکر کی فضیلت: اے عزیز! حضرت رب العزت کی بارگاہ میں سب سے بڑھ کر عمل اور اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ذکر ہے، چنانچہ ہر ایک طبقہ کے مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے طالب کو ابتداء میں ذکر کے سوا اور کسی کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔

اللہ کی یاد سے غفلت ہوشمندی کا کام نہیں: یاد رکھو کہ عمر کی متاع کو بیہودہ کاموں میں لگا دینا، اور حق تعالیٰ کی یاد سے غافل رہنا ہوشمندوں کا کام نہیں ہے، اور بیش قیمت اور لاثانی موتی کو ہاتھ سے دیکر کوڑیوں کو اٹھانا نہ تو ہوشمندوں کا کام ہے نہ عقلمندوں کا طریق۔ ہر ایک عقلمند کو لازم ہے کہ اپنے دل کے گھر کو جو بزرگ اور بلند، اللہ تعالیٰ کی جائے نزول وورود ہے، پاک وصاف

رکھے تاکہ اس شاہنشاہ بے مثل کا اس میں نزول ہو اور ہمیشہ کی دولت اور سعادت اس کو اپنا چہرہ دکھلائے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی سودمند تجارت کی طرف توجہ دلائی ہے جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ اور دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے دلوں کو حقیقی دل بنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

کسی ولی سے ذکر کی اجازت کا فیض: لیکن افضل اور انسب یہی ہے کہ کسی کامل مرد ولی اللہ سے اس ذکر کی اجازت حاصل کرے تاکہ بہت جلد اس کا نتیجہ ظہور میں آئے۔ مثلاً جو درخت باغبان لگاتا ہے اور اس کو پیوند کرتا ہے اور پھر اس کی پرورش کرتا ہے، تو اس درخت کا میوہ نہایت لطیف اور شیریں پیدا ہوتا ہے اور شاہنشاہوں کی نگاہ کے قابل ہوتا ہے۔ لیکن وہ درخت جو خودرو ہوتا ہے، اگرچہ پھل اس میں بھی لگتا ہے، لیکن وہ پھل اس قدر مٹھاس اور لذیذ نہیں ہوتا۔ اسی طرح بزرگوں کی اجازت میں اثر اور تاثیر ہے۔ (مقاصد السالکین: ص/۱۶۴)

ف: سبحان اللہ مثال سے کیسی وضاحت فرمائی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے غیر حق کی درخواست کی، وہ پست ہمت ہے۔ اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو وہ دونوں جہانوں سے اپنا دل پھیر کر ہمہ تن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوجا اور کلمۂ طیبہ کے ذکر میں اپنے تئیں مصروف رکھ۔ ؎

عاشقاں جان ودل نثار کنند بر سر لا الٰہ الا اللہ
افضل و بہتریں ذخر خدا کلمۂ لا الٰہ الا اللہ

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق ہیں وہ اپنے دل وجان کو لا الٰہ الا

اللہ پر قربان کر دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا افضل اور احسن خزانہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے۔(مقاصد السالکین:ص/۱۶۷)

ارشادات عالیہ از مقصد چہارم

اصل علم وہ ہے جو عقلِ معاد کو بڑھائے: اے عزیز! علم اصل وہی ہے کہ معاد کے عقل کی روشنی بڑھائے،اور معاد کی عقل وہ یہ کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے اور آخرت کے کاموں،خدا طلبی کے راستے میں مددگار ہو، اور طریقت کے سالکوں اور حقیقت کے راستے کے طالبوں کے لئے قال وحال کا سرمایہ اور پیرایہ ہو۔یعنی علم کی برکت سے عمل کے لباس سے آراستہ ہو،اور دنیا کی آلائشوں سے آلودہ نہ ہو،اور اپنے سب وقتوں کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت، رضامندی اور حق جوئی میں خرچ کرے،اور اللہ تعالیٰ کی خلقت پر شفیق اور رحم دل ہو اور لوگوں کو محض اللہ تعالیٰ کے واسطے دینی فائدے پہنچائے۔

سچا عالم نائب رسول ہے: اور ایسا سچا اور صاف دل عالم دونوں جہانوں کو فیض پہنچانے والا، سیدھا راستہ دکھانے والا، پیغمبروں کا وارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب، اللہ تعالیٰ کا مقبول ہوتا ہے۔اس کا فیض ایک جہان کو روشن کرتا اور روشنی دیتا ہے۔اس کی ہدایت ایک دنیا کو جہالت کے بھنور سے نکال کر کمال کے درجہ تک پہنچاتی ہے۔اس کے سر پر عزت اور اقبال کا تاج پیدا ہوتا ہے اور سعادت کی خلعت جو اس نے زیب تن کیا، ہویدا ہوتا ہے۔اور ”**نوم العالم عبادۃ**“(عالم کی نیند عبادت ہوتی ہے)اسی کی شان میں بشارت ہے۔ اس کی زبان سعادت کے دروازوں کی چابی ہے۔اس کا کلام سب کا سب فیض

اور برکت ہے ؎

علم آں باشد کہ جاں زندہ کند مرد را باقی و پائندہ کند

ترجمہ: علم وہی ہے جو جان کو زندہ کرے، اور آدمی کو باقی اور قائم رہنے والا بنائے۔

ایسا کامل دیندار عالم جو مذکورہ بالا صفات سے موصوف ہے، اس قابل ہے کہ مخلوق کا پیشوا ہو اور ہدایت کے نور سے دنیا کے لوگوں کو منور کرے، لیکن وہ شخص جو علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنادے اور رتبہ اور شان وشوکت کا طالب ہو اور عزت اور اقبال کا آرزومند ہو اور رات ودن دنیا کی نفسانی لذتوں میں مشغول رہے اور نفس وشیطان کا محکوم اور امرونہی پر چلنا گوارہ نہ کرے، دل کو حرص وہویٰ اور دیگر بری صفتوں سے پاک نہ کرے، نیک عمل اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقل نہ ہو۔ اس میں ضرور علم کی شکل ہے، مگر علوم کی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں فرماتا ہے ”اَلَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَاراً“ (جو لوگ توریت پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے ان کی مثال ہو بہو گدھے کی ہے جس پر بوجھ لدا ہوا ہو۔)

عملی عبادت دو قسم کی ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو قسم پر ہے۔

اول ظاہری عبادت جس کا ظاہری اعضاء کے ساتھ تعلق ہے اور یہ عبادت ظاہری لوگوں کو پہنچتی ہے۔

دوم باطنی عبادت یعنی اپنے نفس کو بداخلاقیوں سے اور دل کو غیر حق تعالیٰ سے پاک کرنا کہ خاص الخاص لوگوں کو عطا ہوا ہے۔ سو جس شخص کے حصہ

میں ازلی سعادت آتی ہے، وہ دونوں کاموں میں بہت سی کوشش کرتا ہے، علم کو عمل کے ساتھ اپنا امام بناتا ہے اور ظاہر و باطن کو جمع کرتا ہے۔ اس لئے کہ علم باعمل ہزاروں نیک بختوں کا سرچشمہ ہے، اور جہالت تمام گمراہیوں اور بدبختیوں کی کان ہے، اس لئے کہ علم آخرت کی عقل اور دین کی فراست سے قوت لیتا ہے، اور جہالت کو ضعف پہنچاتا ہے اور آدمی کو نقص سے ہٹا کر کمال تک پہنچاتا ہے، اور عوام کے مقام سے نکال کر خاصوں کے درجہ تک ممتاز کرتا ہے۔ "**خیر الدنیا والآخرۃ مع العلم وشر الدنیا والآخرۃ مع الجهل**" (دنیا اور آخرت کی بھلائی علم کے ساتھ ہے اور دنیا اور آخرت کہ شر اور برائی جہل کے ساتھ ہے۔

وقت، دل اور زندگی آدمی کی پونجی ہے: حضرت خواجہ عبدانصاری قدس سرہ نے فرمایا کہ وقت، دل اور زندگانی یہ تینوں چیزیں تیری پونجی ہیں، اگر پونجی رائیگاں چلی جائے اور بے محل برباد ہوجائے تو پھر کہاں سے نفع دستیاب ہوسکے گا۔ پس اس خزانہ کو رائیگاں، برباد کردینا پسند نہ کر۔ اگر تو نے ایسا کیا تو مفلس اور خالی ہاتھ خاک تلے جائے گا، اس لئے کہ ہر شخص ہر سانس میں بیش قیمت متاع حاصل کرسکتا ہے اور سعادت کے ابدی خزانوں کی چابی ہاتھ میں لاسکتا ہے۔ (مقاصد السالکین: ص ۱۸۶)

صحبت کی تاثیر: یہ دولت اہل اللہ بزرگواروں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ان کی صحبت میں ایسا اثر ہے کہ انسان کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی دوستی کے شرف سے مشرف کردیتا ہے اور بشری کدورتوں اور نفسانی سیاہیوں کو دور کردیتا ہے۔ جب اولیاء اللہ کے دل پر فیض وارد ہوتا ہے تو تمام اہل مجلس اپنے اپنے اعتقاد کے موافق اس فیض سے حصہ لیتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے

کہ جب تیل کو خوشبودار پھولوں کی صحبت ہوتی ہے تو ان کی سب خوشبو تیل میں آمیزش ہو جاتی ہے اور اس کو اپنی طرح بنا لیتی ہے۔ اسی طرح سے اولیاء اللہ کی صحبت کا اثر ہے کہ ان کا فیض ہم نشینوں کی جان کے مغز کو معطر کرتا ہے اور بری صفتوں کو پسندیدہ صفتوں سے بدل دیتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ نیک ساتھی کی مثال عطار کی طرح ہے کہ اگر وہ اپنے عطر سے کچھ بھی نہ دے، تو بھی اس (عطر) کی خوشبو سے تو حصہ دیتا ہے اور دماغ کو تازہ کرتا ہے، لیکن برے آدمیوں کی صحبت کا ویسا ہی حال ہے، جیسے لوہار کی بھٹی، اگر آگ سے کسی کے ہاتھ، پاؤں، کپڑے وغیرہ نہ جلیں، تو بھی اس کے دھوئیں سے دکھ ہی پہنچتا ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کے باطن سے طالب کو اتنا ہی فیض پہنچتا ہے جس قدر کہ اس بزرگوار کی بزرگی سے شناخت حاصل کی ہو اور اس پر اعتقاد کیا ہو۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا   گو نشیں اندر حضور اولیاء
ہم نشینی مقبلاں خود کیمیا ست   چوں نظر شاں کیمیائے خود کجا ست
چوں شوی دور از حضور اولیاء   درحقیقت گشتۂ دور از خدا

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی صحبت چاہتا ہے، اس کو کہہ دے کہ اولیاء اللہ کے حضور بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبولوں کی ہم نشینی کیمیا ہے۔ بلکہ ان کی نگاہ سے کیمیا کو کیا نسبت ہے؟ جب تو اولیاء اللہ کے حضور سے دور ہو تو درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔ (مقاصد السالکین: ص ر ۱۹۷)

باطنی استعداد ہر شخص کے اندر ودیعت ہے: اے عزیز! اس مطلب کو یقین دل سے جان کہ اس دولت کے حصول کی لیاقت ہر ایک فرد انسانی کو دی گئی

ہے اور یہ سب کمالات بنی نوع انسان میں سے ہر ایک کو بخشے گئے ہیں۔ جیسے کہ بیج کے دانہ میں سبز سبز پتے رنگ برنگ کے پھول، میٹھے اور کھٹے میوے چھپے ہیں۔ جب اس تخم کو زمین میں بوتے، پانی دیتے اور پرورش کرتے ہیں اور اس کی نگہبانی میں کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو جو کچھ اس کی خاصیت ہوتی ہے ظاہر ہوتی ہے۔ پس اسی طرح سے انسان کی ذات میں ہر ایک خاصیت ہے، جو شخص مجاہدہ، ریاضت، ذکر واذکار اور کسب کمالات پر کاربند ہوجاتا ہے تو اس کے اصلی جوہر پھلتے پھولتے ہیں اور جو کچھ اس کی استعداد میں پوشیدہ ہے ظاہر ہوجاتا ہے۔ اور وہ خاصیت یہ ہے کہ آدمی چوپایوں والی صفات سے نکل کر ملکی (فرشتہ) اوصاف تک پہنچ جاتا ہے (اور اس سے بڑھ کر) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی جائے ظہور ہوجاتا ہے۔ پس اگر آدمی اپنی خاصیت کا مظہر نہ ہو، تو حقیقت میں وہ انسان نہیں ہے۔ گو کہ اس میں انسان کی ظاہری صورت وشکل موجود ہے، جیسے زنگ خوردہ لوہا کسی کام میں نہیں آتا اور محض ایک بے فائدہ چیز ہے۔ اور یہ بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ بے فائدہ چیز پر کچھ اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

پس خوب جان اور آگاہ ہوجا اور اس دولت کی قدر پہچان اور کوشش کر کہ غفلت کا پردہ اٹھ جائے، اور تیرا کوئی سانس بھی اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی یاد کے سوا جانے نہ پائے۔ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام محض اسی غرض سے مبعوث ہوئے کہ دنیا کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھائیں اور غفلت کے پردہ سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے لاثانی جمال کا مشتاق بنائیں، کیونکہ تمام کاموں میں سب سے زیادہ خراب کام غفلت اور غافلی ہے، اور تمام قسم کی مفلسیوں کی سرتاج، بے کاری اور

کاہلی ہے۔ جو انسان کو کسب سعادت اور آخرت کے توشے سے بے نصیب رکھتی ہے، اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے غافل کرتی ہے۔

اے عزیز! خطرات کے دروازوں کو بند کرنا اور اپنے تئیں بندگی اور فرمانبرداری کرنا اور تمام عبادتوں اور غیر عبادتوں میں دل کو حاضر کرنا جوانمردوں کا کام ہے۔ چنانچہ جملہ کتب سماویہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی احادیث اور اولیاء اللہ کے ارشادات اور مشائخ کے کلام اس مطلب پر گواہی دے رہے ہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ ہر وقت حضور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت میں مشغول رہے اور کسی گھڑی بھی اس پاک درگاہ سے غافل نہ ہو۔

سب سے عزیز غنیمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی ہے: حضرت ابوسعید خراز قدس سرہ نے کہا: اپنے عزیز وقت میں سے ذرہ برابر سب سے زیادہ عزیز چیز کے سوائے کے لئے ہرگز صرف نہ کر اور سب سے زیادہ عزیز چیز جو بندہ کے لئے ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی ہے۔

ف: سبحان اللہ ذکر الٰہی کی کیسی اہمیت بیان فرمائی جو نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہے۔ واللہ الموفق (مرتب)

ایک بزرگ نے کیا ہی خوب کہا ہے: جو شخص ہر وقت اللہ تعالیٰ کی درگاہ کی دربانی کرتا ہے، یعنی ہر دم حضور دل کے ساتھ حاضر رہتا ہے وہ ایسے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کمال کرم وعنایت سے اس کو اپنی گود میں بیٹھا لیتا ہے۔ مثنوی میں کیا خوب ہے ؎

ترا یک پند بس ہر دو عالم   کہ برناید ز جانت بے خدا دم

اگر تو پاس داری پاس انفاس بسلطانی رسانندت ازیں پاس

ترجمہ: تجھے دونوں جہانوں میں صرف ایک ہی نصیحت کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد کے سوا ایک سانس بھی نہ لے۔ اگر تو ان چند سانسوں کی حفاظت کرے تو اس حفاظت کی بدولت تجھے قضا وقدر بادشاہت تک پہنچا دے گی۔

پست ہمتی اور بلند ہمتی کی شناخت: نقل ہے کہ ایک بزرگ جو طریقت کے آفتاب اور حقیقت کے پیشوا ہیں، فرماتے ہیں: میں نے مکہ معظّمہ میں دو آدمیوں کو دیکھا، ایک تو ان دونوں میں کا بہت ہی پست ہمت تھا، لیکن دوسرا بلند ہمت تھا۔ پست ہمت وہ تھا جس نے طواف گاہ میں کعبہ کی زنجیر کو پکڑے ہوئے تھا اور ایسے مقدس مقام اور عزیز وقت میں حق سبحانہ وتعالیٰ سے غافل تھا اور حق سے غیر حق کا خواستگار تھا۔ اور بلند ہمت وہ نوجوان تھا جس کو میں نے بازار منیٰ میں دیکھا کہ پچاس ہزار اشرفی کا سودا کر رہا تھا اور اس فرصت میں ایک لحظہ بھر بھی اس کا دل حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے غافل نہ تھا۔

یقینا مندرجہ ذیل آیت کریمہ ایسے ہی لوگوں کی شان میں وارد ہے۔ ”رِجَالٌ لَاتُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ“ (ایک جماعت جن کو خرید وفروخت حق سبحانہ وتعالیٰ کی آگاہی سے روک نہیں سکتی نہ غافل ہونے دیتی ہے)

لیکن اس نسبت کے حصول کے لئے پوری طاقت درکار ہے کہ ظاہری شغل باطنی توجہ کو روک نہ سکے۔ اور اس نسبت کی طاقت کہ سالک کا ظاہر تو لوگوں کے ساتھ ہو اور باطن حق سبحانہ وتعالیٰ سے پیوستہ۔ اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ ہر ایک لحظہ ہوشیار اور خبر دار رہے اور اپنے تمام وقتوں میں پاس انفاس کی رعایت

رکھے اور اس بات میں پوری احتیاط عمل میں لائے، یہاں تک کہ لحظہ بھر بھی دوست کا گھر (دل) غیروں کے خیال سے آلودہ ہونے نہ پائے۔ اور کسی وقت بھی دل کی چار دیواری میں غیر اللہ کا گذر نہ ہو سکے۔ جب ایک آن کی آن میں صاف دلی کے ساتھ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس مدعا کا راستہ حاصل ہو جائے تو کسی قسم کی نکوئی اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے شہود سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، بلکہ اس مقام میں قرب ہی قرب ہے۔ (مقاصد السالکین: ص ر ۲۳۶)

ارشادات عالیہ از مقصد پنجم

اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے بہادروں کی طرح، اس راستے میں مضبوط قدم رکھ۔ اور عشق کے درد کا ایک ذرہ اپنے میں پیدا کر، کیونکہ الٰہی درد اور محبت کی چاشنی کا ذرہ بھر بھی ہزار بادشاہی سے بہتر ہے۔ اس لئے اگر درد و محبت کو ساتھ لے کر تھوڑی سی عبادت بھی کی جائے تو وہ ہزاروں طاعات سے افضل اور بڑھ کر ہے۔ جو درد و محبت کے بغیر عبادت کی جائے وہ نتیجہ خیز نہیں ہوتی۔ جس گروہ نے عشق ومحبت کی بدولت مقصود کو تلاش کیا، تو اسی راستہ سے مطلوب حقیقی کا پتہ چلا۔ اور آخر کار بہت ہی جلد اس سے واصل ہوئے۔ وجہ یہ ہے کہ عشق کی گرمی بشری صفتوں اور نفسانی کثافتوں کو اس طرح سے جلاتی ہے جیسے ظاہری آگ خس وخاشاک کو۔

ایک درویش اپنی سرگذشت بیان کرتا ہے کہ ایک رات مجھے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی پاک بارگاہ میں حاضر ہونے کی عزت حاصل ہوئی تو اس بیچوں وبیچگوں ذات عالی نے مجھے خطاب کیا کہ ہمارے درگاہ میں کیا تحفہ لایا ہے۔ اس وقت چند ایک گذشتہ نیک اعمال کا میرے دل میں خیال گذرا۔ تب خفگی آمیز یہ

خطاب ہوا کہ اے بیچارے! یہاں پر جو بزرگ باعظمت اللہ تعالیٰ کی درگاہ ہے، تیرا امیدوں کو ساتھ لانا ہی کافی ہے اور جو کچھ تو نے ذات باری تعالیٰ کے بارے میں سوچا ہے سو اس درگاہ کا تحفہ آہ سرد ہے اور دل پُردرد۔

ف: اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''العجز فخری فرمایا ہے۔ یعنی عجز میرے لئے فخر کی بات ہے۔ (مرتب)

علم سلوک کے ایک رسالہ میں دیکھا گیا ہے کہ لاکھ علم سے ایک ذرہ عمل اور لاکھ عمل سے ذرہ بھر اخلاص، اور لاکھ اخلاص سے ذرہ بھر عشق، اور لاکھ عشق سے ذرہ بھر شوق، اور لاکھ شوق سے ذرہ بھر درد بہتر ہے۔ حقیقت میں عاشقوں کے لئے درد اور محبت الٰہی کے سوا کچھ اور سرمایہ بہتر اور خوشتر نہیں ہے۔ جس میں درد و محبت نہیں ہے، وہ معرفت کی لذت کیا جانے۔ اگر بلا درد و محبت تو لاکھ زہد وعبادت کرے گا تو بھی تجھے مزہ اور حلاوت میسر نہ ہوگی۔ اور اپنے اصلی مقصد تک ہرگز ہرگز رسائی نہ ہوگی۔ (اللہ تعالیٰ حرمان نصیبی سے بچائے۔ آمین)

اے عزیز! اگر عاشق نہ ہوئے تو کسی قسم کی بندگی اللہ تعالیٰ تک راہ نہ پائے گی۔ یہی عشق ہے جس نے محبوب کے چہرے سے برقع اتارا اور حجاب کے پردوں کو درمیان سے ہٹا دیا۔ یہی عشق ہے جو مشتاقوں کی جان کا مونس ہے۔ یہی عشق ہے جو عاشقوں کی متاع ہے، اور سکینوں کے درد دل کی دوا ہے۔ یہی عشق ہے جو دردمند کا زخم ہے، اور زخمیوں کی جان کا مرہم ہے۔ یہی عشق جو سوختہ دل حضرات کے سینے کا سرور، اور بے مرادوں کی مراد کا نور ہے۔

سبحان اللہ! یہ عشق کیسی خوش انگیز اور اعلیٰ شراب ہے کہ ایک ہی پیالہ سے

عاشقوں کو مست بنا دیتی ہے اور اصلی مطلب پر پہنچا دیتی ہے۔

یہ عشق کیا ہی درخشندہ نور ہے کہ عاشقوں کی مجلس کا چراغ ہے اور مشتاقوں کی شام کا سورج۔

یہ عشق کیا ہی خوشبودار ہوا ہے کہ محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کا پیغام لاتی ہے اور دل کی بستہ کلی کو کھلاتی ہے۔ (مقاصد السالکین: ص ۲۴۷)

ف: اب حضرت الشیخ ضیاء اللہ نقشبندیؒ کی دعا ومناجات بحضور قلب ملاحظہ فرمایئے اور خود دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں ان سب ادعیہ کو قبول فرمائے آمین (مرتب)

مناجات

اللهم احرق عوارض قلبی بنار عشقک وتزدد شوقی الی جمالک ومحبتک ونور قلبی بنور معرفتک واقطع حجابا من بینی وبینک یا ذاالجلال والاکرام۔

اے اللہ! میرے دل کے عارضات کو اپنے عشق کی آگ سے جلا دے اور اپنے پاک جمال اور محبت کے شوق کو بڑھا دے، میرے دل کو اپنی معرفت کے نور سے روشن کر، اور میرے اور آپ کے درمیان جو ایک قسم کا پردہ ہے اسے دور فرما دے، اے عظمت اور بزرگی والے۔ ؎

توقع ز اخوان اہل صفا بجز ادعیہ نیست دیگر مرا
ہر آں کس کہ خواند دعائے کند بیامرزد او را خدائے جزا

برادران اہل صفا سے سوائے اس کے اور کچھ امید نہیں کہ میرے حق میں

دعائے خیر فرمائیں گے، اور جو شخص اس کتاب کو پڑھے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے۔آمین ثم آمین

وفات: ہمیں تاحال حضرت خواجہ ضیاء اللہ کا سال وصال معلوم نہیں ہے، آپ کے نامور خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق کی روایت کے مطابق تاریخ وفات ۱۴/ربیع الاول ہے۔لیکن افسوس کہ وہاں سال وفات درج نہیں ہوسکا۔آپ کے خلیفہ شاہ محمد آفاقؒ کا سال ولادت ۱۱۶۰ھ کتب انساب مجددیہ میں درج ہے۔اگر حضرت خواجہ ضیاء اللہ کی عمر بیعت کے وقت بیس سال بھی فرض کی جائے تو خواجہ ضیاء اللہ دہلی میں ۱۱۸۰ھ تک بقید حیات تصور کئے جائیں گے۔قیاس یہی ہے کہ خواجہ کا وصال دہلی میں ہوا اور پھر آپ کی نعش مبارک دہلی سے سرہند لے جاکر روضۂ خواجہ محمد زبیرؒ کے جوار میں دفن کی گئی ہوگی، تاہم اس امر کی قطعی شہادت موجود ہے کہ آپ کا مدفن سرہند شریف ہے۔نوراللہ مرقدہ۔(مقاصد السالکین:ص/۱۴)

خلفاء: حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ کے مریدین وخلفاء کے حالات تو درکنار اسماء تک معلوم نہیں ہیں، مختلف تذکروں کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دہلی میں متعین اور صاحب دعوت وارشاد تھے، حضرت شاہ غلام علی دہلوی بھی ۱۱۷۸ھ کو حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ سے منسلک ہونے سے قبل دہلی میں خواجہ ضیاء اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر فیضیاب ہوئے تھے۔اس طرح حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے ایک اور خلیفہ مولوی قطب الدین بھی حضرت مظہرؒ سے بیعت ہونے سے پہلے خواجہ ضیاء اللہؒ کی خدمت میں نسبت قوی حاصل کرچکے تھے۔(مقدمہ مقاصد السالکین:ص/۱۵)

حضرت شیخ غلام یحییٰ بہاریؒ متوفی ۱۱۸۰ھ

نام ونسب: علامہ غلام یحییٰ بن نجم الدین باڑھوی، بہاری، فنون ومنطق وحکمت میں نامور علماء میں سے تھے۔

ولادت: باڑھ جو بہار کے علاقہ میں ہے اس میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما ہوئی۔

تعلیم وتربیت: پھر تحصیل علم کے لئے سندیلہ پہنچے اور مدرسہ منصوریہ میں درسی کتابیں مولانا باب اللہ جونپوریؒ سے پڑھ کر علم طریقت شیخ بدر عالم ساداموئیؒ سے حاصل کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ شہر میں پڑھانے لگے۔ پھر میر زاہد رسالہ پر باریک بینی سے ایک مکمل حاشیہ لکھا اور اس کا نام ''لواء الہدیٰ فی اللیل والدجیٰ'' رکھا۔ تمام علماء نے قبول کیا بلکہ درسی کتابوں میں شامل کرلیا۔ یہ محترم استاد ایک زمانہ تک لکھنؤ میں پڑھاتے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ پھر دہلی گئے اور جان جاناں علوی دہلویؒ سے طریقہ چشتیہ حاصل کیا۔ ان کے ساتھ مستقل پانچ سال قیام کیا۔ پھر لکھنؤ لوٹ آئے اور شیخ پیر محمد لکھنوی کے قریب ہی مسجد شیخ محمود قلندر کے قریب اقامت اختیار کی۔ (اردو ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج۶/ص۲۷۶)

فضل وکمال: حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ نے ''مقامات مظہری'' میں آپ کے فضل وکمال کا تذکرہ کیا ہے اس کو نقل کرتا ہوں۔

ماشاء اللہ آپ نہایت زیرک عالم اور خوش تقریر فاضل تھے، اعلیٰ صفات

سے متصف تھے۔قرآن مجید حفظ تھا۔ظاہری علم کے درس میں مصروف رہے۔ علم معقول کی کتب پر مفید حواشی لکھے ہیں۔طبیعت رسا اور ذہن انتہائی ذکی تھا۔ طریقہ قادریہ کو اس عالی خاندان کے ایک شیخ سے حاصل کیا۔کئی سال تک باطنی ذکر وشغل میں مصروف رہے اور اپنی زندگی صبر وقناعت کے ساتھ استغناء میں بسر کی،جس سے انھوں نے اپنی اعلیٰ شان اور وجاہت پیدا کی۔

آپ حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی خدمت میں: مرزا صاحب کے کمالات کے شہرہ نے ان کے دل میں جذبہ پیدا کردیا اور صوبہ بہار سے مرزا صاحب کے آستانہ ولایت نشان پر حاضری کے لئے کمر بستہ ہوئے اور آپ کی زیارت کا شرف حاصل کر کے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا۔طریقہ کے مقامات سلوک کی تحصیل پر ہمت صرف کی۔

مقصود عمل ہے کیفیات مقصود نہیں: چھ ماہ تک انہیں کوئی کیفیت محسوس نہ ہوئی۔لیکن باطنی اشغال میں پیش قدم تھے۔کیونکہ اولین توفیق الٰہی تو اس کی یاد ہے اور حالات وکیفیات کا ادراک تو اس دوام شغل باللہ کا ثمرہ ہے جو اپنے وقت پر حاصل ہوتا ہے۔اگر احوال صوفیہ میں سے کوئی چیز دنیا میں نہ مل سکے تو آخرت جو کہ دار جزاء ہے،ان کیفیات عمل اور اخلاص کا ظہور ہوتا ہے۔

تو بندگی چوں گدایاں بشرط مزد مکن | کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

التلذذ بالبکاء ثمن البکائ۔(رونے سے لطف اندوز ہونا ہی رونے کی قیمت ہے۔)

حکمت ومعرفت کے ارشادات

حکمت الٰہی کسی کو تو اذکار کی کیفیات سے محظوظ کرتی ہے تو کسی کو علم کے اسرار سے سرفراز، کسی کو محض اپنی یاد اور اطاعت کی توفیق سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ تینوں درگاہ حق تعالیٰ کے مقبولوں میں سے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ:

مِنَّا مَنْ عَلِمَ وَ مِنَّا مَنْ جَهِلَ۔ (ہم میں سے بعض نے جان لیا اور بعض نے نہ جانا)

جیسے علم اسرار وحقائق اور مشاہدہ تجلیات الٰہیہ کا تفصیلی مشاہدہ شاذ ونادر ہوتا ہے، اسی طرح باطنی حالات کی جہالت بھی بہت کم ہوتی ہے۔ اصل کام تو محبت اور رضائے الٰہی کی توفیق ہے۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی۔ (اے اللہ! ہمیں اپنی پسند اور رضا کی توفیق عطا فرما)

عنایت الٰہی سے ان پر طریقہ کے حالات وکیفیات وارد ہونا شروع ہو گئے، نقشبندی نسبت کے جذبات سے فائز ہونے پر پانچ سال تک آپ کی صحبت شریفہ میں رہ کر کسب فیض کیا۔ تجلی ذات تک سلوک کی دائمی سیر حاصل ہوئی۔ تعلیم طریقہ کی اجازت لے کر سالم اور بامراد اپنے وطن لوٹے۔ انہیں وہاں قبولیت حاصل ہوگئی۔ طالبوں کا ان کی طرف رجوع ہونے لگا۔ ظاہری علم کا درس موقوف کر کے باطنی احوال کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔ تنہائی میں توجہ الی اللہ کا مراقبہ کرتے۔

آپ کی قدر ومنزلت مرزا مظہر جانجاناں صاحب کی نظر میں:

ان کے قادری سلسلہ کے شیخ بیمار ہوئے، ان کے سلب مرض کے لئے توجہ کی تو شیخ کا مرض ان میں منتقل ہوگیا، اور اسی مرض میں انتقال کر گئے۔ اسی وجہ سے آپ (حضرت مظہرؒ) کے دل میں اس کا دکھ اور غم بیٹھ گیا۔ چنانچہ آپ ایک عزیز کو لکھتے ہیں کہ:

مولوی غلام یحییٰ کی رحلت سے جو زخم لگا ہے اس کے لئے مرہم نہیں ہے، ان کی وفات کے جانکاہ واقعہ سے میرے سینے میں آگ سی لگ گئی ہے، اور زہرہ (پتہ) آب (پانی) ہوگیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صبر کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔

مولوی غلام یحییٰ نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر ایک رسالہ لکھا تھا، وہ آپ کی نظر سے بھی گذرا، آپ نے اس کی بڑی تعریف کی۔ آپ (مظہر صاحب) نے اس رسالہ کے ایک ورق پر یہ عبارت لکھی:

نحمد اللہ و نصلی علی رسولہ سرگروہ علماء فحول اور جامع معقول ومنقول سید غلام یحییٰ **اوصلہ اللہ الی ما یتمنی،** جو نسبت اخوت طریقت اس ہیچ مداں یعنی جان جانان سے رکھتے ہیں، (انھوں نے) میرے ایما پر ایک مختصر رسالہ لکھ کر مجھے دکھایا۔ حق بات یہ ہے کہ اختصار کے باوجود انھوں نے پورے موضوع کا احاطہ کرلیا ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، لیکن مسئلہ تطبیق سے الجھنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ مکشوفین کے درمیان تطبیق کا مسئلہ تکلف سے خالی نہیں ہے۔ لیکن اس سے ایک اچھی مصلحت وابستہ ہے۔ **ھی الاصلاح بین الفئتین**

العظیمتین رحم اللہ عبدا انصف ولم یتسف (اس سے دونوں فرقوں کے درمیان مصلحت ہو جائے گی، اللہ رحم کرے اس بندے پر جس نے انصاف کیا اور بے انصافی کو روکا)

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

راقم فقیر (شاہ غلام علی) کہتا ہے کہ ان دونوں مسئلوں پر تطبیق کرنا محال ہے۔ کیونکہ دونوں مسئلے الگ الگ مقام کے مقتضی ہیں، لیکن درحقیقت ان دونوں مشارب میں نزاع نہیں ہے۔ اگر کسی نے طریقہ مجددیہ کی علم ووجدان کے ساتھ سیر کی ہو تو اس پر اس کا مفہوم واضح ہے۔ (مقامات مظہری: ۳۸۴)

وفات: ماہ ذی القعدہ ۱۱۸۰ھ میں لکھنؤ شہر میں وفات پائی، اور شیخ پیر محمد کے قریب ہی دفن کئے گئے، جیسا کہ بحر زخار میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ

(اردو ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج/۶ص/۲۷۶)

حضرت شاہ ظہوراللہ صاحب حیدرآبادیؒ متوفی ۱۱۸۶ھ

فضل وکمال: شاہ ظہوراللہ نام، آپ مشرقی علاقے کے رہنے والے تھے۔ علوم معقول ومنقول میں عالم متبحر وفروع واصول میں فاضل ماہر تھے۔ علم تصوف میں بھی استعداد کامل رکھتے تھے۔ فصوص الحکم ومثنوی شریف کے حافظ تھے۔ آپ شاہ محمد صاحب دہلویؒ کے خلیفہ ومرید تھے۔ اور شاہ صاحب دہلوی شاہ محمد ملتانی قدس سرہ کے خلیفہ ہیں۔ بہادر دل خان ناظم حیدرآباد کے زمانہ میں ہند سے شہر حیدرآباد دکن میں آئے، چہار مینار میں سکونت اختیار کی، ناظم مذکور آپ کا معتقد تھا، اکثر اوقات آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، دعا کی اعانت چاہتا تھا اور دعا سے سرفراز فرماتے تھے، ہمیشہ آپ کی دعا کی برکت سے ہمسروں میں ممتاز اور افسروں میں سرفراز رہا۔

ف: ناظم حیدرآباد کی سعادت تھی کہ حضرت شاہ ظہور اللہ صاحبؒ جیسے عالم فاضل اور بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور ان کی دعاؤں وتوجہات سے شادکام ہی نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق **"نعم الامیر علی باب الفقیر"** کی بشارت سے سرفراز ہوتا تھا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زمانہ کے امراء ووزراء کو توفیق دے کہ اس سعادت سے سرفراز ہوں اور دین ودنیا کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوں۔ (مرتب)

درس وتدریس: شائقین آپ سے مثنوی وکتب تصوف پڑھتے تھے، مثنوی

کے مطالب اور تصوف کے نکات اور دقائق ایسے سہل اور آسان طریقہ سے سمجھاتے تھے کہ قاری وسامع دونوں مستفید ہوجاتے تھے۔

ف: ایسے ہی علماء کو چاہیے کہ دین وطریق کی تعلیمات کو آسان طریقہ سے پیش کریں تاکہ عوام وخواص سبھی قبول کریں اور عمل کریں۔(مرتب)

خوشرو اور متوسط قد، ضعیف البدن تھے، قلیل النوم اور قلیل الغذا تھے، غذا کی تعداد تین چار نوالے سے زیادہ نہ تھی۔اس تقلیل غذا کو بھی کھانے کے دو گھنٹے بعد قے کر کے نکال دیتے تھے۔اس وجہ سے یہ نہایت ہی ضعیف اور نحیف الجثۃ تھے۔جسم کیا تھا پوست واستخواں کا مجموعہ تھا۔گوشت اور خون کا نام ونشان نہیں تھا۔ریاضت وعبادت میں چست وچالاک تھے۔

وفات: آپ کی وفات ۷؍رجب ۱۸۶اھ میں واقع ہوئی۔چوک میں سرراہ قریب چار مینار حیدرآباد مدفون ہوئے۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

(محبوب التواریخ: ج؍۱ص؍۴۷۹)

حضرت شاہ اہل اللہ دہلویؒ متوفی ۱۱۸۷ھ

نام ونسب: نام اہل اللہ، والد کا نام حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب دہلوی ہے۔آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے برادر خورد ہیں۔

فضل وکمال: آپ علماء ربانیین اور عباد صالحین کے ایک فرد ہیں۔آپ نے اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ سے علم دین حاصل کیا، اور علم طب بھی آپ ہی سے حاصل کیا۔

آپ نے متعدد اہم کتابیں تصنیف فرمائیں جو مفید وبصیرت افروز ہیں۔ ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ان میں سے ایک **"مختصر هداية الفقه للمرغيناني"** ہے جس کا اول یہ ہے؛ **الحمد لله الذی فضل العَالِمين على العَالَمين۔**

نیز ان کی مصنفات میں قرآن پاک کی مختصر تفسیر ہے جس کی ابتداء یوں ؛ **اَللّٰہُ اَصْلُہٗ اِلٰہٌ لِلْمَعْبُوْدِ وَھُوَ عَلَمٌ لِذَاتِہٖ تَعَالیٰ۔** (ماخوذ از نزہۃ الخواطر)

نصائح مفیدہ

آپ کا ایک رسالہ ''چہار باب'' بھی ہے جس سے ایک نہایت مفید نصیحت نقل کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں: **نصیحت:**

ہر عملے، ہر فنے، ہر حرفتے کہ خواہند کسب کنند وبیاموزند۔	جو کام کرنا چاہیں کریں، جو علم وفن حاصل کرنا چاہیں حاصل کریں اور جو بھی صنعت

اول ضروریات آں راواجب دانند، اگر بعد تحصیل آں وقت دست دہد، زوائد را کسب کنند۔ وچناں نشود کہ طلب الکل فوت الکل گردد، مثلاً علوم مکتسبہ اول فقہ وحدیث وتفسیر وعقائد وطب خوانند، بعد ازاں بہ حسب استعداد بہ حکمت وفلسفہ ومنطق پردازند۔ وقس علی ذالک۔

(چہار باب:ص/۳۵)

وحرفت سیکھنا چاہیں شوق سے سیکھیں، بس اتنا خیال رہے کہ امور ضروریہ کی تحصیل کو مقدم جانیں، اب اگر ان کے حاصل کرنے کے بعد موقع ملے تب زوائد کو کسب کریں تاکہ ایسا نہ ہو کہ کل کی طلب میں کل ہی فوت ہو جائے، مثلاً جن علوم کی تحصیل کرنا ہے ان میں سے سب سے پہلے فقہ، حدیث، تفسیر اور طب حاصل کریں، پھر اس کے بعد بقدر استعداد اور گنجائش وقت کو دیکھتے ہوئے حکمت وفلسفہ اور منطق وغیرہ میں لگیں اسی طرح اور علوم کو بھی سمجھ لو۔

ف: اس نصیحت کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے ایک مقام پر نقل فرما کر بطور فائدہ یوں ارقام فرمایا:

''دیکھئے! حضرت شاہ صاحب نے کس درجہ طب کی اہمیت کو بیان فرمایا کہ اس کو علوم ضروریہ میں سے شمار فرمایا اور جس طرح کہ علم تفسیر وحدیث اور فقہ کو دیگر علوم پر مقدم کرنے کو فرمایا اسی طرح سے طب کو بھی فلسفہ اور منطق پر مقدم فرمایا ہے''۔

نیز حضرت مولانا شاہ اہل اللہ صاحب دہلویؒ اپنے رسالہ چہار باب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فضیلت تلاوت قرآن وقرأت:

آں نیک ترین عبادت است کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمودہ است کہ از قرآن مجید بخواند ثواب یک حسنہ بیابد، ثواب آں را دہ چند کردہ دہند نہ پندارند کہ الم یک حرف است بلکہ الف یک حرف است ولام یک حرف است ومیم یک حرف است، وفرمود کہ می خوانید قرآن را روز قیامت شفاعت خواہد کرد۔ اصحاب وقاریان خودرا۔

وفرمود کہ روز قیامت خوانندۂ قرآن را بگویند کہ قرآن را بترتیل بخواں ودردرجات بہشت ترقی کن، مکان تو آنجا ست کہ تمام کنی قرأت آں را۔

وفرمود کہ خواندن قرآن شریف بہتر است از تکبیر وتسبیح وصوم

(تلاوت قرآن پاک کی فضیلت) قرآن پاک کی تلاوت عمدہ ترین عبادت ہے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت پر جو ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا کرکے عنایت فرماتے ہیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، اور میم ایک حرف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن شریف پڑھا کرو اس لئے کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔

ترجمہ: اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ قرآن مجید ترتیل کے ساتھ پڑھتے جاؤ اور بہشت کے درجات میں ترقی کرتے جاؤ، جہاں تمہاری قرأت ختم ہوگی وہیں تمہارا مقام ہوگا۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت تکبیر اور تسبیح، صوم وصدقہ سب سے

وصدقہ، پس لازم بر ہر مسلمان	افضل ہے، لہذا ہر مسلمان کے لئے لازم
ست کہ ہر روز قدرے بترتیل	ہے کہ ہر روز کچھ قرآن ترتیل اور تجوید کے
وتجوید بخواند وورد خود گیرد کہ	ساتھ پڑھتا رہے اور اپنا معمول بنالے،
فضیلت آں در احادیث صحاح	کیونکہ اس کی فضیلت حدیثوں میں بکثرت
بسیار وارد شدہ، اگر مطلع باشد	وارد ہے۔ اگر معنی سمجھ سکے اور اس پر مطلع
وبفہمد معانی آں پس بہتر است	ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ تلاوت قرآن پاک
ورنہ در وقت تلاوت ایں قدر داند	کے وقت اس کا استحضار رکھے کہ اللہ تعالیٰ کا
کہ کلام خدا است وآں چہ در آں	کلام ہے، اس میں جن باتوں کا حکم ہے اور
امر ونہی وقصص ذکر کردہ است	جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور جو قصص
راست ودرست ایمان آوردم	وحکایات بیان کئے گئے ہیں سب سچے اور
بداں۔ (چہار باب: ص/۳۰)	درست ہیں، ان سب پر ایمان لاتا ہوں۔

ف: غور فرمایئے کہ اس عبارت سے تلاوت قرآن پاک کی کس قدر فضیلت ثابت ہوئی، اور یہ بھی مسئلہ حضرت شاہ صاحب نے صاف کر دیا کہ بغیر سمجھے بھی تلاوت کرنا مفید اور موجب اجر وثواب ہے، ہاں! اگر فہم کے ساتھ تلاوت ہو تو اس کی فضیلت میں کیا شک ہے؟۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۱۸۷ھ میں ہوئی۔ اور پھلت ضلع مظفر نگر یوپی میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ (نزہۃ الخواطر)

الحمد للہ مجھے آپ کی مزار کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

(مرتب)

حضرت مولانا نور اللہ بڈھانویؒ متوفی ۱۱۸۷ھ

نام ونسب: نام مولانا نور اللہ بڈھانوی، والد کا نام معین الدین صدیقی ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت قصبہ بڈھانہ ضلع مظفرنگر یوپی میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کی نشو ونما بڈھانہ میں ہوئی، وہاں کے علماء کبار میں شمار کئے جاتے ہیں اور محدث کبیر وغیرہ القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ بچپن ہی سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ تحصیل علم ہی کے لئے دہلی کا سفر کیا اور شیخ الکبیر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے، طویل زمانے تک حضرت شاہ صاحبؒ کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت سے مستفیض ہوئے، آپ کا شمار اپنے استاد معظم کی حیات ہی میں اکابر علماء میں ہونے لگا تھا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے آپ سے کتب علم فقہ پڑھیں، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ آپ کے داماد تھے۔ (نزہۃ الخواطر: ج/۶، ص/ ۳۹۴)

حضرت مولانا شاہ عبدالحئی ابن ہبۃ اللہ بڈھانویؒ (رفیق حضرت سید احمد شہیدؒ) مولانا شاہ نور اللہ بڈھانویؒ کے پوتے تھے۔

انہیں کے خلافت نامہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یوں تحریر فرمایا ہے جو ان کے علو مقام پر بین ثبوت ہے۔

وَهُوَ فِيْ ذَالِکَ يُحْسِنُ	اور وہ ان مقامات رفیعہ اور کمالات جلیلہ کے
صُحْبَتِيْ وَيَزْدَادُ کُلَّ حِيْنٍ	حاصل کر لینے کے باوجود میری صحبت کو سب

فِیْ مُحَبَّتِیْ وَکَانَ فِیْمَا اَنْشَدتُّهٗ فِی سَلَفِ الزَّمَانِ هَذانِ الْبَیْتَانِ
لَقَدْ بَلَوتُکَ فِی سِلْمٍ وَفِی عِتَبٍ
فَمَا وَجَدتُّکَ اِلَّا خَالِصَ الذَّهَبِ
وَلَم تُسَمّ بِنُوْرِاللّٰهِ اِلَّالِاَنَّه
عَمَّا قَلِیْلٍ تَکُوْنُ النُّورُفَارْتَقِبِ
فَهَا اَنَااُجِیزُ اَن یُّلَقِّنَ النَّاسَ اَشْغَالَ الصُّوْفِیَةِ کَمَا لَقَّنْتُهٗ وَیَاخُذُ مِنهُمُ الْبَیْعَةَ کَمَا اَخَذْتُهَا مِنْهُ وَیُلْبِسَ الْخِرْقَةَ الصُّوْفِیَةَلِمَنْ وَجَدَہٗ اَهلًالَهَا کَمَا اَلْبَسْتُهٗ اِیَّاهَا۔ یَدَہٗ فِی ذَالِکَ یَدِیْ، لِسَانُهٗ لِسَانِیْ وَقَدْ نَطَقَ بِمِثْلِ هٰذَا مَشَائِخِیْ فِیْ حَقِّیْ وَهٰذَا سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِیْ اُمَرَائِهٖ وَخُلَفَائِهٖ حَیْثُ قَالَ ”طَاعَتُهُمْ طَاعَتِیْ“۔

سے عمدہ سمجھتے ہیں اور میری محبت میں ہر آن ترقی کررہے ہیں، چنانچہ ان کے بارے میں کچھ دنوں پہلے دوشعر کہے تھے: میں نے تم کو صلح اور عتاب ہر حال میں آزمایا تو میں نے تم کو ہر حال میں خالص سونا پایا، اور تمہارا نام نور اسی لئے پڑا ہے کہ عنقریب ہی تم نور ہوجاؤ گے سوانتظار کرو۔ لہذا اب میں ان کو اجازت دیتا ہوں کہ لوگوں کو اشغال صوفیہ کی تلقین کریں جیسا کہ میں نے ان کو تلقین کی اور لوگوں سے اسی طریقہ پر بیعت لیں جیسا کہ میں نے ان سے لیا اور جس کو اہل سمجھیں اس کو صوفیہ کرام کا خرقہ پہنائیں، جیسا کہ میں نے ان کو پہنایا، اور ان سب میں ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے اور ان کی زبان میری زبان ہے، اور یقینا میرے مشائخ نے میرے حق میں اسی قسم کی باتیں فرمائیں ہیں، یہی طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے آپ کے امراء اور خلفاء کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد

فرمایا ''ان کی اطاعت میری اطاعت ہے''۔ (تفہیمات الٰہیہ شاہ ولی اللہؒ)

(تذکرہ مصلح الامت: ص/ ۴۹۰، طبع جدید)

وفات: ۱۱۸۷ھ کے قریب وفات پائی۔ یہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اس خط سے معلوم ہوا جو انھوں نے حضرت سید ابو سعید بن محمد ضیاء حسنی رائے بریلویؒ کو حج سے واپسی کے بعد خبر دی تھی۔ اس میں شیخ نور اللہ کی وفات کی خبر تھی جب کہ سید صاحب ۱۱۸۷ھ میں حرمین گئے اور ۱۱۸۸ھ میں ہندوستان واپس آئے۔

(نزہۃ الخواطر: ج/ ۶ ص/ ۲۹۴)

حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ متوفی ۱۱۸۷ھ

نام ونسب: نام محمد عاشق والد کا نام عبید اللہ بن محمد صدیقی پھلتی ہے۔

آپ کبار مشائخ میں سے تھے، آپ کا نسب حضرت محمد بن ابی بکر صدیقؓ تک اکیس واسطوں سے پہنچتا ہے۔

تعلیم وتربیت: بچپن ہی سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے، اور شیخ اجل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی صحبت اختیار کی، (جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے) ان سے آپ نے علم ومعرفت حاصل کی، اوران کے ساتھ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے، اور اساتذۂ حرمین سے اخذ واستفادہ میں آپ کے ساتھ شریک رہے، جن میں شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنیؒ ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، شیخ ابوطاہر نے ان کو اجازت بھی دی۔

ف: ابھی مکتوبات شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ دو جلدوں میں دستیاب ہوئی جس میں زیادہ تر خطوط حضرت مولانا عاشق پھلتیؒ کے نام ہیں ان کو پڑھ کر ان کی استعداد وکمالات ظاہری وباطنی کا بخوبی علم ہوتا ہے، بلکہ رشک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے فیوض وبرکات اور حالات ومقامات سے ہم سب کو روشناس فرمائے بلکہ اس سے کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین (مرتب)

فضل وکمال: حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اصحاب میں آپ علم ومعرفت کے لحاظ سے سب پر فائق تھے، اس طرح آپ شاہ صاحب دہلویؒ کے محرم اسرار

ہو گئے، جیسا کہ شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے اجازت نامہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''یہ ان (شاہ ولی اللہؒ) کے کمالات کا آئینہ اور خصال جمیلہ کا نمونہ ہیں'' ان کے استاد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

یحدثنی نفسی بانک واصل	الی نقطة قصواء وسط المراکز
وانک فی تیک البلاد مفخم	بکفیک یوما کل شیخ و ناهر

(میرا دل کہتا ہے کہ تم علمی مرکزوں کے مقام بلند پر فائز ہو گے اور ان شہروں میں محترم ہو گے اور چھوٹا بڑا تمہارا تابع ہو گا۔)

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

و ان یک حقا ماعلمت فانه	سیلقی الیک الامر لابد سابغا
سیاتیک امر لایطاق بهاء ه	الی کل سر لامحالة بالغا
وثلج وبرد یجمعان شتاتکم	یزیحان هما فی فوادک لاذعا

(اگر میرا یقین صحیح ہے تو سررشتہ تمہارے ہاتھ آئے گا، اور تمہیں وہ نور حاصل ہوگا جس سے نگاہ خیرہ ہو جائیں گی اور وہ ہر راز کو افشا کر دے گا، اور شرح صدر سے وہ جمعیت خاطر حاصل ہوگی جو تمہارا غم غلط کر دے گی۔)

شرح دعائے اعتصام کی تقریظ میں شاہ صاحبؒ نے لکھا تھا

لیهنک ما اوفیت ذروة حقه	من الفحص والتفتیش والفهم والفکر
و بحثک عن طی العلوم ونشرها	ونظمک اصناف الجواهر والدر
وحفظک للرمز الخفی مکانه	وخوضک بحر ازاخراایما بحر
فلله ماأوتیت من حلل المنی	ولله ما اعطیت من عظم الفخر

(علم وتحقیق اور فکر ونظر کی بلندیوں پر فائز ہونا مبارک ہو، اور علوم کی تحقیق واشاعت اور علم کے ہیرے موتیوں کی تنظیم وترتیب بھی مبارک ہو، نیز رمز مخفی کی حفاظت اور علم وعمل کے بحر زخار کی غواصی وشناوری تمہیں یہ مرادیں اللہ ہی کی طرف سے ملی ہیں، اور مفاخر کا سرمایہ بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے۔)

ان سے شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدینؒ اور سید ابوسعید رائے بریلویؒ اور ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا۔

تصانیف: ان کی کتابوں میں "سبیل الرشاد" فارسی میں تصوف کی ایک مبسوط کتاب ہے، دوسری کتاب "القول الجلی فی مناقب الولی" ان کے شیخ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حالات میں ہے۔ "دعائے اعتصام" حقائق ومعارف میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب کی شرح، ان کی سب سے بڑی کتاب "تبییض المصفیٰ شرح الموطا" ہے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۱۸۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ اللہ واسعہ

(تاریخ دعوت وعزیمت: ج/۵ ص/۳۸۸)

حضرت مولانا قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ متوفی ۱۱۹۱ھ

(مؤلف کشاف اصطلاحات[1] الفنون)

نام ونسب: نام محمد اعلیٰ، والد کا نام علی بن قاضی محمد حامد ابن محمد صابر ہے۔ آپ کا نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت: مغربی یوپی کی ایک قدیم مردم خیز بستی تھانہ بھون (ضلع مظفرنگر) میں غالباً ۱۱۱۸ھ میں پوری آب وتاب کے ساتھ اس دنیائے آب وگل میں رونق افروز ہوئے، اور تاحیات وہیں مقیم رہے، آپ کا تعلق ایک ایسے معزز علمی خانوادے سے ہے جس نے بڑے بڑے علم وفضل کے جیالے پیدا کئے۔

مختصر حالات زندگی: درحقیقت آپ کا خاندان ملک افغانستان سے ہجرت کر کے ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے شہر تھانیسر میں قیام پذیر ہوا، پھر آپ کے اشراف اجداد میں سے قاضی نصر اللہ بن محمد یعقوب قصبۂ تھانہ بھون منتقل ہوئے اور اسی کو اپنا مستقل وطن بنالیا، آپ کے اجداد ہی میں سے ایک قاضی محمد صابر بہت بڑے عالم اور فاضل مؤلف گیارہویں صدی ہجری کے

---

[1] الحمد للہ یہ کتاب محب مکرم مولانا محمد راشد صاحب مہتمم مدرسہ دار العلوم میل کھیڑلا بھرت پور راجستھان کے کتبخانہ میں دستیاب ہوئی، جس سے مسرت ہوئی، کتاب کے شروع میں مولانا نور الحسن صاحب راشد نے بہترین جامع مقدمہ مع تعارف مؤلف تحریر فرمایا ہے، جس کے اقتباسات نقل کئے جارہے ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (قمر الزمان)

معروف ومشہور شخصیات میں سے تھے۔

مغل بادشاہ شاہجہاں نے آپ کو ۱۵۰/ قطعہ زمین جاگیر کے طور پر دی تا کہ آپ ضروریات کی بسہولت تکمیل اور معاشی الجھنوں سے یکسو ہو کر منصب قضاء کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے میں اپنے استقلال و پامردی کا مظاہرہ کر سکیں۔

قاضی محمد صابر کے بیٹے قاضی محمد حامد بھی علوم وفنون کے ماہر اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، آپ کی علمی حیثیت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے ہی آپ کو تھانہ بھون کا قاضی منتخب کیا گیا تھا، یہیں آپ کی نسل بڑھتی رہی اور آپ کے دو ہونہار لڑکے (غلام محی الدین اور شیخ علی) پیدا ہوئے، یہ شیخ علی ہی قاضی محمد اعلیٰ صاحب کے والد بزرگوار ہیں جو کہ علم وفضل، صلاح وتقویٰ، عفت و پاکدامنی اور امانت و دیانت میں منفرد مقام کے حامل تھے۔ شیخ قاضی محمد اعلیٰ نے علوم شرعیہ اور فنون آلیہ اپنے والد محترم شیخ علی سے ہی حاصل کئے، جس کا تذکرہ خود شیخ نے مقدمہ میں ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''جب میں نے استاد والد محترم سے علوم عربیہ وشرعیہ کے حصول سے فراغت حاصل کر لی تو میں علوم طبعیہ، ریاضیہ اور الٰہیہ سے علوم حکمت وفلسفہ کے ذخائر مثلاً علم حساب، علم ہندسہ، علم ہیئت، اور اصطرلاب (تاروں کی معلومات کا آلہ) وغیرہ کو اعلیٰ پیمانے پر حاصل کرنے کے لئے کمر بستہ ہو گیا، اور جب ان علوم کو اساتذہ سے حاصل کرنا بسہولت ممکن نہ ہو سکا تو میں نے اپنے پاس موجود مختصر کتب کے مطالعہ کے لئے وقت کا طویل حصہ لگا دیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ علوم بھی منکشف فرما دیئے۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ نے علوم شرعیہ وآلیہ اپنے والد محترم سے ہی حاصل کئے، اسی بناء پر آپ والد محترم سے استفادہ کرنے، ان کی صحبت

سے مستفید ہونے، اوران کی خدمت کے حریص ودلدادہ تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ علوم وفنون میں مہارت حاصل کر کے اس باب میں اوج ثریا پر پہنچ گئے۔آپ کا چرچا زبان زد خاص وعام ہوگیا،خلق خدا نے آپ سے خوب خوب استفادہ کیا، مرجع خلائق ہوگئے لوگوں نے کہا ہے کہ ریاست قضا آپ پر آ کے ختم ہوگئی۔ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن افسوس کہ اس بات کا کچھ علم نہ ہوسکا کہ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد آپ کا مشغلہ درس وتدریس رہا یا تحقیق وتالیف ہی پر اکتفاء کیا۔

منصب قضاء: آپ کے خانوادے کے علماء تھانہ بھون میں ایک لمبے زمانہ سے بطریق توارث عہدۂ قضا پر فائز چلے آرہے تھے،قاضی محمد اعلیٰ اپنے چچا قاضی غلام محی الدین کے عہد قضا میں نائب قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ چچا جان کی وفات کے بعد آپ کو ہی قاضی منتخب کیا گیا اور تاحیات قریب ۲۵ ر سال تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ بعض مؤرخین نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ آپ مغل بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں عہدۂ قضاء پر فائز رہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ آخری مغل بادشاہوں میں ایک عالمگیر ثانی کے عہد میں تو آپ کو قاضی بنایا گیا اور اس کے بعد شاہ عالم ثانی کے دور حکومت کے ۱۷ ر سال تک قاضی رہے اور اورنگ زیبؒ تو ان سے بہت پہلے کے ہیں۔

بہرحال قاضی محمد اعلیٰ صاحب کثرت عبادت، علمی بحث ومباحثہ، صبر وقناعت، زہد وتقویٰ اور دیانت وامانت میں بہت معروف ومشہور اور فرید عصر تھے۔آپ ملوک وامراء کی مجلسوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔

آپ کے صبر کا ایک سبق آموز واقعہ: اسی عہد قضا کے دوران امیر نجیب الدولہ نے آپ سے ملاقات کا شوق ظاہر کیا جس کے پس منظر میں اس نے دیگر علماء وموظفین سے بڑھ کر آپ کو کچھ ہدایا بھیجے، آپ نے قناعت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے لینے سے علی الرغم انکار کر دیا، امیر غصہ میں لال پیلا ہوا اور بزور طاقت حضرت کی خالص ذاتی جائداد کو ہڑپ کرلیا، لیکن حضرت تو منصب قضاء کی ذمہ داری اجرت وتنخواہ لئے بغیر خالصۃ لرضاء اللہ انجام دیا کرتے تھے اس لئے یہ کہتے ہوئے صبر کا مظاہرہ کیا کہ ؎

راہوں کے اندھیرے تو ابھی اور بڑھیں گے چلنا ہے تجھے تیز قدم جاگتے رہئے

اور امیر کو راضی کرنے کے لئے یا خوشامد کرنے یا اپنی جائداد کو حاصل کرنے کی خاطر کوئی سفارشی تلاش کرنے کے بجائے توکل وانابت الی اللہ میں مشغول ہو گئے، امیر نجیب الدولہ نے جب آپ کے حسن صبر، اعلیٰ درجہ کی استقامت اور ستودہ صفات سیرت کو دیکھا تو بہت متأثر ہوا اور ساری جائداد واپس کرنے کا حکم دے دیا۔

الحمد للہ ہمارے پاس موجود مصادر ووسائل سے طلب علم کے سلسلے میں حضرت کے اسفار اور ہم عصر علماء وفقہاء سے آپ کی تفصیلی ملاقات کا علم تو نہ ہوسکا البتہ بعض ایسی مؤکد خبریں ضرور ہیں جن سے اپنے ہم عصر کبار فقہاء وعلماء اور مشہور محدثین سے علمی مسائل سے متعلق بذریعۂ خط وکتابت ملاقات کا پتہ چلتا ہے انہیں میں سے کچھ علماء یہ ہیں۔

(۱) علامہ قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ متوفی ۱۲۲۵ھ (۲) بحر العلوم

علامہ عبدالعلی فرنگی محلیؒ متوفی ۱۲۲۵ھ (۳) علامہ مجدالدینؒ جو کہ مولانا مدلی شاہ شاہجہاں پوری کے نام سے مشہور تھے۔ متوفی ۱۲۲۸ھ (۴) شیخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ۔

اولاد واحفاد: اپنی محدود معلومات کے مطابق دستیاب شدہ مراجع میں آپ کی ازواج واولاد کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے غالب گمان یہ ہے کہ حضرت بے شادی شدہ رہے اور اپنی پوری زندگی تعلیم و تعلم، تصنیف وتالیف اور علم دین کی نشر واشاعت کے لئے وقف کردی، اور ساری عمر علوم اسلامیہ کی خدمت میں گذاردی اور اس بات کے لئے حد درجہ ساعی رہے کہ علم کی یہ دولت عظیمہ کسی طرح مسلمانوں تک پہنچ جائے، آپ نے اپنی عمر کے کم وبیش ۵۰ رسال علوم اسلامیہ، فتویٰ نویسی، قضاء اور درس وتدریس کی خدمت میں صرف کردیئے۔ اخیر میں قاضی صاحب نے اپنا خاص کتب خانہ اپنے حبیب اور تلمیذ خاص مفتی محمد الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے لئے ہبہ کر دیا تھا، جو کہ اپنے شیخ کی وفات کے وقت نواب ضابطہ خاں مرحوم کی ولایت میں منصب قضاء وافتاء پر فائز تھے۔ مفتی صاحب تھانہ بھون آتے جاتے رہتے تھے اور اکثر اوقات قاضی محمد اعلیٰ اور فاروقی خاندان والوں کے ساتھ نماز میں گذارتے تھے گویا قاضی صاحب کے علوم عالیہ آپ کو میراث میں ملے، قاضی صاحب کا مذکورہ کتب خانہ ایک مدت تک تو آپ کے پاس محفوظ رہا لیکن جب مفتی صاحب نے دیکھا کہ تھانہ بھون میں اس قیمتی کتب خانے کی حفاظت ممکن نہیں تو اس کو اپنے آبائی وطن کاندھلہ منتقل کرلیا جہاں آپ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء بحسن وخوبی اس کی دیکھ ریکھ کرتے رہے اور اس کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑا، یہی

حالات چلتے رہے کہ اچانک ملک کے دوحصوں (ہندوستان و پاکستان) میں تقسیم ہونے کا دلدوز واقعہ پیش آیا جس سے حالات یکسر بدل گئے اور گویا ہم اپنی اس بضاعت حسنہ کو اپنے ہاتھوں سے جاتے ہوئے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر اپنی بے بسی کا اظہار کرتے رہے اور موج وحوادث کے ان تھپیڑوں کے بعد اس کتب خانے کا بھی کچھ پتہ نہ چل سکا۔ واأسفاً لہ۔

تصانیف: آپ کے علوم وفنون میں واسع الاطلاع اور بحر ناپید کنار ہونے کے باوجود زمانہ کی گردش کی وجہ سے اوپر مذکورہ ناکافی حالات سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکی، جس پر ہم شکستہ دل ہوکر نمدیدہ آنکھوں سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ؎

زمانہ کی یہ گردش جاودانہ حقیقت ایک باقی فسانہ
کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا فقط امروز ہے تیرا فسانہ

بہت زیادہ تلاش وجستجو کے بعد ہم آپ کی تصنیف کردہ صرف چھ کتب سے مطلع ہوسکے ہیں۔ (۱) **رسالۃ التکسیر والاوفاق** (۲) **رسالۃ احکام الاراضی** (۳) **قواعد ذوی الارحام** (۴) **حاشیۃ الفتاوی الحمادیۃ** (۵) **مذکرۃ القاضی محمد اعلیٰ** (٦) **کشاف اصطلاحات الفنون**۔ جس میں سب سے مشہور کشاف اصطلاحات الفنون ہے جو اسلام کے عظیم کتب خانوں میں بے نظیر کتاب ہے جس کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

کشاف اصطلاحات الفنون کا تعارف: نابغۂ روزگار عالم ومحقق قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ نے مسلمانوں میں مروج علوم وفنون کی اصطلاحات کی تفہیم وتحقیق اور تعبیر وتشریح کے لئے اس موضوع پر اس وقت تک میسر جامع اور مستند ترین

مآخذ کی مدد سے مسلسل ۲۰؍سال کی طویل اور جانگسل محنت کے بعد ایک جامع مستند اور معتمد ترین کتاب تالیف کی جس کا نام ''کشاف اصطلاحات الفنون'' رکھا، اس عظیم کتاب میں اصطلاحات علوم عربی، صرف ونحو، لغت ومعانی، بیان وبدیع عروض، اصطلاحات علوم شرعیہ ودینیہ، تفسیر، حدیث، اصول فقہ، فقہ، قرأت، فرائض وسلوک، رجال واسناد اور اصطلاحات علوم عقلیہ، منطق وفلسفہ، عدد وہندسہ، ریاضی وطبعیات اور طب وحکمت کی گرہ کشائی کی گئی ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے کتاب دوفنون میں منقسم ہے۔ الفن الاول میں عربی زبان کے الفاظ اور الفن الثانی میں عجمی (فارسی) زبان کے الفاظ پر بحث کی گئی ہے، ترتیب کے لحاظ سے یہ کتاب ابواب اور ان کی ذیلی فصول میں تقسیم کی گئی ہے۔

الفن الاول کے ابواب کی ترتیب کلمہ کے حروف اصلی کے پہلے حرف کے لحاظ سے اور ان کے تحت فصول کی ترتیب کلمہ کے آخری حرف کے لحاظ سے کی گئی ہے، جیسے ''القول'' یہ کلمہ باب القاف اور اس کی فصل اللام میں درج ہے۔

الفن الثانی کے ابواب کی ترتیب کلمہ کے اول حرف کے اعتبار سے اور فصول کی ترتیب کلمہ کے دوسرے حرف کے اعتبار سے کی گئی، جیسے ''بادصبا'' باب الباء اور اس کی فصل الالف میں درج ہے، مؤلف نے کتاب کے شروع میں تمام مدون علوم اور ان سے متعلق مسائل کے بارے میں جامع مقدمہ لکھا ہے جو بجائے خود ایک مفید اور نادر چیز ہے، تقریباً تمام مبصرین اور اہل دانش وحکمت اس بات پر متفق ہیں کہ ''کشاف اصطلاحات الفنون'' اپنے موضوع کی وسعت وجامعیت، علمی گیرائی وگہرائی اور فنی ترتیب کے لحاظ سے منفرد اور مستند ترین مآخذ

ہے۔بعض علماء تو اسے بارہویں صدی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ قرار دیتے ہیں، ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ برصغیر کے ایک مسلمان عالم کی طرف سے علمائے عالم کے لئے ایک بے مثل تحفہ ہے، دنیائے اسلام کے جلیل القدر عالم، ممتاز دانشور اور محقق مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ اسے ہندوستان کی چند منتخب اور نمائندہ کتابوں میں شمار کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد تالیف سے آج تک مسلمانوں میں معمول ومروج علوم وفنون کی اصطلاحات وتعبیرات کی تعریف اور گرہ کشائی کے لئے اکثر علماء اور محققین اسی کی طرف رجوع کرتے آئے ہیں۔

وفات: تقریباً ۷۲؍سال تک اپنی نورانی کرنوں سے اس جہان رنگ وبو کو فیضیاب کرنے کے بعد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی ڈائری میں مذکور قول کے موافق ۱۱۹۱ھ مطابق ۱۷۷۷ء کو یہ روشن چراغ اس جہان رنگ وبو کو داغ فرقت دے گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کو تھانہ بھون میں مسجد پیر کے پہلو میں واقع مقبرہ میں سپرد خاک کیا گیا، حکیم محمد عمر چرتھاولی کے بقول مقبرہ کے آثار مٹ جانے کے باوجود آپ کا مزار الحمدللہ ابھی تک محفوظ ہے۔ آپ کا مزار مسجد کے پہلو میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے رکن جنوبی مشرقی میں واقع ہے۔ **کانہ قطعة من سحاب۔** (گویا بادل کا ایک ٹکڑا ہے)

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو تیرا نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا

(مستفاد از مقدمۂ کشاف اصطلاحات الفنون: مرتبہ مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی)

حضرت سید شاہ محمد عدل رائے بریلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۹۲ھ

نام ونسب: نام سید محمد عدل، لقب شاہ لعل صاحب، والد کا نام سید محمد جیؒ ہے۔ آپ حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے پوتوں میں سب سے ممتاز اور روشن تھے۔

فضل وکمال: اپنے عہد میں راہ سلوک ومعرفت کے قافلہ کے سپہ سالار تھے، نامور مشائخ میں ان کا شمار ہے، اودھ کے اطراف میں متعدد سلسلے اور دینی وعلمی حلقے والوں کا آپ سے بیعت وخلافت کا تعلق ہے، راقم سطور (مولانا محمد حسنیؒ) کے جدامجد مولانا سید عبدالحیٔ حسنیؒ نے اپنے استاد حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ کے وہ الفاظ اپنے قلم سے سیرت علمیہ کے حاشیہ پر لکھے ہیں جو وہ شاہ لعل صاحب کے متعلق فرماتے تھے۔ اس شہادت کی اہمیت کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے جو مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ کے اعتبار علمی ومرتبۂ روحانی سے واقف ہو، وہ لکھتے ہیں۔

استادی مولانا محمد نعیم فرنگی محلی می فرمودند کہ ایں چنیں صاحب ورع وعزیمت وتشرع وتورع وفضل وکمالات واستقامت وکرامات دراں جزء زمان بجز حضرت ایشاں کسے برنخاستہ ہمچو مہر درخشاں بر تافت وعالمے رافیضیاب فرمود۔

میرے استاد مولانا محمد نعیم فرنگی محلی فرمایا کرتے تھے کہ ان جیسا صاحب ورع وعزیمت وتشرع وتورع، صاحب فضل وکمال وکرامت و استقامت اس عہد میں اور کوئی پیدا نہ ہوا۔ مہر درخشاں کی طرح روشن ہوئے اور عالم کو فیضیاب فرمایا۔

تعلیم وتربیت: بچپن سے جوانی تک اپنے والد سید محمد جی کی تربیت وصحبت میں رہے اور بہت تھوڑی مدت میں سلوک کے سارے منازل طے کر کے اپنے والد کے ترجمان وشارح اور حقیقی جانشین بنے، اور اولیاء متقدمین کا نام روشن کیا۔اوائل عمر میں اپنے بڑے بھائی سید محمد حکمؒ سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی، استاد کی شفقت اور بھائی کی محبت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ سید محمد حکمؒ نے خاص ان کے لئے نحو کی ایک کتاب تصنیف فرمائی۔

درسی علوم سے فراغت کے بعد نسبت ومعرفت اور یقین واحسان کی دولت حاصل کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی اور اپنے والد کی رہنمائی وتربیت میں سخت سے سخت مجاہدات سے گزر کر اس ''آب حیات'' تک پہنچے جو ہفت خوان سر کرنے اور نذر جان پیش کرنے کے بعد بھی ملے تو منعم حقیقی کا احسان اور فضل محض ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی　　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

مجاہدانہ زندگی: غریبوں، بیماروں اور کمزوروں کی خدمت اس طرح لگ کر کی کہ ''ابوالمساکین'' لقب پڑ گیا، مولانا سید نعمان (جوان کے خلیفہ بھی ہیں) ان کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: مجاہدانہ زندگی، ریاضت ونفس کشی اور زہد وفیاضی کا یہ عالم تھا کہ اگر بھنا ہوا سالن سامنے آتا تو اس میں پانی ڈال کر زیادہ کر دیتے، کھانا چوتھائی معدہ سے زیادہ نہ کھاتے اور کبھی کبھی اس میں بھی ناغہ کر دیتے، اور باقی کھانا فقراء ومساکین کو عنایت کر دیتے، جاڑوں میں اکثر ایسا کرتے کہ اپنے اوڑھنے بچھانے کا سامان (مثلاً رضائی، لحاف وغیرہ) خانقاہ میں

آنے والے مہمانوں کو دے آتے، اور صبح اندھیرے میں اذان سے پہلے جا کر سب کو بیدار کرتے اور سب سامان لپیٹ اور باندھ کر خاموشی سے اپنے حجرہ میں لے آتے تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے، آخر میں روئی کا سامان یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو استعمال نہ فرمایا تھا، عشق نبوی اور غایت اتباع سنت میں چارپائی کا بھی استعمال ترک کر دیا تھا، اور زمین پر چٹائی یا پیال بچھا کر آرام فرماتے تھے۔

ذوق عبادت اور خشیت وانابت کا وہ حال تھا کہ جس کو سن کر صحابہ کی ایک جھلک نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے، مولانا سید نعمانؒ مؤلف ''اعلام الہدیٰ'' شہادت دیتے ہیں کہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ عشاء کی نماز میں کھڑے ہوئے اور کوئی خاص حالت وکیفیت ایسی طاری ہوئی کہ رات بھر اسی ہیئت پر کھڑے ہو کر سحر کر دی، یہ لکھنے کے بعد مولانا سید نعمان کہتے ہیں کہ ان کی زندگی وہ تھی جو اس شعر میں بیان کی گئی ہے ؎

عاشقی را سہ نشان است اے پسر رنگ زرد و آہ سرد و چشم تر

ترجمہ: عاشقی کے تین نشان ہیں، زرد رنگ، آہ سرد اور تر آنکھ۔

ان کے چہرہ بشرہ سے یہ تینوں کیفیتیں صاف نمایاں تھیں۔ اور بخدا اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہے۔

اودھ کے علاقوں نیز بہرائچ، مانکپور، الہ آباد اور نواح دہلی کے سفر اکثر کرتے اور وہاں کے علماء ومشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے، اولیاء اللہ کے مزارات ومقابر میں بھی تشریف لے جاتے، لیکن اپنے جانے کی

کسی کو اطلاع نہ کرتے تھے، اس کی علامت صرف یہ ہوتی تھی کہ جب جماعت میں حاضر نہ ہوتے تو لوگ کہتے کہ از ما بگریخت (وہ ہم سے بھاگ گئے) اسی طرح برہانپور اور بھوپال کا سفر کیا اور جب وہاں لوگوں کو کسی طرح آمد کی اطلاع ہوگئی اور ہجوم ہوا تو وہ جگہ بھی اسی طرح چھوڑ دی۔

ان حضرات کے اس اخفاء حال اور کم آمیزی کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ وسوانح کی مشہور ومقبول کتاب بحر زخار کے مصنف (جو شاہ لعل صاحب کے معاصر اور عبداللہ خاں مرید شاہ لعل صاحب ومصنف ریاض الاولیاء کے دوست بھی ہیں) بحر زخار میں لکھتے ہیں:

مخفی نہ رہے کہ یہ حضرات کرامات وخوارق کے اظہار میں بہت متامل (غور کرنے والے) اور مستورالاحوال تھے، ان کے خاندان میں ملفوظات ومجالس کا رواج نہیں، کہتے ہیں کہ یہ باتیں ان بزرگوں اور درویشوں کو سزاوار ہیں جنھوں نے واقعی دنیا چھوڑ دی ہے دیانت سے دور ہے کہ ہم اپنے کو بزرگ سمجھ کر ملفوظ سازی کریں۔

آگے لکھتے ہیں:

ان کے حالات میں مولوی عبدالکریمؒ سے دریافت کر کے لکھتا ہوں لیکن ان سب کو جن کا ان اوراق میں تذکرہ کیا ہے محض شریعت کی شمع اور آسمان حقیقت کا آفتاب سمجھنا چاہئے۔

استغناء وبے نیازی: حضرت شاہ لعلؒ کے استغناء وبے نیازی دنیا اور دولت دنیا کی بے وقعتی، اتباع سنت وعزیمت، قبولیت وتاثیر وقوت تسخیر کا اندازہ

ذیل کے اس عجیب واقعہ سے ہوسکتا ہے جو مولانا شاہ محمد ادریس نگرامی مؤلف ’’الاصول الثابتہ للفروع النابتہ‘‘ نے تفصیل سے درج کیا ہے اور ان ہی کے الفاظ میں نقل کیا جارہا ہے۔

’’میں نے اپنے والد ماجد (مولانا شاہ محمد عبدالعلی نگرامی) سے سنا کہ جب شجاع الدولہ رائے بریلی آیا تو اس کو کمال شوق آپ کی قدم بوسی کا ہوا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضور کے بردت (مونچھیں) بڑی ہیں اور حضرت شاہ لعل کے حضور میں جو جاتا ہے اور خلافِ صورتِ پیغمبر ہوتا ہے اس کو ایسا اپنی زور ولایت سے سمجھاتے ہیں کہ وہ خود بخود اپنی صورت موافق شریعت کے کرلیتا ہے، چنانچہ شجاع الدولہ یہ سنتے ہی ساکت ہوگیا، دوجوان افغان جو بڑے زورآور اور دلاور تھے کہہ پڑے کہ کیا مجال ہے اس فقیر کی جو ہمارے بروت (مونچھیں) کاٹ لے، یہ کہہ کر دونوں آپ کے حضور میں حاضر ہوئے، بعد تھوڑی دیر کے آپ نے اس نرمی سے ان دونوں کو فہمائش کی کہ وہ دونوں از خود رفتہ ہوگئے اور عرض کیا کہ جو حضرت فرماتے ہیں بسروچشم منظور ہے، اسی وقت آپ نے اپنے دست مبارک سے دونوں جوانوں کی مونچھیں کاٹ ڈالیں اور موافق شریعت کردیں، وہ دونوں رخصت ہوکر شجاع الدولہ کے پاس گئے تو شجاع الدولہ ان کی شریعت کے مطابق صورت دیکھ کر پوچھنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہوا تم دونوں تو بڑے غرور سے گئے تھے، تب انھوں نے کہا کہ اے سلطان جس وقت حضرت شاہ لعل صاحب نے نصیحت کرنا شروع کی یہ معلوم ہوتا تھا کہ دوشیر اپنے پنجے پھیلائے ہوئے کھڑے ہیں، اگر ذرا سا بھی خلاف حکم کرتے ہیں تو فوراً جان سے مار ڈالیں گے۔ یہ سن کر شجاع

الدولہ نے خوف کھایا اور ملاقات سے محروم رہا۔“

اتباع سنت: شاہ لعل صاحبؒ اتباع سنت میں اپنے آباء واجداد کے نقش قدم پر تھے اور یہی ان کا سب سے بڑا وصف تھا، اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والوں اور ان سے استفادہ باطنی کرنے والوں کو قدرتی طور پر سب سے پہلا پیغام یہی ملتا تھا کہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اور ؎

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا است ۔۔۔ کسے کہ خاک درش نیست خاک برسراو

کاکوری کا مشہور سلسلۂ علیہ قلندریہ جو اپنی وسیع المشربی وروا داری اور جذب وسرمستی کے لئے مشہور ہے اس کے بعض نامور مشائخ کے حالات زندگی اور سوانحی واقعات میں ہمیں اس جگہ وہ رنگ صاف نظر آتا ہے جہاں خانوادہ علم اللٰہی کا اس کے ساتھ پیوند ہوا ہے اور دونوں سلسلے کسی ایک شخصیت میں جمع ہوگئے ہیں گویا ایک نور مستطیل ہے کہ جدھر سے گزرتا ہے اپنی روشنی چھوڑ جاتا ہے۔

حضرت شاہ محمد کاظم علی قلندرؒ کو جو اس سلسلہ کے بہت عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں شاہ لعل صاحب اور اس کے بعد شاہ ابوسعید صاحبؒ (نبیرۂ سید آیت اللہ بن سید علم اللہؒ) سے اجازت حاصل تھی، اور شاید یہی وجہ ہے کہ اپنے خاندان اور سلسلہ کے بعض مروجہ رسوم وروایات کے خلاف انھوں نے اپنے فرزند ارجمند شاہ تراب علی قلندرؒ کی تعلیم وتربیت میں ان خلاف شرع خلاف سنت اعمال کی سختی سے مخالفت کی جن کو اس عہد میں اور بعض سلسلوں اور خانوادوں میں

معیوب وقبیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔

بہارستان ''تراب'' کے مصنف نے شاہ تراب علی قلندرؒ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کی جو ابتدائی حالات قلمبند کئے ہیں اس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

والد ماجد (یعنی شاہ کاظم علی قلندرؒ) دنیائے دنی کی حقارت نور بصر کے دل میں راسخ کرتے، مرغن غذا، نفیس پوشاک اور اخلاق ذمیمہ سے منع فرماتے تھے، مستورات نے منت کے لئے سر پر گیسور کھوائے تو ان کو منڈوانے کا حکم دیا، سرخ رنگ کی نعلین باناتی پہن کر حاضر ہوئے تو اس رنگ کو خلاف شرع اور مکروہ بتایا۔

آگے لکھتے ہیں:

مسائل فقہ پر عبور کے بعد کتب تصوف کا درس دیا آداب مجلس سکھائے اور حکم دیا کہ بجائے بندگی وآداب کے ہر شخص سے السلام علیکم کہا کرو۔

صاحبزادے سے اپنے مریدین کی خدمت کراتے تھے، ''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد'' کبھی کبھی دالان میں جاروب کشی پر مجبور کرتے اور ہر نوع سے بندگی وانکساری کا خوگر بناتے تھے۔

فرنگی محل کے ایک ممتاز عالم مولانا ازہار الحقؒ بھی جو مولانا انوار الحقؒ کے حقیقی بھائی، مولانا بحر العلوم کے داماد اور مولانا محمد مبینؒ کے چچا تھے، سید شاہ لعل صاحبؒ سے بیعت وخلافت کا تعلق رکھتے تھے۔

مولانا بحر العلومؒ بھی بہار جاتے ہوئے ایک مرتبہ سید شاہ لعل صاحب کی خانقاہ سے گزرے تھے اور مولانا ازہار الحقؒ کو اپنے ساتھ بہار لے گئے تھے۔

مولانا ازہار الحقؒ مدتوں سید شاہ لعل صاحبؒ کی صحبت وتربیت میں رہے اور

مراتب عالیہ تک پہنچے، مولانا ولی اللہ فرنگی محلیؒ نے اپنی کتاب ''الاغصان الاربعہ'' میں مولانا ازہار الحق کے حالات زندگی لکھتے ہوئے سید شاہ لعل صاحب کی خدمت میں ان کی حاضری کا ذکر کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

شاہ لعل مرحوم کہ دراں زمان
زندہ بود اوراغنیمت شمردہ بخانہ
خود جائے داد و بخدمت اوطلبہ علم
برائے تدریس رونہادند در مسجد
شاہ مذکور درس طلبہ علم می داد
واستفادات باطنی از خدمت شاہ
مذکور می گرفت تا آنکہ در عقد
بیعت اودرآمد وذکروفکر برطریقہ
نقشبندیہ از او آموخت ومراقبہ
وحبس دم دراشغال شعارآثار خود
نمود، مدتہا آنجا بود ودرمابین
یک بار بوطن بازگشت وچندے
ماندہ وباز راہی آں طرف شد
وبرادر زادگان خود مسمی نورالحق
وعلاءالدین برائے تحصیل علم نیز
ہمراہ خود برد۔

شاہ لعل صاحب مرحوم نے جو اس زمانہ
میں حیات تھے ان کو غنیمت اور جوہر
کمال سمجھا اور اپنے گھر میں انکو جگہ دی
اور ان کی خدمت میں طلبہ تحصیل علوم
کیلئے حاضر ہونے لگے، اور شاہ مذکور کی
مسجد میں انھوں نے درس دینا شروع کیا
اسی کے ساتھ شاہ صاحب سے استفادۂ
باطنی بھی کرتے رہے یہاں تک کہ ان
سے بیعت کرلی اور طریقہ نقشبندیہ کے
مطابق ان سے ذکر وفکر سیکھا اور مراقبہ
وحبس دم اور اسی طرح کے اشغال میں
پوری توجہ سے منہمک اور مشغول ہوگئے،
مدتوں وہاں قیام کیا اور اس درمیان میں
صرف ایک بار وطن مراجعت کی اور تھوڑا
عرصہ رہ کر پھر شاہ صاحب کے پاس
واپس گئے اور اس بار اپنے صاحبزادوں

نورالحق وعلاء الدین کو بھی تحصیل علم کے
لئے اپنے ساتھ لیتے گئے۔

ف: ماشاء اللہ اولاد کی تعلیم وتربیت کا کس قدر اہتمام تھا جو سب کو لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہے۔(مرتب)

خلوت وجلوت میں یکسانیت: لیکن سید شاہ لعل صاحب کی زندگی میں وہ سب سے اہم بات جس نے راقم سطور (مولانا محمد حسنیؒ) کے دل میں ان کی عظمت کا نقش قائم کردیا اور جس کو جان سخن کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ سید عبدالکریم چوراسی جو خود بڑے کامل اور فرد زمانہ تھے سید لعل صاحب کا شہرہ وآوازہ سن کر ان کے یہاں حاضر ہوئے اور امتحاناً اپنے گھر والوں اہلیہ وغیرہ کو ان کے گھر بھیج دیا اور خود دیکھنے کے لئے کہ خلاف سنت وشریعت تو کوئی عمل سرزد نہیں ہوتا باہر رہے اور دونوں ایک طویل عرصہ تک اس کا جائزہ لینے کے بعد آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے ظاہر وباطن اور خلوت وجلوت میں کوئی فرق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بات کا کہنا جتنا آسان ہے اس پر عمل کرنا اتنا ہی دشوار ہے، بڑے سے بڑے انسان کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں کہ اس کو عزیمت کا دامن چھوڑ کر رخصت کا سہارا لینا پڑتا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کچھ بیرون میں ہو وہی اندرون خانہ بھی نظر آئے۔

مولانا محمد ادریس نگرامی نے ''الاصول الثابتۃ'' میں سید شاہ عبدالکریم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ واقعہ بھی لکھا ہے جو ان ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

’’آپ کو (یعنی شاہ عبدالکریم) اس قدر تورع تھا کہ آپ مدت تک کسی کے مرید نہیں ہوئے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ مرید ایسے شخص کا ہونا چاہئے جو اندر باہر اور ظاہر و باطن میں پابند شریعت ہو، جب آوازہ ولایت حضرت شاہ لعل صاحب کا آپ نے سنا تو واسطے تحقیق حال کے مع اپنی زوجہ کے عازم رائے بریلی ہوئے اور ایک سال تک اندر آپ کی زوجہ اور باہر آپ خود جویاں اس امر کے رہے کہ کسی طرح سے کوئی امر اندر یا باہر خلاف شریعت تو نہیں ہوتا، جب آپ نے ایک سال قیام فرما کر اپنے مقصد قلبی کو پورا پایا تب آپ نے خواستگاری بیعت کی۔ چنانچہ حضرت شاہ لعل صاحب بہت خوش ہوئے اور بیعت کر کے خلافت سے مشرف فرمایا۔‘‘

سید لعل صاحبؒ کے خلفاء ومجازین میں مولانا ازہار الحق فرنگی محلیؒ، مولانا محمد کاظم قلندر کاکوریؒ، مولانا ذوالفقار علی دیویؒ تلمیذ حضرت بحر العلومؒ ومولانا عبدالکریم چوراسیؒ مرشد قاضی مولانا عبدالکریم نگرامیؒ، مولانا محمد یحییٰ جائسیؒ اور اعلام الہدیٰ کے مصنف مولانا سید محمد نعمانؒ اور عبداللہ خانؒ مصنف ریاض الاولیاء قابل ذکر ہیں۔

وفات: ۸۵؍سال کی عمر میں ۱۱؍رمضان المبارک ۱۱۹۲ھ کو وفات پا کر حیات جاوید حاصل کی اور روضۂ سید شاہ علم اللہ میں مدفون ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ

(تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہؒ: ص؍۱۷۶)

حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ متوفی ۱۱۹۳ھ

نام ونسب: نام ابوسعید، والد کا نام محمد ضیاء ابن حضرت آیت اللہؒ ہے۔آپ حضرت شیخ اجل علم اللہ نقشبندی رائے بریلویؒ کے پر پوتے ہیں اور آپ حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی نانا ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت رائے بریلی یوپی میں ہوئی۔اور وہیں نشوونما ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ملا عبداللہ امیٹھویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر اپنے چچا محترم سید محمد صابرؒ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی، اپنے آباء کرام کی نسبت اپنے والد کے خلیفہ شاہ محمد یونسؒ سے حاصل کی، پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، سلوک کی تکمیل اور بشارت عظیمہ سے ممتاز ہوئے، حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ اجل حضرت شاہ محمد عاشق صاحب پھلتیؒ سے استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی۔

فضل وکمال: آپ کی نسبت بہت قوی اور آپ کی صحبت بڑی مؤثر تھی، آپ کے ذوق وکمالات اور معارف کا اندازہ اس خط وکتابت سے ہوتا ہے جو آپ کے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے درمیان ہوئی، اور آپ کی عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو شاہ اہل اللہ (برادر حضرت شاہ ولی اللہؒ) مولانا نور اللہؒ، حضرت شاہ محمد عاشقؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے نام بھیجے۔

آپ کی قدر ومنزلت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی نظر میں: سید شاہ

ابوسعیدؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مخصوص لوگوں میں تھے، شاہ صاحبؒ کے علوم وکمالات سے جن خوش قسمت افراد نے شاہ صاحب کی زندگی میں استفادہ کیا اور آپ کو پہچانا ان کے پہلے طبقے میں سید شاہ ابوسعیدؒ کا شمار ہے، اس خصوصیت وتعلق کا اظہار ان حضرات کے خطوط کی ایک ایک سطر سے ہوتا ہے، مولانا سید نعمانؒ نے سید شاہ ابوسعیدؒ کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات کے بعد جو خط شاہ صاحبؒ کے سانحۂ وفات کی اطلاع کے لئے لکھا ہے، اس میں فرماتے ہیں:

الحمدللہ رضامندی حضرت صاحب قدس سرہ! ازاں صاحب وتوجہات عالیات بر حال ایشاں زیادہ از حدِّ بیان یافتہ اکثر اوقات استفسار احوال سامی فرمودند وماجرائے غارت گری ابدالیان ورسیدنِ آں صاحب در عین استخیز وانطفا یافتن التہاب نہیب بسبب قدوم گرامی اززباں درفشاں مودی ساختند [1] وشاید منظور لقائے آخریں بضمیر منیر بودہ باشد، مرۃ فرمودند کہ میر ابوسعید ارادۂ آمدن دارند، اگر زود برسند بہتر باشد۔ (مجموعہ مآثر الابرار قلمی)

بحمداللہ، حضرت مرحوم کی جناب سے رضامندی اور آپ کے حال پر آنجناب کی توجہات عالیات میں نے جتنی پائیں، وہ بیان میں نہیں آسکتیں، اکثر اوقات جناب کے حالات دریافت فرماتے، ابدالیوں کی غارت گری کا واقعہ، آپ کا عین ہنگامے میں پہنچ جانا، لوٹ مار کی آگ کا فرو ہوجانا، زبان مبارک سے ارشاد فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو آپ سے آخری ملاقات کا خیال تھا، ایک مرتبہ فرمایا سید ابوسعید آنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر جلد پہنچ جائیں تو بہتر ہے۔

---

[1] جس واقعے کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

استغناء: سید شاہ ابوسعید جود وسخاوت، مہمان وغرباء پروری میں اپنے زمانے میں ممتاز تھے، ایک مرتبہ ایک لاکھ روپیہ آیا، گھر کے باہر رکھ دیا اور وہیں سے ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیا، مدراس اور چینا پٹن میں آپ کا بڑا اثر اور مقبولیت تھی۔

آپ کے خلفائؒ: میر عبدالسلام بدخشانیؒ، شیخ محمد میر داد قاری مکیؒ، مولانا جمال الدین بن حمد صدیق قطبؒ، مولانا عبدالقادر آفندیؒ، شیخ عبداللطیف حسینی مصریؒ، حاجی امین الدین کاکورویؒ اور عبدالقادر خالص پوریؒ آپ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ (تذکرۃ الابرار، سیرۃ السادات، نزہۃ الخواطر)

شاہ ابوسعیدؒ نے سید شاہ ابواللیثؒ اور سید محمد احسنؒ دو فرزند چھوڑے۔

آپ کے نام مشائخ کے مکتوبات

اب ہم تذکرہ حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ (مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہیؒ) سے آپ کے بعض معاصر علماء ومشائخ کے چند مکتوبات درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جن کے مطالعہ سے حضرت شاہ ابوسعید کی رفعت شان اور علو مرتبت کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا۔

چونکہ مکتوبات عربی یا فارسی میں ہیں اور دریں زمانہ اس کے سمجھنے والے کم ہیں اس لئے ہم صرف ان کے اردو ترجمہ کے نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مکتوب: منجانب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ

حقائق ومعارف آگاہ، سیادت ونجابت دستگاہ، میر سید ابوسعید سلمہم اللہ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے بعد سلام محبت التزام مطالعہ فرمائیں۔ طرفین کی

خیر وعافیت پر اللہ رب العالمین کی حمد ہے، آپ کا نامۂ مشکیں شمامہ جو بعض مشاہدات متعلقہ بلطیفۂ خفیہ واخفیٰ کے بارے میں لکھا تھا، پہنچا۔ شکر الٰہی ادا کیا گیا۔ یہ راستہ جس پر آپ چل رہے ہیں وہ صراط مستقیم ہے جس پر اکابر اہل عرفاں گامزن ہوئے ہیں، کسی قسم کا دغدغہ (خوف وخدشہ) آپ کے دل میں نہیں ہونا چاہئے، حاصل کلام یہ ہے کہ حصول پر جان ودل سے شکر کریں اور مزید نعمت کی توقع رکھیں اور نور محمدی صلی اللہ علیٰ صاحبہ وسلم جو دیکھا ہے وہ بھی نسبتِ اویسیہ کا ظہور ہے۔ پہلے سے اس نسبت کی آرزو رکھتے تھے، الحمد للہ کہ اب حاصل ہوگئی۔ دل کی گھبراہٹ کے دفع کرنے کے لئے **یَا حَمِیْدُ** پڑھنا مفید ہوگا۔ ایک ہزار مرتبہ۔ خواہ متفرق پانچوں نمازوں کے اوقات میں خواہ ایک جگہ۔ وجہ معاش اور آسودگی کے بارے میں متفکر نہ ہوں جو صورت گزر رہی ہے وہ عین حکمت الٰہی ہے اور آپ کے حق میں نافع ہے۔ اگرچہ بالفعل اس کی نافعیت معلوم نہ ہو بالآخر اس کا نافع ہونا واضح ہوجائے گا۔ والسلام فقیر کے لڑکے اور ان کی والدہ سلام کہتے ہیں اور دعائے خیر کے متوقع ہیں اس لئے کہ برادر غائب کے حق میں دعائے مومن مستجاب ہوتی ہے۔ (تذکرہ حضرت شاہ ابوسعیدؒ: ص/۱۹)

مکتوب: منجانب حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ

حقائق ومعارف آگاہ، فضیلت وکمالات دستگاہ سیدنا سید ابوسعید صاحب سلمہم اللہ وابقاہم کی خدمت میں فقیر اہل اللہ کی طرف سے بعد از سلام نیاز عرض ہے کہ خط بہجت نمط پہنچا۔ از راہ مہربانی وشفقت، جو کہ اس فقیر پر مبذول فرماتے رہتے ہیں، جو کچھ ظاہری وباطنی عنایات وتوجہات آپ نے کی اس کا

شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے، اللہ تعالیٰ آپ کو کہ آپ اس کی مرضیات میں اپنی جان کو خرچ کرنے والے ہیں، ترقیات دارین اور کمالات کونین نصیب فرمائے، آپ نے جس طرح اس نیاز مند کو فکر معاش سے نجات دی اللہ جل شانہ آپ کو بھی دین و دنیا کی جمیع حاجات سے بے فکر فرمائے۔ آمین

مکتوب: منجانب مولانا نور اللہ بڑھانویؒ

مجمع حمائد و فضائل، مکرمی مہربان میر سید ابوسعید صاحب سلمہ اللہ! اس فقیر نور اللہ کی طرف سے بعد سلام مطالعہ فرمائیں کہ الطاف نامہ موصول ہوا، مسرت بخشی، بزرگوں کی یاد آوری بشارتِ سعادت ہوتی ہے، الحمد للہ علی ذالک۔ اکثر اوقات آپ کے اخلاق و اشفاق کے ذکر میں رطب اللسان رہتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو جمعیت ظاہری و باطنی کے ساتھ محفوظ رکھے اور اپنی نامرضیات سے محفوظ۔ آپ کی تشریف آوری کے قصد کا مژدہ پڑھ کر اشتیاق دوبالا ہوگیا، اللہ تعالیٰ جلد بوجہ احسن مشتاقوں کو ملاقات گرامی سے سعادت افروز فرمائے۔ بالجملہ فقیر دعائے خیر میں مشغول ہے۔ ''اِنَّهٗ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ'' اور اس شخص کا نام جو میرے اقرباء میں سے ہے محمد راجی ہے اگر وہاں ہو تو اپنے پاس بلا کر فرمائیں کہ (کم از کم) اپنی خیریت تو لکھ کر بھیج دے۔ عطاء اللہ مع برادران قاضی صاحب اور میاں سراج الدین نیز دیگر اعزہ سلام عرض کرتے ہیں۔

(تذکرہ حضرت شاہ ابوسعیدؒ)

ف: ان حضرات کے علاوہ شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ محمد عاشق صاحب پھلتیؒ وغیرہم کے مکتوبات بھی مندرج ہیں تاہم ہم نے اختصار کے تحت سب کو نقل نہ کیا،

مگر ان کا مطالعہ ضرور کیا، جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان حضرات میں باوجود معاصرت کے باہم بیحد محبت والفت تھی اور ایک دوسرے کے کمالات ظاہری وباطنی کا بلاتکلف اعتراف فرماتے تھے، جو ان کی للّٰہیت پر بین ثبوت ہے، یقینا اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ حضرات اس معاملہ میں قابل تقلید واقتداء ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔ (مرتب)

وفات: ۹؍رمضان المبارک ۱۱۹۳ھ کو رائے بریلی میں وفات ہوئی، اور وہیں سپرد خاک ہوئے نوراللہ مرقدہ۔ (تذکرہ حضرت شاہ ابوسعیدؒ)

حضرت شاہ مرزا مظہر جانجاناں دہلویؒ متوفی ۱۱۹۵ھ

نام ونسب: نام جان جاں، تخلص مظہر، لقب شمس الدین اور حبیب اللہ، والد کا نام مرزا جان ہے، اسی مناسبت سے حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے آپ کا نام جانِ جاں رکھا، کیونکہ بیٹا باپ کا جان ہوا کرتا ہے۔ آپ کا نسب بواسطہ محمد بن حنفیہؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔

آثار رشد وہدایت ناصیۂ مبارک سے ظاہر تھے، اور عشق کی خمیر آپ کی طینت وفطرت میں شامل تھی۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۱/رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ بروز جمعہ بوقت صبح بعہد شاہ ہند اورنگ زیب ہوئی۔

تعلیم: مرزا صاحب کے والد نے بچپن ہی سے ان کی تعلیم کا بہت اہتمام کیا تھا۔ مختلف فنون حاصل کرنے کے لئے تقسیم اوقات کی تاکید کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ زندگی اور وقت کا بدل نہیں۔ مرزا جانجاناں نے رحلت کے وقت اپنے عزیز بیٹے کو وصیت کی تھی کہ کسب کمال میں اپنا وقت صرف کرنا۔ غیر ضروری اشغال میں اپنی زندگی خراب نہ کرنا۔

ف: سبحان اللہ کیسی نافع نصیحت فرمائی جو ہر اولاد کو پیش نظر رکھنے چاہئے۔ (مرتب)

مرزا صاحب بہت کم عمر تھے جب ہی سے والد نے ان کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع کردیا۔ مرزا صاحب نے رسائل فارسی محاورہ اپنے والد سے پڑھے

تھے۔ دیگر علوم قرآن پاک، تجوید وقرأت کی سند دوسرے علماء سے حاصل فرمایا۔

علم باطنی: مرزا صاحب نے ایک ایسے ماحول میں ہوش سنبھالا جس میں ظاہر سے زیادہ باطن پر زور تھا۔ جس میں مادی عیش وعشرت اور جاہ ومنصب کے مقابلہ میں صبر وقناعت، تسلیم ورضا، خود اعتمادی اور بلند کرداری کو ترجیح دی جاتی تھی۔ مرزا صاحب کے والد نے ان کی تعلیم وتربیت اس انداز سے کی تھی کہ وہ امیری اختیار کرتے یا درویشی، دونوں ہی صورتوں میں انھیں تمام ضروری علوم وفنون پر قدرت حاصل تھی۔ اگرچہ والد کی خواہش تھی کہ مرزا صاحب فقر ودرویشی کا راستہ اختیار کریں۔ اسی لئے وہ مرزا صاحب کو اپنے پیر ومرشد حضرت شاہ عبدالرحمٰن قادریؒ کے پاس بھی لے جایا کرتے تھے۔ اگرچہ والد کی وفات تک مرزا صاحب کا تصوف کی طرف خاص رجحان نہیں تھا، لیکن بچپن ہی سے وہ اتباع کتاب وسنت میں بہت سخت تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنے والد کے ساتھ شاہ عبدالرحمٰن قادریؒ کی خدمت میں حاضر تھے، اتفاق سے سکر وسماع کی حالت میں شاہ صاحب عصر اور مغرب کی نماز نہیں پڑھ سکے۔ مرزا صاحب نے یہ حالت دیکھ کر دل میں فیصلہ کرلیا کہ اگر والد صاحب نے ان کے ہاتھ پر بیعت ہونے کو کہا تو وہ انکار کردیں گے۔ مگر خیریت گزری والد محترم نے کچھ نہیں کہا۔

مرزا صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں کہ والد کا انتقال ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۸ء میں ہوا۔ اور میں سولہ سال کی عمر میں یتیم ہوگیا۔

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے والد کی وفات کے بعد چار سال طلب دنیا میں گزارے۔ اسی مدت میں مرزا صاحب کے خیر خواہوں نے کوشش

کی کہ شاہی دربار میں ان کا موروثی منصب مل جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ کچھ لوگ انھیں فرخ سیر کے پاس لے گئے۔ اتفاق سے اس دن فرخ سیر کوز کام ہو گیا اور وہ دربار میں نہیں آیا۔ مرزا صاحب مایوس لوٹ آئے۔ رات کو انھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بزرگ کے مزار پر گئے ہیں۔ صاحب مزار قبر سے باہر آئے اور اپنی ٹوپی ان کے سر پر رکھ دی۔ وہ بزرگ حضرت خواجہ قطب الدینؒ تھے۔ اس خواب کے بعد مرزا صاحب کے دل سے حب جاہ و منصب جاتی رہی۔

حضرت نور محمد بدایونیؒ سے بیعت: والد کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد مرزا صاحب کو بزرگوں سے نیاز حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اس زمانے میں شیخ کلیم اللہ چشتیؒ، شاہ غلام محمد موحدؒ، میر ہاشم جالیسریؒ وغیرہم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک دن کسی نے حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کا ذکر اس انداز میں کیا کہ مرزا صاحب کے دل میں ان سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ مرزا صاحب ان بزرگ کا ذکر سن کر اتنے متأثر ہوئے کہ فوراً ملاقات کے لئے روانہ ہو گئے، اور جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔ حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ان کے ہاتھ پر بیعت ہونے آتا تو پہلے اس شخص کی صلاحیتوں کا اندازہ کرتے اور پھر استخارہ کرتے۔ اگر استخارہ حق میں ہوتا تو مرید کرتے ورنہ انکار کر دیتے۔ لیکن مرزا صاحب کی صلاحیت اور استعداد سے متأثر ہو کر انھوں نے مرزا صاحب کو فوراً اپنا مرید بنالیا۔

چار سال پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر انھیں ولایت کبریٰ و خرقہ و اجازت اور خلافت حاصل ہو گئی۔ اور ۱۱۳۵ھ میں حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کا

انتقال ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

پھر انھوں نے حضرت جیوؒ سے حدیث پڑھی۔ جب حضرت جیوؒ کا انتقال ہو گیا تو مرزا صاحب حضرت شاہ گلشنؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے انھیں حضرت محمد زبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مرزا صاحب حضرت زبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ تم سید نور محمد بدایونیؒ سے نسبت صحیحہ حاصل کر چکے ہو تمہارے لئے وہی کافی ہے۔ مگر طالب صادق کو کہاں قرار، اس کے باوجود مرزا صاحب حضرت سید حافظ سعد اللہؒ کی خدمت میں پہنچے۔ ۱۱۵۲ھ میں حافظ صاحبؒ کا انتقال ہو گیا تو مرزا صاحب حضرت شیخ محمد عابد سنامیؒ متوفی ۱۱۶۰ھ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اور ان کی وفات تک ان سے استفادہ کرتے رہے۔ (مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط: ص ر ۲۴)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ مقصود رضائے الٰہی کا حصول اور نسبت علیہ کا وصول ہے، مشائخ کی ذات مقصود نہیں، اس لئے ہر سالک کو اپنی ترقی کا ہمیشہ طالب رہنا چاہئے، اور جہاں کہیں حصول مقصود کی امید ہو وہاں افتاں وخیزاں جانا چاہئے۔ لہذا اس سلسلہ میں عار و تکبر اور تعجب و تحزب کو راہ میں نہ لانا چاہئے جیسا کہ دریں زمانہ اس کا شیوع اور دور دورہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بلائے عظیم سے محفوظ رکھے۔ آمین اور اصلاح کی فکر تا وفات باقی رکھنے کی توفیق دے، اس لئے کہ ؎

اندریں رہ می خراش و می تراش　　تا دم آخر دمے فارغ مباش

اس لئے کہ اسی راستہ میں ریاضت اور جہد و مشقت کا سلسلہ رہے گا، لہذا اخیر دم تک فارغ نہ رہو۔ (خواہ اس کے لئے متعدد مشائخ کی خدمت میں جانا

پڑے۔طالب صادق کی یہی شان ہونی چاہئے۔)(مرتب)

مرزا صاحب کا حلیہ: مرزا صاحب دراز قد تھے،اور بہت خوبصورت تھے۔عمامہ بطورِ سنت باندھتے تھے۔لباس بہت معمولی مگر صاف،قمیص پیش چاک پہنتے تھے۔(مرزا مظہرؒ کے خطوط:ص ر ۳۴)

حضرت مرزا صاحب کی نازک مزاجی کے چند واقعات

(۱) بے قاعدہ رکھی ہوئی چیز دیکھ کر مرزا صاحب کے سر میں درد ہونے لگتا تھا۔ایک دن بہادر شاہ بہت الحاح والتجا کے بعد اجازت حضوری ملنے پر زیارت کے لئے حاضر ہوا،گرمی کا موسم تھا بادشاہ کو پیاس لگی اور پانی طلب کیا،حضرت نے فرمایا وہ گھڑا رکھا ہوا ہے پیالہ میں لے کر پانی پیو۔بادشاہ نے پانی پیا اور پیالہ گھڑے پر رکھ دیا،مرزا صاحب کی نظر جو گھڑے پر پڑی تو پیالہ ذرا ترچھا رکھا ہوا تھا دیر تک اپنی نگاہ سے دیکھتے رہے،آخر ضبط نہ ہوسکا تو فرمایا جناب بادشاہت کیا کرتے ہوں گے ابھی تک گھڑے پر پیالہ رکھنے کا طریقہ معلوم نہیں، اس کے بعد مرزا صاحب نے ترشی کے ساتھ کہا آئندہ ہمیں ایسی تکلیف نہ دیجیو۔

(۲) ایک رات مرزا صاحب کو سردی کی وجہ سے نیند کم آئی ایک بڑھیا خادمہ کو یہ حال معلوم ہوا،حاضر ہو کر عرض کرنے لگی،اجازت ہو تو رزائی بناؤں حضرت نے فرمایا بہت اچھا۔بعد نماز عشاء رزائی لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت رزائی حاضر ہے،آپ اس وقت چارپائی پر لیٹ چکے تھے۔بائی میں تو اب لیٹ رہا اٹھنا مشکل ہے،تو ہی آکر میرے اوپر ڈال دے،بڑھیا نے رزائی حضرت کو اوڑھا دی اور چلی گئی،صبح ہوئی تو مرزا صاحب نے اپنے خادم

سے فرمایا کہ غلام علی مجھے تو تمام رات نیند نہیں آئی، دیکھو سہی رزائی میں کوئی جوں تو نہیں ہے؟ شاہ غلام علی صاحب نے خوب غور سے دیکھا، نئی رزائی ہے، جوں کا کہاں پتہ ہاں جلدی میں نگندے ٹیڑھے پڑے تھے جب پرکار سے خط کھینچ کر درست کیا تب مرزا صاحب کو آرام ملا۔

(۳) حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ جو حضرت مرزا صاحبؒ کے خاص خادم تھے، جب پنکھا جھیلنے کھڑے ہوتے تو بہت احتیاط رکھتے تھے، مگر پھر بھی یہ حال تھا کہ جب ذرا آہستہ آہستہ پنکھا ہلتا تو حضرت فرماتے میاں تمہارے ہاتھوں میں جان نہیں ہے؟ اور جب ذرا تیز جھیلتے تو فرماتے کہ ایسا لگتا ہے کہ تو تو مجھے اڑا ہی دے گا، آخر ایک روز شاہ غلام علی صاحبؒ نے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت یوں بن پڑے نہ ووں بن پڑے، حضرت مرزا صاحبؒ کو غصہ آ گیا اور جھڑک کر فرمایا ''ہمارا پنکھا چھوڑ دو'' پھر شاہ غلام علی صاحب روتے روتے بے حال ہو گئے اور بہت بہت عاجزی سے معافی مانگی تو معاف فرمایا۔ اس کے بعد پنکھا جھیلنے کی درخواست کی تو حضرت نے اجازت دیدی۔

ف: یہ تھا امتحان جس کو طالب صادق بے چون و چرا برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو احوال رفیعہ اور مقامات علیہ سے نوازتے ہیں۔ (مرتب)

(۴) ایک بار قاضی صاحب لباس فاخرہ میں بغرض زیارت حاضر ہوئے، ایک شیخ زادہ بھی ہمراہ تھے شیخ صاحب کو پیاس معلوم ہوئی، مرزا صاحب نے گھڑے سے پانی پینے کی اجازت عطا فرمائی، شیخ جی نے پانی پی کر گلاس ڈھک دیا مرزا صاحب نے سر پکڑ لیا اور خود کھڑے ہو کر گلاس کو گھڑے پر درست کر کے رکھا۔

حضرت مرزا صاحب کے حجرہ سے باہر تشریف لانے کا جب وقت ہوتا تو پہلے سے شاہ غلام علی صاحب فرش کو صاف کر دیا کرتے تھے، ایک دن مرزا صاحب جو حجرہ سے باہر تشریف لائے تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا ''غلام علی تجھ کو اب تک تمیز نہ آئی دیکھ تو سہی وہ فرش پر تنکا پڑا ہوا ہے، جلدی اٹھاؤ''۔ (تذکرۃ الرشید:۲۵۹)

نصائح

آپ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت دل وجان سے کرو۔ اپنے احوال کا کتاب وسنت سے تقابل کرو، اگر موافق ہیں تو قبولیت کے لائق خیال کرو، اور اگر مخالف ہیں تو مردود سمجھو۔ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا التزام کر کے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کرو اور علماء کی صحبت اختیار کر کے اخروی ثواب حاصل کرو، اگر ممکن ہو تو حدیث پر عمل کرنے میں مداومت کرو۔ کبھی نہ کبھی ہر حدیث پر عمل ضرور کر لیا کرو تا کہ تم اس حدیث کے نور سے محروم نہ رہو۔

ہاں باطنی صفائی کے لئے کسی قدر خلوت لازم ہے، کیونکہ درویشی کا سرمایہ قلب کی صفائی میں موجود ہے۔ دنیاوی مال ومتاع میں سے بہت کم اختیار کرو کیونکہ قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا۔ عبادت اور ذکر الٰہی میں سرگرم عمل رہو، آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔ مشائخ کی محبت میں اپنی عقیدت کو مضبوط کرو کیونکہ دوستانِ حق کی دوستی اللہ تعالیٰ کے قرب کا موجب ہوتی ہے۔

جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی زندگی صبر وتوکل سے بسر کرو۔ غیر کا تصور دماغ سے نکال دو۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور موت کا یقین رکھو۔ اگر تمہارے دل میں

تردد نہ ہوتو گوشہ نشینی اختیار کرو، رزق جس کے لئے وقت مقرر ہے خود ہی پہنچ جائے گا۔ اگر عیال کی فکر دامن گیر ہوتو اسباب کا مہیا کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ فقیر کا راس المال تو فارغ البالی اور جمعیت خاطر ہے۔ اس لئے ہرگز ایسا نہ ہو کہ دل جمعی انتشار میں بدل جائے۔ اور دل کی توجہ ویکسوئی میں خلل پیدا ہو جائے۔ قناعت اختیار کرو، حرص اور طمع کو دل سے نکال دو۔ یار اور اغیار سے ناامید ہو جاؤ۔ ہونا اور نہ ہونا ہر ایک کو برابر جانو اور کسی کو حقارت سے نہ دیکھو۔ اپنے آپ کو سب سے کم تر اور قاصر شمار کرو۔ طلب مولیٰ کی راہ میں کبر کو دماغ سے اور غرور کو ہاتھ سے چھوڑ دینا چاہئے۔ اپنی طاعت اور عبادت پر فخر نہ کرے، فنا و نیستی کو اپنا سرمایہ بناؤ۔ نفس کی مخالفت جس قدر ہو سکے کرو، یہ بہتر ہے، لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ تنگ آجائے کہ جس سے اطاعت کی خوشی اور شوق جاتا رہے۔ کبھی اس کے ساتھ نرمی کرنی چاہئے کیونکہ نفس کی رضامندی ثواب کا موجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث ہے، "**ان لنفسک علیک حقا**" یعنی تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔

ف: سبحان اللہ کیسی اعتدال کی تعلیم ہے، جن پر عمل ہم سب کے لئے لازم ہے۔ (مرتب)

مشائخ کرام کی ارواح طیبہ کو فاتحہ اور درود سے ثواب پہنچا کر انہیں وسیلہ بناؤ کیونکہ اس امر سے ظاہری و باطنی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ البتہ مبتدیوں کو تصفیہ قلب کے بغیر اولیاء اللہ کی قبور سے فیض حاصل ہونا مشکل ہے۔ اسی لئے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد میں مصروف ہونا اولیاء اللہ کی قبروں کی مجاورت سے بہتر ہے۔ (مقامات مظہری: ۳۱۳)

ارشادات

اب آپ کے ارشادات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ سے ملاحظہ فرمائیں:۔

فرمایا: جمیع اولیاء اللہ ومشائخ سے محبت لازم ہے، اور اپنے پیر کے حق میں اگر بوجہ نفع واستفادہ فرط محبت میں افضلیت کا عقیدہ رکھتا ہوتو مضائقہ نہیں۔

ف: مگر افضلیت کے بجائے انفعیت کا عقیدہ ہوتو انسب ہے، وہ یہ کہ ہمارا شیخ ہمارے لئے سب سے زیادہ نافع ہے۔کماافادہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (مرتب)

فرمایا: اس زمانہ میں عزیمت پر عمل کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا سخت دشوار ہے، اس لئے کہ معاملات تباہ ہوگئے اور شرع پر عمل کرنا گویا موقوف ہوگیا، لہذا اگر ظاہری فتویٰ پر کوئی عمل کرے اور بدعات سے بچتا رہے تو بہت غنیمت ہے۔

فرمایا: عجز وانکساری کی صفت پیدا کرنی چاہئے اور مخلوق کی جفا پر صبر وتحمل کی عادت ڈالنا چاہئے ؎

چیست معراج فنا ایں نیستی عاشقاں را مذہب و دیں نیستی

ترجمہ: یعنی نیستی فنا کی معراج ہے، اور عاشقوں کا تو دین ومذہب ہی نیستی ہے۔

ف: مگر افسوس کہ اس زمانہ میں اس کا نہ ذکر ہوتا ہے اور نہ کوئی سننا ہی چاہتا ہے، اس لئے کبر وعجب اور بیجا دعویٰ کا خوب ہی خوب شیوع ہورہا ہے تو پھر درویشوں کا طریق کیسے زندہ رہے گا۔(مرتب)

فرمایا: توسط واعتدال کھانے پینے، سونے جاگنے، اعمال وعبادات میں بہت مشکل ہے، کوشش کرنا چاہئے کہ اوقات موافق سنت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ضبط ہوجائیں اور انبیاء علیہم السلام کا اتباع توسط واعتدال ہی حاصل

کرنے کے واسطے ہوتا ہے ''لیقوم الناس بالقسط'' (تا کہ لوگ عدل کے ساتھ قائم ہوجائیں) اس پر نص قاطع ہے۔

فرمایا: قصور اعمال کو پیش نظر رکھنا اور سابقہ عنایات الٰہیہ بے علت (یعنی بے استحقاق) دیکھنا سالکان راہ کے اطوار سے ہے، ہر چند کہ عمل بہت کرلے لیکن صفت استغناء اور صفت کبریائی الٰہی سے خائف رہنا چاہئے، اور عذر تقصیر اور امید واثق کو وسیلۂ قبولیت کرنا چاہئے، تھوڑے گناہ کو بہت جانے اور تھوڑی نعمت کو بہت سمجھے، اور ہمیشہ شکر ورضا کو اختیار کرے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب نصیحت ہے جو طریق کی اصل ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

فرمایا: طریقہ ورع وتقویٰ ومتابعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کرنا چاہئے، اپنے احوال باطنی کو کتاب وسنت پر پیش کرنا چاہئے اگر موافق ہے تو قابل قبول ہے اور اگر مخالف ہے تو مردود جاننا چاہئے، عقیدۂ اہل سنت والجماعت کا ملتزم ہوکر حدیث وفقہ سیکھنا چاہئے۔

فرمایا: اگر ادائے شکر کے لئے مزے دار کھانا کھائے تو احسن معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ بے مزگی کی صورت میں دل سے شکر نہیں نکلتا، طعام لذیذ کو پانی ملا کر بے مزہ کرنا نعمت الٰہی کو خاک میں ملانا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم طعام لذیذ تناول فرمایا کرتے تھے، اور اگر رغبت نہ ہوتی تھی تو ہاتھ نہ ڈالتے تھے، ہمارے نفوس حضرت جنید وشبلیؒ کے نفوس جیسے نہیں ہیں کہ تلخی کو شکر جانیں۔

فرمایا: ہر عمل کی کیفیت علیحدہ ہے اور جامع کیفیات نماز ہے، اس لئے کہ

انوار، اذکار، تلاوت، تسبیح ودرود واستغفار پر مشتمل ہے، اورسب سے صحیح حال جوقرن اول کے مشابہ ہو، نماز میں حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ کما حقہ ادب سے ادا کی جائے۔

فرمایا: تلاوت قرآن مجید موجب صفائی باطن وفیض قلبی ہے، اسے بہ ترتیل پڑھنا چاہئے، اوراگر جہر متوسط سے پڑھا جائے تو نہایت ذوق حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا: رمضان شریف میں نسبت باطن میں نہایت ترقی ہوتی ہے، روزہ میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے، غیبت اور کذب سے بچنا چاہئے ورنہ روزہ فاقہ ہوجاتا ہے، روزہ نہیں رہتا جس کی وجہ سے روزہ دار روزہ کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔

فرمایا: اس ماہ مبارک میں جو جمعیت وحضور حاصل ہوتا ہے دوسال بھر کے واسطے ذخیرہ ہوجاتا ہے، اوراگر اس میں فتور آجاتا ہے تو تمام سال اس کا اثر رہتا ہے۔ (مشائخ نقشبندیہ مجددیہ)

ف: ماشاء اللہ حضرت مصلح الامتؒ برابر مندرجہ بالا حقائق کی طرف رہبری فرمایا کرتے تھے بلکہ اس کے حصول کی طرف رغبت دلاتے تھے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

مکتوبات

اب ہم عبرت ونصیحت کے لئے آپ کے چند مکتوبات نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں جو مکرم خلیق انجم صاحب نے اپنی تصنیف ''مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط'' میں نقل فرمایا ہے۔

مکتوب (۱) بزرگوں کے فضائل کا اعتراف کرنا چاہئے

حمد وصلوٰۃ کے بعد فقیر جانجاناں کی طرف سے مطالعہ فرمائیں کہ آپ کا التفات

نامہ موصول ہوا۔جس میں آپ نے پوچھا تھا کہ جناب قیوم ربانی مجدد الف ثانی اور محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں کس کو افضلیت حاصل ہے۔ مخدوما فضیلت دوطرح کی ہے۔ جزوی اور کلی۔ظاہر ہے کہ تمہارا سوال جزوی فضیلت کے متعلق نہیں ہے۔اور فضل کلی قرب الٰہی کی زیادت پر منحصر ہے اور اس کا تعلق باطن سے ہے اور عقل کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔لیکن عقل مناقب کی قلت یا کثرت سے مطلب کا سراغ لگا سکتی ہے۔اور عقل عبارت ہے کتاب وسنت اور قرن اول کے اجماع سے۔اور یہ بھی بدیہی بات ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا وجود کتاب وسنت کے ورود اور اجماع امت کے ورود سے متاخر ہے۔اور شرع کے یہ تینوں اصول اس بارے میں خاموش ہیں۔اور کشف میں غلطی کا احتمال ہے اور مخالف پر حجت نہیں ہے۔اور مریدوں کے اقوال قابل اعتبار نہیں کیونکہ مریدوں کو اپنے پیروں سے غلو کی حد تک محبت ہوتی ہے۔اور ایسا صاحب کشف کوبھی نظر نہیں آتا جو ان دونوں حضرات کے کمالات کا احاطہ کرے اور ان میں سے کسی ایک کی فضیلت کلی کا قطعی فیصلہ کردے۔

اس لئے سب سے زیادہ سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو علم الٰہی کے سپرد کردیا جائے۔اور ایسی فضول باتوں کی طرف سے خاموشی اختیار کی جائے۔ان دونوں بزرگوں کے فضائل کا اعتراف کرنا چاہئے اور اس میں زبان کھولنا سوئے ادب سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ضروریات دینی میں سے نہیں ہے کہ جس میں بولنا ضروری ہو۔ وہ شیفتگی (وعقیدت) جو ہمیں حضرت مجدد سے ہے اس کے سامنے دم مارنا مناسب نہیں۔ کیونکہ بات عقل کی حدوں سے گزر گئی ہے۔ ؎

ہرگز در بیش وکم نمی باید زد　　از حد بیروں قدم نمی باید زد

ترجمہ: کم وبیش کی فکر میں ہرگز نہیں پڑنا چاہئے، اپنی حد سے باہر قدم نہ رکھنا چاہئے۔

عالم ہمہ مرأت جمال ازلی است ؎ می باید دید و دم باید زد

ترجمہ: یہ تمام عالم جمال ازلی کا آئینہ ہے، دیکھنا چاہئے دم نہیں مارنا چاہئے۔

ف: سبحان اللہ مکتوب کے مضامین کس قدر بصیرت افروز ہیں جو دریں زمانہ پیش نظر رکھنے کے لائق ہیں۔(مرتب)

مکتوب(۲) دنیا کی مکروہات پر صبر کرنا چاہئے

ہم بخیریت ہیں۔تم شریعت کے التزام اور طریقت کے اشغال میں مصروف رہو۔لوگوں سے خاکساری اور بے نفسی سے ملو کیونکہ کمال نفس نیک نیتی میں ہے اور ہستی صرف اللہ کے لئے مسلم ہے۔عالموں اور فقیروں کی صحبت کو لازمی سمجھو۔ دنیا کے مکروہات پر صبر کرو کیونکہ مومنوں کے لئے دنیا قید خانہ ہے اور راحت کا وعدہ آخرت کے لئے ہے، بشرطیکہ ایمان سلامت رہے۔اللہ کی عطا کی ہوئی کم وبیش نعمتوں پر شکر ادا کرو۔بد خلقی سے پیروں کو بدنام نہیں کرنا چاہئے۔اگر کوئی تمہارے طریقے کی طرف آئے تو اس سے خدمت نہیں لینی چاہئے بلکہ اس کی خدمت کرو۔ ہاں اگر وہ محبت کے غلبہ سے خود خدمت کرے تو دوسری بات ہے۔ جہاں کہیں بھی رہو اللہ کو یاد رکھو۔اور پیران طریقہ کی محبت میں ڈوبے رہو۔میاں محمد انوار برے حالوں پھر تمہارے پاس آرہے ہیں۔حتی المقدور ان کی خاطر مدارات سے دریغ نہ کرنا۔جانتے ہو دنیا میں اللہ کے طالب کم ہیں۔اگر کوئی آئے تو اسے اللہ کا نام سکھاؤ

کیونکہ اس کا بہت اجر ہے۔ والسلام (مرزا جانجاناں کے خطوط: ص/۱۷۶)

مکتوبات میں نصائح

آخری عمر میں مرزا صاحب نے قیمتی لباس پہننا چھوڑ دیا تھا لیکن جب محمد قاسم نے انھیں قیمتی کپڑے کے دو تھان بھیجے اور منت وسماجت کی کہ وہ اس کا لباس پہنیں تو مرزا صاحب انکار نہ کر سکے۔ اس مرید کو لکھتے ہیں:۔

''اب فقیر کم قیمت کا لباس استعمال کرتا ہے۔ چونکہ تم نے بہت منت و سماجت کی ہے اس لئے تمہاری خاطر سے پہنوں گا۔ ورنہ عدم قبول کی صورت میں تمہیں تکلیف ہوگی''۔

ایک اور خط میں مرزا صاحب صاحبزادہ مرید حسین کو لکھتے ہیں:

''فقیر نے خواب میں معلوم کیا ہے کہ تمہاری والدہ باطن میں تم سے ناخوش ہیں۔ والدہ کی ناراضگی آخرت اور دنیا دونوں میں نقصان کا باعث ہے''۔

ایک خط میں ایک خاتون مرید کو لکھتے ہیں:

''اگر بزرگوں کے ساتھ ادب اور چھوٹوں کے ساتھ پیار اور شفقت سے زندگی گزارو تو کوئی تم سے برائی نہیں کرے گا۔ شوہر کی خدمت اور اطاعت کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ غصہ وغضب کو پی جانا چاہیئے''۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کو خصوصی نصیحت: حضرت مرزا مظہر جانجاناں صاحبؒ کی بیوی کو سودا ہو گیا تھا، لیکن انھیں طلاق دینا یا ان سے کنارہ کشی کرنا ان کے مسلک اور آئین کے خلاف تھا۔ اگرچہ خاتون زندگی بھر دردسر بنی رہیں۔ لیکن مرزا صاحب کی جبین پر کبھی شکن نہ آئی۔ ہمیشہ ان کی خاطر داری

اور دیکھ بھال میں کوشاں رہے۔ایک دفعہ وہ (آپ کی اہلیہ محترمہ) پانی پت گئیں اور غالباً قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے یہاں قیام کیا۔مرزا صاحب نے ایک خط میں قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کو لکھا:۔

تمہیں چاہئے کہ جب وہ پہنچیں تو ان کی دل جوئی اور خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔اور وعظ ونصیحت میں ان پر سختی نہ کرنا۔اور بہت دلجوئی کرنا۔اگر فقیر کو پیٹھ پیچھے برا کہیں تو ہرگز مقابلہ نہ کرنا اور ہرگز ان سے بددل نہ ہونا کیونکہ ہماری تمہاری خیریت اسی میں ہے۔

مرزا صاحب اتنے وسیع القلب اور انسان دوست تھے کہ کبھی کسی انسان کا دل دکھانا اور اسے معمولی سی تکلیف بھی پہنچانا ناپسند کرتے تھے۔چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

میرے بھائی! عجیب بات ہے۔پانی پت کا ہر شخص تمہاری شکایتوں سے بھرا ہوا آتا ہے۔معلوم نہیں تم کیا کرتے ہو۔اگر تمہاری سچائی یا دیانت لوگوں کی تکلیف کا سبب ہے تو ایسی راستی سے باز آؤ۔

وہ کسی سے ناراض بھی نہیں ہوتے تھے اور اگر کسی وجہ سے تھوڑی بہت رنجش ہو گئی تو معمولی معذرت سے دل صاف کرلیا کرتے تھے۔چنانچہ ایک خط میں کسی کو لکھتے ہیں:

’’فقیر تمہارے انداز تحریر سے ناراض تھا، چونکہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے خود کو زبردستی باز رکھا۔اور تمہارے حق میں دعائے خیر کی تاکہ خاطر جمع ہو۔اب جو تم نے معذرت کی ہے دل صاف تر ہو گیا۔ہم نے معاف کر

دیا، خاطر جمع رکھو‘‘۔

ایک اور خط میں اپنی ناراضگی کو بڑی خوبصورت تشبیہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

’’فقیروں کی ناراضگی تو ایک مٹھی خاک کی طرح ہوتی ہے جو دریا میں ڈال دی جائے۔ اب مجھ پر کوئی اثر نہیں۔تم نے اس خط میں حد سے زیادہ معذرت کی ہے۔اس نے میرے دل کا غبار دھو دیا ہے۔ بے فکر رہو۔

(مرزا جانجاناں کے خطوط:ص/۸۶)

شہادت: عجیب بات ہے کہ مرزا صاحب کو شہادت کی بہت تمنا تھی۔ بقول صاحب معمولات مظہریہ اکثر مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ جب جوانی میں شہادت نصیب نہ ہوئی تو اب بڑھاپے میں کیا توقع ہوسکتی ہے۔لیکن اللہ کی ذات سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ بیاسی سال کی عمر میں مرزا صاحب کی یہ آرزو پوری ہوئی۔ ان پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس حملے کی تفصیل حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی زبانی سنئے:

’’کچھ رات گذری تھی کہ کچھ لوگوں نے حضرت کے دروازے پر دستک دی۔خادم نے ان سے عرض کیا کہ کچھ مریدین ملاقات کو آئے ہیں۔کہا لے آؤ۔ ان میں سے تین آدمی دروازے کے اندر آگئے۔ان میں ایک مغل تھا۔حضرت خوابگاہ سے باہر آئے اور ان لوگوں کے برابر کھڑے ہوگئے۔مغل نے پوچھا مرزا مظہر جانجاناں آپ ہی ہیں۔مرزا صاحب نے جواب دیا ’’ہاں‘‘ باقی دو ساتھیوں نے بھی تصدیق کی کہ مرزا جانجاناں یہی ہیں۔ پھر اس بدبخت نے ان پر طمنچہ سے

گولی ماری۔گولی سینے پر دائیں طرف دل کے قریب لگی۔ بڑھاپے کی کمزوری اورناتوانائی کی وجہ سے مرزا صاحب میں طاقت نہیں تھی۔زمین پر گر گئے“۔

دوسرے دن صبح نجف خاں نے ایک فرنگی جراح کو بھیجا اور کہلوایا کہ قاتل کا سراغ نہیں مل سکا۔اگر آپ کو معلوم ہو تو بتایئے تاکہ اسے سزا دی جائے۔نجف خاں شاہ عالم بادشاہ کا وکیل مطلق تھا۔یہ شیعہ تھا۔اوراس کی وجہ سے مغل دربار میں شیعیت کو بہت فروغ حاصل ہو رہا تھا۔مرزا صاحب اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔اس لئے نجف خاں ہی نے ان پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔جیسا کہ اس عہد کی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے۔مرزا صاحب نے نجف خاں کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور کہلوایا اگر اللہ کی مرضی ہے کہ میں صحت یاب ہو جاؤں تو یہ زخم ٹھیک ہو جائے گا۔

اس لئے فرنگی جراح کی کوئی ضرورت نہیں۔جس شخص نے یہ کام کیا ہے ہم نے اسے معاف کر دیا۔اگر تم اس شخص کو تلاش کر لو تو معاف کر دینا۔

مسلمان جراح مرزا صاحب کا علاج کرتے رہے۔لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔تین دن تک مرزا صاحب بستر مرگ پر پڑے رہے، ان تین دنوں کا حال شاہ غلام علی کی زبانی سنئے۔

”تین دن تک بقید حیات رہے۔ ہر روز کمزوری بڑھتی گئی۔ انتہائی کمزوری کی وجہ سے ان کی آواز مبارک سنائی نہیں دیتی تھی۔تیسرے دن جمعہ کا دن تھا۔صبح کی نماز کے بعد پوچھا کہ ہماری گیارہ نمازیں قضا ہو گئی ہیں اور تمام جسم خون آلود ہے۔سر اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ اگر مریض میں سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو تو نماز کو موقوف کر دینا چاہئے۔اس مسئلے میں تمہیں کیا

معلوم ہے۔میں نے عرض کیا مسئلہ تو وہی ہے جو آپ نے فرمایا۔آدھا دن گزرنے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دیر تک فاتحہ پڑھتے رہے۔پوچھا کتنا دن باقی ہے۔عرض کیا کہ چار گھڑی۔فرمایا کہ ابھی مغرب میں وقت ہے۔ہفتے کی رات (۱۰ رمحرم) ۱۱۹۵ھ کو مغرب کی نماز کے وقت دو تین لمبی لمبی سانسیں لیں اور انتقال فرما گئے''۔اناللہ وانا الیہ راجعون

تدفین: مرزا صاحب کا انتقال ۱۰ رمحرم الحرام ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۰ء کو ہوا۔مولانا فخر الدین صاحب نے جنازے کی نماز پڑھائی۔اور دہلی میں آپ مدفون ہوئے۔نور اللہ مرقدہ

ان کے شاگرد خواجہ احسن اللہ خاں بیانی نے تاریخ وفات کہی۔

تاریخ وفات مظہر کل گردید
۱۱۹۵ھ

قمر الدین منت نے حدیث نبوی کے الفاظ سے تاریخ نکالی۔

عاش حمیدا و مات شہیداً
۱۱۹۵ھ

سودا نے یہ قطعہ تاریخ کہا ؎

مرزا کا ہوا قاتل ایک مرتد شوم اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ ز روئے درد یہ سن کے کہی سودا نے کہ ہائے جانجاناں مظلوم
۱۱۹۵ھ

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے آیت شریف سے تاریخ وفات نکالی۔

اولئک مع النبیین انعم اللہ
۱۱۹۵ھ

(مرزا مظہر جانجاناںؒ کے خطوط:۴۱)

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ متوفی ۱۱۹۹ھ

نام ونسب: نام شاہ فخر الدینؒ باپ کا نام شاہ نظام الدین اورنگ آبادی ہے۔ باپ کی جانب سے صدیقی اور ماں کی جانب سے سید تھے، ان کی والدہ (جن کا نام سیدہ بیگم تھا) حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے خاندان سے تھیں۔

شاہ فخر الدین صاحبؒ کا لقب محب النبی تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت چراغ دہلویؒ کو اس لقب سے مخاطب کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تھا۔

ولادت: شاہ فخر الدین صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء کو اورنگ آباد میں ہوئی تھی۔ جب حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کو اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدینؒ کے یہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئے۔ فخر الدین نام تجویز کیا اور اپنا ملبوس خاص نومولود کے لئے عنایت فرمایا۔ ساتھ ہی اس بچہ کے شاندار مستقبل کی بشارت دی۔ ایک مجلد میں خود شاہ فخر الدین صاحبؒ نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا تھا۔

حضرت (یعنی شاہ کلیم اللہ صاحبؒ) نے میرے تولد کے بعد جو خط حضرت والد صاحب قبلہ کو لکھا تھا وہ اب تک میرے پاس ہے۔ اس میں میرے لئے بہت سی بشارتیں ہیں اور ایسے الفاظ ہیں جو میرے مرتبے سے بڑھ کر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کلمات کی برکت سے مجھ پر رحمت فرمائی ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اس مکتوب میں یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ لڑکا شاہ جہاں آباد میں رشدو ہدایت کا شمع روشن کرے گا۔ (تاریخ مشائخ چشت: ج ۵ ص ۱۵۰)

تعلیم: شاہ فخر الدین صاحبؒ کی تعلیم پر کافی توجہ صرف کی گئی تھی۔ ان کے والد ماجد خود ذی علم بزرگ تھے، انھوں نے اپنے اس بیٹے کی، جس کی شان مستقبل کے متعلق حضرت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ بشارت دے چکے تھے، تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا اور اس زمانہ کے مشہور علماء کے زیر تربیت رکھا۔

بیعت: شاہ فخر الدین صاحبؒ کے والد ماجد کو ان سے بیحد محبت تھی، اس لئے ان کی باطنی تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ بچپن ہی میں ان کو اپنا مرید کرلیا تھا۔ جب شاہ نظام الدین صاحبؒ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ۱۶/ سال تھی۔ باپ نے قاضی کریم الدینؒ کے ذریعہ ان کو اپنے پاس بلوایا اور دیر تک سینۂ مبارک سے چمٹا کر اپنی باطنی نعمتیں ان کو منتقل کر دیں، اس کے بعد ان کی روح عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ شاہ فخر الدینؒ کی تعلیم ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ باپ کے وصال کے بعد تین سال تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

لشکر میں ملازمت: تعلیم سے فراغت کے بعد باپ کے سجادہ پر بیٹھنے کے بجائے انھوں نے لشکر میں ملازمت کرلی، لیکن درویشی فطرت کا تقاضہ تھا، اس کو ٹال نہ سکے، اگر دن تیغ وسنان کی جھنکاروں میں گذرتا تھا تو رات رکوع وسجود میں۔ مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ وہ تمام رات خیمہ میں عبادت کرتے تھے۔ اور اخفائے حال کی بڑی کوشش کرتے تھے، جو لوگ آپ کی ظاہری حالت کو دیکھتے وہ کبھی اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ شخص راہ طریقت میں گامزن

ہے۔ ایک دن فرمانے لگے ۔ میں نے گذشتہ ایام میں شغل وذکر میں کافی مصروفیت رکھی ہے۔

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے آٹھ سال تک رات دن مشقتیں اٹھائی تھیں۔لشکر میں وہ نظام الدولہ ناصر جنگ (مصنف مناقب فخریہ کے چچا) اور ہمت یارخاں کے ساتھ رہتے تھے۔مناقب فخریہ میں لکھا ہے:

فوج کشی اور شمشیر زنی کرتے تھے اور اسی حالت میں ہمیشہ روزہ بھی رکھتے تھے،لشکر میں گو آپ نے اپنی روحانی کیفیات کو پوشیدہ رکھنے کی انتہائی کوشش کی لیکن یہ ممکن نہ ہوسکا۔جب شہرت بڑھنے لگی تو لشکر چھوڑ کر اورنگ آباد چلے گئے۔

اورنگ آباد میں قیام: اورنگ آباد پہنچ کر شاہ صاحبؒ اپنے والد کے سجادہ پر متمکن ہوئے حتی المقدور اظہار حال سے گریز فرماتے تھے،لیکن جس خانقاہ اور سجادہ سے وہ متعلق تھے وہاں اخفائے حال آسان نہ تھا،رفتہ رفتہ لوگوں کو آپ کی ریاضت شاقہ کا علم ہوگیا۔اورعقیدت مندوں کا ہجوم بھی بڑھنے لگا۔لکھا ہے:

حضرت شیخ نے جب دیکھا کہ تمام ملک دکن میں مشہور ہو گئے تو چاہا کہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھیں۔لیکن اورنگ آباد چھوڑنا بھی ان کے لئے آسان نہ تھا، جب وہاں سے روانگی کا ارادہ کرتے تو دل میں خیال آتا کہ یہاں میرے والد اور مرشد کا مزار ہے، آخر اس کو چھوڑ کر کس طرح چلا جاؤں۔اسی کشمکش میں تھے کہ خواب میں اپنے والد ماجد کو دیکھا کہ یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

شہ اقلیم فقیرم بے خودی تخت روان من نہ چوں فریاد مزدورم نہ چوں مجنوں زمیندارم

پھر عارف رومؒ کی اس ہدایت سے کچھ ہمت بندھی

بند بگسل باش آزاد اے پسر (اے لڑکے بند کو توڑ کر آزاد ہو جاؤ۔)

دہلی کو روانگی: ایک دن آپ اپنے دو ملازموں قاسم اور حیات کے ساتھ اورنگ آباد سے پاپیادہ چل کھڑے ہوئے۔ مناقب فخریہ میں آپ کی روانگی کا سال ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء درج ہے۔ مناقب المحبوبین میں ۱۷۵۱ء لکھا ہے۔

اس سفر کا حال غازی الدین خاں نظامؒ نے ''فخریۃ النظام'' میں نہایت تفصیل سے لکھا تھا۔ دہلی میں ایک بڑھیا کے یہاں قیام کیا۔ قریب ہی ایک بت خانہ تھا۔ ہندو بھی آپ سے عقیدتمندی کا اظہار کرنے لگے۔ یہاں سے چلے تو حضرت شیخ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے مزار کے قریب مسجد میں معتکف ہو گئے۔ پھر اپنے سلسلے کے دیگر بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہوتے ہوئے شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے مزار پر پہنچے۔ شاہ کلیم اللہ صاحبؒ کے فرزند نہایت محبت سے پیش آئے۔ تین دن تک ان کے مہمان رہے، اس کے بعد حضرت شیخ نے کڑہ بہلیل میں ایک حویلی کرایہ پر لے لی اور وہ مکان آپ کے قدموں کی برکت سے رشک گلزار بن گیا۔ وہیں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا، اور یہاں بیعت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ مرزا حسین اکبر آبادیؒ جو فنون سپہ گری میں یگانہ روزگار تھے، کھنچ کر آپ کے قدموں میں آ گئے اور مرید ہو گئے۔

پاک پٹن کا سفر: دہلی آئے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوا تھا کہ شاہ فخر الدین صاحبؒ پاک پٹن تشریف لے گئے، پاک پٹن میں شیخ محمد یوسفؒ سجادہ نشین تھے، انھوں نے نہایت محبت کا برتاؤ کیا اور مزار کے قریب ایک حجرہ میں ٹھہرایا

جہاں وہ ریاضت وعبادت میں مشغول رہنے لگے۔ ہر شب کوایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ پاک پٹن سے واپسی پر راستے میں فرمانے لگے کہ دکن کی طرف سے دل میں کچھ تشویش پیدا ہورہی ہے۔ چند دن کے بعد اطلاع ملی کہ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ (جن سے شاہ صاحبؒ کو بہت تعلق خاطر تھا) شہید کردیئے گئے۔ دہلی واپسی پر شاہ صاحبؒ نے کچھ دن کڑہ بہلیل ہی میں گزارے، اس کے بعد اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں منتقل ہوگئے اور اس کو اپنا مستقر بنا کر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ (تاریخ مشائخ چشت: ج/۵ ص/۱۵۹)

درس وتدریس: شاہ فخر الدین صاحبؒ نے اجمیری دروازہ کے جس مدرسہ میں درس وتدریس کا کام شروع کیا، وہ امیر غازالدین خاں فیروز جنگ کا بنوایا ہوا تھا، اس مدرسہ کا انتخاب غالباً ان تعلقات کی بنا پر کیا تھا جو ان کے بزرگوں کے خاندان آصفیہ سے تھے۔ اس مدرسہ میں بیٹھ کر آپ نے صرف چند درسی کتابوں کے پڑھانے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ارشاد وتلقین کا ماحول برپا کردیا۔ چنانچہ اس مدرسہ میں دوردور سے طلباء آتے تھے۔ اکثر مشہور مریدین آپ کے مدرسہ کے طلباء ہی تھے۔ آپ کی تعلیم کی خصوصیت یہ تھی کہ اس پر باطنی اصلاح کا رنگ غالب تھا، سلوک کی تعلیم اس نصاب اور درس کا خاص حصہ تھی۔ مولانا عبدالرحمٰن موحد لکھنویؒ جب تحصیل علم کے لئے دہلی آئے تو سب سے پہلے شاہ فخر الدین صاحبؒ ہی کے مدرسہ میں حاضر ہوئے اور ان سے علوم ظاہری کی تعلیم کی درخواست کی۔ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا۔ جمعیت خاطر کی باقی کتابیں پڑھ لو علم حاصل ہوجائے گا۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کی توجہ اس وقت علم ظاہر کی

طرف تھی یہاں سلوک اور تخلیۂ باطن پر خاص زور تھا۔اس لئے مولانا چند دن رہ کر رام پور چلے گئے۔

جس زمانے میں شاہ فخر الدین صاحبؒ اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں درس وتدریس میں مشغول تھے، دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مدرسہ اپنے پورے عروج پر تھا۔شاہ فخر الدین صاحبؒ کے مدرسہ میں تصوف کا رنگ تھا، اور سلوک وعلم باطن کی طرف زیادہ زور دیا جاتا تھا۔فتاویٰ عالمگیری کے مرتب شاہ عبدالرحیمؒ کے مدرسہ میں احسان وسلوک کے ساتھ علم ظاہر پر خصوصی توجہ تھی اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک زبردست انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جارہی تھی۔

علمی ذوق: شاہ فخر الدین صاحبؒ کا علمی مذاق بہت اعلیٰ تھا۔ بیشتر اوقات مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے سامنے رہتی تھی۔کبھی حدیث بیان فرماتے، کبھی عوارف المعارف سناتے۔فوائد الفواد سے تو اتنا عشق تھا کہ ہر وقت یا تو سینے سے لگی رہتی تھی یا سرہانے رکھی رہتی تھی۔

تصانیف: شاہ فخر الدین صاحبؒ کی تصنیف کی ہوئی مندرجہ ذیل کتابیں دستیاب ہوئی ہیں:۔

(۱) نظام العقائد۔ (۲) رسالہ مرجیہ۔ (۳) فخر الحسن۔ (۴) رسالہ عین الیقین۔ یہ کتابیں ان کے علمی تبحر اور محققانہ صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔سر سید نے لکھا ہے۔ان کا دیکھنا آپ کی ممارست علمی کی دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے۔

اخلاق: شاہ فخر الدین صاحبؒ کی شخصیت کا سب سے ممتاز پہلو ان کا

اخلاق تھا، ہر چھوٹے بڑے سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ کسی کو پریشان دیکھتے تو جب تک اس کی مدد نہ کر لیتے بے چین رہتے، ایک مرتبہ حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے جب جہاز پر سوار ہونے لگے تو ایک بڑھیا آگے بڑھی اور عرض کیا، مجھے لڑکی کی شادی کرنی ہے اور حال یہ ہے کہ گھر میں فاقے ہوتے ہیں ،کس طرح یہ کام انجام دوں۔ شاہ صاحبؒ نے فوراً اپنا سامان اتار لیا اور جو کچھ زادراہ تھا اس بڑھیا کے حوالہ کر دیا اور خود وطن واپس چلے آئے۔

ف: سبحان اللہ کیسی معرفت تھی کہ انھوں نے غریب بڑھیا کی مدد ونصرت کو اپنے حج پر ترجیح دیا۔ ممکن ہے کہ حج نفلی رہا ہو۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بھی ہے کہ وہ حج کے لئے جاتے ہوئے دلی میں ٹھہر کر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی زیارت کی، جس کی بہت دنوں سے خواہش تھی۔ اصلاحی تعلق کا اظہار فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ فی الحال حج کے سفر کو ملتوی کریں تو انشاء اللہ فوز و کامرانی نصیب ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے عزم فسخ فرمایا اور خدمت میں رہے تو کیسی کچھ نسبت ومعرفت حاصل ہوئی وہ عموماً سب کو معلوم ہے۔ تو یہاں بھی میرا خیال ہے کہ نفلی حج رہا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

تواضع کامل: کوئی آپ کی تعریف کرتا تو ناپسند فرماتے، کوئی مرید ہاتھ باندھ کر یا گردن جھکا کر تعظیم کرتا تو ناخوش ہوتے۔ کوئی عقیدتمند پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو روک دیتے، اور ناراض ہوتے۔ دعوتوں کو پسند نہ فرماتے تھے، لیکن کسی کی استدعا کو رد بھی نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ ’’خوشی سائل را برخوشی خود مقدم دارند‘‘ ہر آنے والے سے بشاشت اور خندہ روئی سے گفتگو فرماتے ، اور

حضرت یا صاحب سے خطاب کرتے، اور ہر شخص سے اس کے رجحان اور دلچسپی کے مطابق گفتگو کرتے تھے۔ عالم سے علم کے متعلق، سپاہی سے سپاہ گری کی بابت اور کیمیا گر سے کیمیا کی نسبت۔

صحبت کا اثر: شاہ فخر الدین صاحبؒ کی صحبت جادو کا اثر رکھتی تھی، جوان کی خانقاہ میں آجاتا متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جرائم پیشہ لوگ پناہ کی تلاش میں خانقاہ آتے اور ولی بن کر وہاں سے نکلتے۔ گردن کشاں تکلیف پہنچانے کی نیت سے آتے اور حلقہ بگوش ہو کر جاتے۔ ان کا سر پھوڑنے آتے خود اپنا سر پھوڑتے ہوئے جاتے۔ جس کی طرف نظر اٹھ جاتی اپنا کام کر جاتی۔

ایک شخص ایذاء پہنچانے کی نیت سے آیا لیکن جب سامنے پہنچا تو از خود رفتہ ہو گیا، اور نعرہ لگانے لگا۔ رہزن دل ہمیں است۔ دل کا چور یہی ہے۔

ایک قاتل اپنی جان بچانے کے لئے خانقاہ میں آیا۔ چند ہی روز میں یہ حال ہو گیا کہ جس کی طرف نظر کرتا اس کا حال متغیر ہو جاتا۔

ایک مرتبہ دس افغانی آپ کو شہید کرنے کی نیت سے قطب صاحب میں جمع ہوئے، لیکن جب نگاہیں ملیں تو عالم بدل گیا۔

مناقب فخریہ کا مصنف جب پہلی بار حاضر ہوا تو ایسا محسوس کرنے لگا تھا گویا ایک شراب تھی جو جام دل میں ڈال دی یا ایک آگ تھی جو میرے سینے میں بھر دی۔ (تاریخ مشائخ چشت: ج/۵ ص/۱۸۷)

بہادر شاہ ظفر اور شاہ صاحبؒ: بہادر شاہ نے اپنے دیوان میں جگہ جگہ حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ایک شعر سے ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سے بیعت بھی تھا۔

کیوں نہ تو سر بفلک کھینچے کہ فخر الدین نے
دی ہے دستار ترے سر پہ ظفر کھینچ کے باندھ

وفات: شاہ فخر الدین صاحبؒ نے ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء کو وصال فرمایا، اس وقت آپ کی عمر ۷۳/سال تھی۔ وصال سے ایک دن پہلے زبان پر مثنوی کا یہ شعر تھا ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم　　چشم بگذارم سراسر جاں شوم

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پاک کے قریب دہلی میں سپرد خاک کیا گیا۔ عقیدتمندوں کا ایک ہجوم آپ کے جنازہ کے ساتھ تھا۔ اکبر شاہ ثانی زار و قطار روتا ہوا قبرستان تک پہنچ گیا۔ مزار کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ ، اللھم صل علی محمد و علی اٰل محمد

بگذاشت فخر دیں چوں مہماں سرائے فانی　　بر آستانہ جاوداں قطب جاودانی
سال وصال آں از غیب چوں بجستم　　تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی
۱۱۹۹ھ

اولاد: شاہ فخر الدین صاحبؒ کے ایک فرزند تھے، ان کا نام غلام قطب الدین تھا، وہ دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ شاہ صاحبؒ جب دہلی تشریف لائے تو ان کو اپنی بہن کے سپرد کر دیا۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ غلام قطب الدین صاحبؒ سجادہ نشین

ہوئے، وہ اپنے زہد اور تقدس کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ محمد اکبر شاہ اور بہادر ظفر ان کے مرید تھے۔ ''شجرۃ الانوار'' میں لکھا ہے۔ حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ بادشاہ باعتقاد تمام مرید آں فرزند رشید حضرت فخر صاحبؒ گشتند وبعضے فرزنداں ومتعلقاں خود را نیز مرید کنانیدند۔

غلام قطب الدین صاحبؒ نے ۱۸؍محرم ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء کو وصال فرمایا۔ حضرت قطب صاحبؒ کے جوار میں سپرد خاک ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

میاں کالے صاحبؒ: غلام قطب الدین صاحبؒ کے بھی ایک ہی فرزند تھے، ان کا نام میاں نصیر عرف کالے صاحب تھا۔ دلی میں خواص وعوام سب ان کا ادب اور احترام کرتے تھے۔ میاں کالے صاحب کی حویلی گلی قاسم جان میں ہے، جو اب احاطہ کالے صاحب کے نام سے مشہور ہے، کالے صاحب نے ۱۵؍صفر ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۵ء کو وصال فرمایا۔ مہرولی دہلی میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (تاریخ مشائخ چشت: ج؍۵ ص؍۲۰۱)

حضرت مولانا ثناء اللہ سنبھلیؒ متوفی ۱۱۹۹ھ

تعارف: آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ظاہری علم کی بھی تحصیل کی تھی۔قرآن اور حدیث کا علم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے حاصل کیا۔طریقہ کی تعلیم آپ نے خلیفہ خواجہ موسیٰ خانؒ سے لی۔ذکر اور مراقبہ ان کا دائمی شغل تھا۔اوران کے حکم سے باطنی کمالات میں آپ سے استفادہ کیا۔طریقہ کے انتہائی مقامات پر پہنچے۔اورطریقہ کی تعلیم دینے کی اجازت ملی۔ اور بلدہ سنبھل میں درس وتدریس اور راہ حق تعالیٰ کی ہدایت وسلوک میں مصروف رہے۔علم وعمل اور صبر واستقامت سے متصف اور اعلیٰ اخلاق اور اوقات حسنہ کے لئے معروف تھے۔ وہ کہتے ہیں: حدیث وتفسیر کے درس سے نور اور صفا حاصل ہوتا ہے،اورنسبت احمدیہ کو طاقت اور ترقی ملتی ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ اس اعتقاد سے ہمیں پڑھنے پڑھانے کی توفیق دے اور نور وصفا سے مشرف فرمائے۔(مرتب)

اگرچہ نسبت کی کیفیات ہمیشہ شامل حال رہیں لیکن احوال وذوق نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی۔صاحب نفحات الانس (مولانا جامیؒ) نے کہا ہے کہ ان طائفہ کرام میں سے ایک نے انتہائی پیاس کی حالت میں ایک لشکری (سپاہی) سے پانی پی لیا۔تواس کے تمام باطنی حالات تباہ ہوگئے۔تیس سال گزر گئے ہیں کہ اس کدورت کا اثر اب تک باقی ہے۔انتہیٰ (مقامات مظہری:۳۷۳)

مولوی ثناء اللہ سنبھلیؒ نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حال پر بہت عنایت فرمائی، ایک روپیہ یومیہ مقرر فرمایا، چنانچہ اسی طرح واقعہ ہوا کہ اس خواب کے بعد ایک امیر آدمی نے ان کی ضروریات کے لئے ایک روپیہ روزانہ مقرر کر دیا۔

مرزا مظہرؒ کا مکتوب آپ کے نام:

وھو معکم اینما کنتم (تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے) تم وہاں جاؤ اور میری جانشینی کرو۔ کیونکہ اس ضلع میں سمجھ دار عالم اور صاحب نسبت درویش کوئی نہیں ہے۔ خاطر جمع رکھ کر اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ اور پریشانی کو دل میں جگہ نہ دو اور اپنے اوقات دین کے ظاہری و باطنی منافع کے حصول میں صرف کرو۔ اس پاک ذات نے تمہیں دولت دی ہے، یہی اس کا شکر ہے۔ حضرت جنید نے فرمایا ہے "**الشکر صرف النعمة فی مرضات المنعم**" (نعمت کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں صرف کرنا شکر ہے) انشاء اللہ جلد ہی تنگی وسعت میں بدل جائے گی۔

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود — مرد باید کہ ہراساں نہ شود

ترجمہ: کون مشکل ایسی نہیں جو حل نہ ہو سکے، انسان کو چاہئے کہ پریشان نہ ہو۔

اگر غیر سے کوئی چیز میسر آجائے تو اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہئے کیونکہ بغیر طلب اور سوال کے جو چیز ملتی ہے وہ توکل کے منافی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سنت نبویہ علیہا الصلوٰۃ والتحیہ کے متبعین اور خانقاہ عالی جاہ

نقشبندیہ مجددیہ کے درویشوں کی جمعیت ضائع نہ کرے۔ تعلیم طریقہ اور کتابوں کے درس کے لئے خود کو پابند کرلو۔ اس عمل میں اپنے اوقات صرف کرنا، دونوں جہانوں کی فتوحات حاصل کرنا ہے۔ ختم خواجگان اور ختم حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ حلقہ صبح کے بعد ہر روز لازمی طور پر کرو۔ اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ رکھو اور غیر سے ناامید ہو جاؤ۔ مرہٹہ کفار کے آشوب کی فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے دوستوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور مجھے حاضر ہی سمجھئے۔ انتہیٰ

حاجی محمد یار نے ان سے طریقہ کی تعلیم حاصل کی اور آپ ہی کی توجہات سے انہیں حضور و آگاہی کی نسبت حاصل ہوئی۔ پھر انھوں نے مولوی نعیم اللہؒ کی صحبت اختیار کی۔

حضرت احمد علیؒ نے بھی جو ان کے اصحاب میں سے ہیں آپ سے استفادہ کیا، نسبت قلبی کے جذبات سے مغلوب ہوئے۔ اور جذبات کی بے تابی سے سونا اور کھانا ترک کر دیا تھا۔ اکثر اوقات بے قرار اور حالات سکر سے سرشار رہتے۔ آپ ہی کی حسن تربیت سے ہوش میں آئے۔ اپنے باطن کے معاملہ کو فنائے نفس تک پہنچا کر طریقہ کی تعلیم کی اجازت حاصل کی۔ اور نسبت مع اللہ کی کیفیات میں مستغرق ہوئے۔ (مقامات مظہری: ۳۷۵)

وفات: آپ کا انتقال ۱۱۹۹ھ میں ہوا ہے، جیسا کہ بشارات مظہریہ میں مذکور ہے۔ اور سنبھل میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ (حاشیہ مقامات مظہری: ص/۴۰۸)

قال اللہ تعالیٰ

تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآئُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآئُ

(آل عمران:۲۶)

قولہ تعالیٰ:

”فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ“

تذکرہ سلاطین ہند

یعنی ہندوستان کے چند صالح، عادل اور متبع سنت بادشاہوں کے ملک وملت کی اہم خدمات اور عبرت آموز حالات، قابل تقلید اخلاق، بے مثال معدلت گستری، ہر قوم، ہر مذہب اور ہر ملت کے ساتھ غایت عدل وانصاف کے مختصر تذکرے حصہ سوم و چہارم و پنجم میں کئے جا چکے ہیں۔ اب اس حصہ ششم میں بادل نخواستہ عبرت ونصیحت کے لئے بعض ان بادشاہوں کا تذکرہ کریں گے جن کی نالائقی وناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اتنی بڑی حکومت مسلمانوں کے شامت اعمال سے ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اس سے پہلے کی جلدوں میں سلطنت مغلیہ کے منصف مزاج، رعایا پرور اور اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے دیندار بادشاہوں کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں۔

اب ہم اورنگ زیب عالمگیرؒ کے کمزور جانشینوں کا تذکرہ دردمنددل سے کرتے ہیں جس سے اس صدی میں اپنے علماء ومشائخ کی خدمات جلیلہ کا اندازہ ہوگا اور دل میں ان حضرات کی قدرومنزلت اور عقیدت وبصیرت میں اضافہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے دورفتن میں ایسی حکمت وعزیمت سے کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حضرت اورنگ زیبؒ کے کمزور جانشینوں کا اجمالی خاکہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے عہد (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) میں اورنگ زیبؒ کے بعد گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے، جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محمد معظم بہادر شاہ (ملقب بشاہ عالم بہادر شاہ اول) ابن اورنگ زیب عالمگیرؒ۔ (مدت حکومت ۵/سال ۲/ماہ) مگر افسوس کہ اسی نے رفض وشیعیت اختیار کرلیا تھا جس کے بعد سلطنت مغلیہ کے لئے فساد وانحطاط لازم تھا۔

العیاذ باللہ تعالیٰ۔

۲۔ معزالدین جہاندار شاہ ابن محمد معظم بہادر شاہ (مدت حکومت دس مہینے) اسی نے شراب نوشی کا بازار گرم کیا جس کی وجہ سے سلطنت کا زوال لازم تھا۔

۳۔ فرخ سیر ابن عظیم الشان ابن محمد معظم (مدت حکومت ۶/سال ۴/ماہ)

۴۔ نیکوسیر ابن محمد اکبر ابن اورنگ زیب عالمگیرؒ۔

۵۔ رفیع الدرجات ابن رفیع القدر۔ (مدت حکومت ۳/ماہ ۱۰/روز)

۶۔رفیع الدولہ بن رفیع القدر۔(مدت حکومت برائے نام)

۷۔محمد شاہ ابن جہاں شاہ نبیرہ بہادرشاہ، اسی کے دور میں نادرشاہ کا حملہ ہوا۔(مدت حکومت ۲/سال ۶/ماہ)

۸۔احمد شاہ ابن محمد شاہ ابن جہاں شاہ، انھوں نے ۶/سال ۱۰/ماہ حکومت کیا۔اسی کے دور سے انگریزوں کا اقتدار شروع ہوا۔

۹۔عزیز الدین عالمگیر ثانی ابن جہاندار شاہ۔اسی کے دور میں احمد شاہ ابدالی کا تیسرا حملہ ہوا۔

۱۰۔محی السنہ بن کام بخش بن عالمگیر ثانی(مدت حکومت چند دن)

۱۱۔شاہ عالم ابن عزیز الدین عالمگیر ثانی۔اسی نے انگریزوں کو حکومت کے اختیارات دیئے۔

گویا نصف صدی کی مدت میں گیارہ بادشاہ تخت نشین ہوئے، ان میں سے کسی کی مدت حکومت صرف دس مہینے، کسی کی چار مہینے سے کم، کسی سلطنت برائے نام، کسی کی چند دن کی حکومت رہی۔

اب ہم یہاں پر ان کے چند بادشاہوں کے حالات نقل کررہے ہیں جن میں سے بعض کی کسی قدر خوبیاں اور زیادہ کوتاہیاں سامنے آئیں گی جن کی وجہ سے اتنی بڑی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑا۔

اخیر میں بہادر شاہ ظفر کے حالات قدرے تفصیل سے درج کریں گے جن پر سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوا۔فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(دعوت وعزیمت: ج/۵ ص/۴۶)

محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اول متوفی ۱۱۲۴ھ

محمد معظم بہادر شاہ یہ عالمگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو دوسرے فرزند محمد اعظم شاہ کو شکست دے کر تخت نشین ہوا، عالمگیر کے مزاج و مسلک سے اس کے اختلاف کا سب سے بڑا اور پہلا ثبوت یہ ہے کہ اس نے شیعی مسلک اختیار کیا، جو نہ صرف عالمگیر کے عقیدہ و مزاج و مذاق کے خلاف تھا، بلکہ پورے تیموری سلسلۂ فرماں روایان سلطنت کے عقیدہ و مذہب اور طرز و مسلک کے خلاف تھا، اور اس سلطنت کے مصالح کے بھی مخالف تھا۔

چنانچہ اس تبدیلی کا نتیجہ عوام اور خود فوج میں نیم دلی بلکہ بددلی کی شکل میں نکلا، اور اس میں وہ مذہبی جوش نہیں رہا، جو گذشتہ مغل بادشاہوں کے دور میں ایک بڑی قوت محرکہ تھی، اس حقیقت کا احساس بعض غیر مسلم مورخوں تک کو ہوا ہے، ڈاکٹر ستیش چندر لکھتے ہیں کہ ''حکومت کی پالیسی پر مذہب کا اثر کمزور پڑ گیا۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں:

عالمگیر کے مرنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں انقلابات عظیم ہو گئے تھے، اور تمام تعلقات کی صورت بدل گئی تھی، اور مرہٹوں سے جو سلطنت تیموریہ کے تعلقات تھے، وہ بالکل کایا پلٹ ہو گئے تھے، سلطنت مغلیہ کمزور ہو کر قریب المرگ تھی، مگر مرتے دم تک (شاہ عالم بہادر شاہ نے) اپنی نخوت و تکبر سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔

وفات: اخیر عمر میں خفقان اور اختلال دماغ کا ایسا غلبہ ایسا ہوا کہ دار السلطنت لاہور میں ۱۹ر محرم ۱۱۲۴ھ کو جہان فانی سے رخصت ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

معزالدین جہاندارشاہ ابن معظم بہادرشاہ متوفی ۱۱۲۵ھ

بہادرشاہ کے بعد اس کا بیٹا جہاندارشاہ (۱۷۱۳ئ) تخت پر آیا، اس نے حکومت کی باگ ڈور ایک ناچنے والی عورت لعل کنور کے ہاتھ میں دیدی۔ اس کی ابروئے چشم کے اشارے پر لوگوں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی تھیں۔ کوئی ایسا اخلاقی سماجی اور انسانیت کا گناہ نہ تھا جو اس عورت کے اثر میں نہ کیا گیا ہو۔

قساوت قلبی: لعل کنور نے ایک دن اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی۔ حکم شاہی ہوا کہ یہ خواہش بھی پوری کر کے دکھا دی جائے۔

ف: چنانچہ کشتی میں ڈوبنے والوں کو دیکھ کر یہ دونوں قاسی القلب ہنسنے لگے، اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی قساوت قلبی کی بناء پر ظاہری کشتی نہیں بلکہ پوری سلطنت مغلیہ کی کشتی بھنور میں آگئی اور غرق ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (مرتب)

خود بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ لعل کنور کے ساتھ بازاروں میں پھرتا تھا اور اس کے ساتھ شراب خانوں میں شراب پیتا تھا۔ کبھی راون کے قلعے بنوا کر آگ لگاتا تھا۔ عیش وعشرت کے اس ماحول نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا اور حالات بد سے بدتر ہوگئے۔

اس کی محبوبہ لعل کنور پر دو کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا، دربار میں عیش وطرب کی محفلیں سجتی تھی اور تیل کا نرخ بڑھ گیا تھا۔ (تاریخ مشائخ چشت: ج ۵ / ص ۴۰)

صاحب ''بزم تیموریہ'' مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ بہادرشاہ کے بعد جہاندارشاہ تخت نشین ہوا۔ گو اس کی حکومت کی مدت دس مہینے

رہی، لیکن بوالہواسی اور ہوسنا کی نے شاہی دربار کی عزت وناموس کو ایسا صدمہ پہنچایا کہ آئندہ تمام تیموری سلاطین کی حکومت محض تذلیل وتضحیک کی داستان بن کر رہ گئی۔ (بزم تیموریہ: ج/۳ ص/۹۳)

مکافات عمل: سفلہ پروری اوامر الٰہی کے ترک اور گناہوں پر اصرار کا نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ جہاندار شاہ کی حکمرانی پر گیارہ مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ محمد فرخ سیر کے ہاتھ اس کو ذبح ہونا پڑا۔ بے شک انسان بڑا غافل ہے، عیش اور مستی میں بھول جاتا ہے اور ندامت اٹھاتا ہے۔ نہیں جانتا کہ بے اعتبار فانی دنیا مکافات کا گھر ہے، افسوس کہ انسان اس عقل وشعور کے باوجود اس چار روزہ دنیا پر فریفتہ ہوجاتا ہے، مگر ان دنیا پرستوں کا انجام حسرت ناک ہی ہوتا ہے، یا تو باوجود دولت واقتدار کے اسی دنیا میں لوگ اسے اپنے غم وغصہ اور انتقام کا نشانہ بنا لیتے ہیں اور وہ اپنے کئے کی سزا پا کر رہتا ہے یا پھر اسے دوسرے جہاں میں اپنے افعال کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ اس دنیا کی دولت کا یہاں کے عیش وکامرانی کا انجام ہے تو اتنا تلخ مگر لوگ اس قدر غافل اور مست ہوجاتے ہیں کہ غضب الٰہی کی پرواہ کئے بغیر نفس پرستی اور معصیت میں غرق رہتے ہیں۔ خاص طور سے جو لوگ سلطنت واقتدار کی مسند پر فائز ہوتے ہیں، ان کی آنکھوں پر تو غفلت کا ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ چار روزہ حکمرانی کی خاطر باپ بیٹے کو بیٹا باپ کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے سے دریغ نہیں کرتا، مگر ان کو دونوں جہانوں میں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے اور رسوائی ان کی دامن گیر رہتی ہے۔

وفات: دس مہینہ حکومت کر کے ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (منتخب اللباب: ج/۴ ص/۱۵۴)

ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ متوفی ۱۱۶۱ھ

محمد شاہ نے ۲۹/سال ۶/ مہینے حکومت کی، اس کا عہد پراز حوادث وواقعات ہے، اسی کے زمانہ میں نادر شاہ کا دہلی پر تاریخی حملہ ہوا، لیکن اس وقت سلطنت پر حاوی اور اس کے سیاہ سفید کے مالک یہی دونوں سادات بارہہ قطب الملک عبداللہ خاں اور امیر الامراء حسین علی خاں تھے، اس وقت اہل دربار کا تأثر یہ تھا کہ ''ان دونوں کے تسلط سے بادشاہ کو سوائے نماز جمعہ کے کسی احکام کے جاری کرنے کا مقدور نہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ج/۵ ص/۵۲)

اس کے بعد محمد شاہ پر تعیش کا وہ غلبہ ہوا کہ انھوں نے اس سے پہلے کے عیش پسندوں کو مات کردیا، اور ان کے واقعات بھلادیئے۔

چونکہ اکبر واورنگ زیب کا نیا جانشین درحقیقت اپنے اقبال منداجداد کی شاہانہ صفات سے عاری تھا، اسے اپنے عیش وعشرت کے مشغلوں میں معاملات ملک پر توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی، وہ محل سرائے شاہی بیگمات سے بھی زیادہ سلطنت کے حالات سے بے خبر اور اس کی خرابی کی طرف سے بے پرواہ تھا، حتی کہ اس کی دادی (شاہ عالم بہادر شاہ کی ملکہ مہرپرور) کی نسبت ہم جابجا پڑھتے ہیں کہ وہ بھی اپنے مدہوش پوتے کو بار بار اس خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کرتی تھی، جس کا صریح نتیجہ زوال وادبار تھا۔

غرض وہ سلطنت جو بابر کے عزم جہاں کشا اور اس کے استقلال اور جفا

کشی سے قائم ہوئی تھی، اور جس کو اس کے جانشینوں نے اورنگ زیب تک اپنے جوہر شجاعت اور غیرت تیموری سے قائم رکھا تھا، اس عیش کوشی اور غفلت اور خود فراموشی کی منزل پر پہنچ گئی، جو موروثی اور مطلق العنان سلطنتوں کی تاریخ بلکہ تقدیر بن گئی ہے۔ اقبال نے صحیح کہا ہے ؎

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے　　شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

آخر اس کا نتیجہ وہی نکلا جس کو خود محمد شاہ نے کہا

ع　شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

کے بلیغ مصرعہ میں ادا کیا، ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ نے دہلی کا رخ کیا، اس نے اس سے پہلے محمد شاہ کو کئی خط لکھے تھے، لیکن بقول مؤرخ:۔

''یہاں ان دنوں عیش وعشرت کا زور وشور تھا، محمد شاہ بہادر صاحب سریر تھا، تن آسانی کے سوا کسی کام سے کام نہ تھا، ہر وقت ہاتھ میں جام اور بغل میں دل آرام تھا، کس کو دماغ تھا کہ نامہ کا جواب لکھتا''۔

نادر شاہ کے حملہ کی تفصیلات ہندوستان کی تاریخوں میں پڑھی جائیں، اس کے حملہ کے بعد دہلی کی کیا حالت ہوئی (ذہن میں رہے کہ اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عمر ۳۷؍سال کی تھی، اور وہ حجاز سے واپس تشریف لا چکے تھے) جس کا حال زار ''تاریخ ہندوستان'' میں پڑھا جا سکتا ہے۔

وفات: ۲۶؍ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ اپریل ۱۷۴۸ء کو محمد شاہ مرض اسہال میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوا، اور بقول مصنف تاریخ ہندوستان کہ تیس سال سلطنت کر کے خاندان تیموریہ ہی کو تباہی کے کنارہ پر پہنچا گیا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ج؍۵ ص؍۵۶)

جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی ۱۲۲۱ھ

محمد شاہ کے زمانہ میں اگر سلطنت مغلیہ کو اخلاقی وانتظامی طور پر زوال ہوا، اور ہندوستانی معاشرہ اور طبقۂ امراء کا رجحان "**الناس علی دین ملوکھم**" کے اصول کے مطابق عیش وعشرت، تن آسانی اور لذات اندوزی کی طرف تیزی کے ساتھ ہوا، تو شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں جو ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء میں تخت نشین ہوا، سیاسی طور پر زوال اپنے آخری مرحلہ تک پہنچ گیا، وہ اپنے ۴۷/سالہ عہد حکومت میں دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔ لڑائی میں اودھ کے نواب وزیر شجاع الدولہ اور میر قاسم کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ۱۷۶۴ء میں شاہ عالم نے انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی، اور ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے، جس کی رو سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کے اختیارات محاصل کی تحصیل وصول کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں آ گیا، شاہ عالم نے خود کو مرہٹوں کی پناہ میں دے دیا، اور الٰہ آباد اور کڑہ کے اضلاع ان کی طرف منتقل کر دیئے۔

علمی وروحانی حالت: سیاسی انتشار، اجتماعی بدنظمی اور انحطاط کے باوجود یہ دور انفرادی طور پر علمی کمالات، تدریسی وتصنیفی انہماک، روحانی یکسوئی، باطنی ترقی، اور نفوس کے تزکیہ واصلاح کا دور تھا، جس میں متعدد ایسی باکمال اور ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کو اس دور انحطاط سے کوئی مناسبت اور جن پر حالات سے یاس وہراس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ کہتے ہیں کہ بہت سے علمی وادبی

شاہکاران افراد کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

وفور علم، ذہانت، قوت تدریس اور حسن تصنیف کے لحاظ سے ہمیں اس دور میں مولانا احمد بن ابوسعید عرف ملاجیون امیٹھویؒ صاحب نورالانوار اور التفسیرات الاحمدیہ اور ملا حمداللہ سندیلوی، صاحب شرح سلم مشہور بحمداللہ اور مولانا محمد حسنؒ معروف بملا حسن فرنگی محلی صاحبِ شرح سلم مشہور بملا حسن اور مولانا رستم علی قنوجیؒ، شیخ صفۃ اللہ خیرآبادیؒ، شیخ علی اصغر قنوجیؒ، مولانا غلام علی آزاد بلگرامیؒ، مولانا غلام نقشبند لکھنویؒ، قاضی محب اللہ بہاریؒ مصنف ''سلم العلوم'' و ''مسلم الثبوت'' وغیرہ اصحاب علم وحکمت اسی صدی کے رجال واعیان تھے۔ تفصیل کے لئے ''تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۵'' ملاحظہ ہو۔

اخلاقی ومعاشرتی پستی: لیکن ان نامور اہل کمال اور مسیحا نفس شیوخ کاملین کی موجودگی میں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا مسلم معاشرہ اور خاص طور پر طبقۂ امراء سلطنت کے اثر، سیاسی زوال، دولت کی فراوانی، اور ایرانی تہذیب کے اثر سے اخلاقی زوال کے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا تھا، اور اسی وجہ سے وہ اس کردار کے ادا کرنے سے قاصر تھا، جو طبقۂ امراء نے ہر دور میں انقلاب سلطنت کے موقعہ پر ادا کیا ہے، اسی طبقہ میں سے وہ افراد سامنے آئے ہیں، جنھوں نے اس خلا کو پر کردیا ہے، جو سیاسی وانتظامی میدان میں پیدا ہوجاتا تھا۔

وفات: متعدد لڑائیوں کے بعد ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک انگریزی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا، مرہٹوں کو نکال دیا، اور بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سال مقرر کردی، شاہ عالم ۴۵/ برس تخت نشین اور ۱۸/ برس نابینا رہ کر ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں راہی ملک بقا ہوا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ج/۵ ص/۵۸)

معین الدین اکبر شاہ ثانی متوفی ۱۲۵۳ھ

محمد اکبر شاہ، شاہ عالم کے بیٹے مبارک محل کے بطن سے بدھ کے دن ۷ رمضان ۱۱۷۳ھ میں مکن پور زاہدان میں پیدا ہوئے۔ مبارک محل خاندان سادات سے تھیں۔ ذوالحجہ ۱۱۷۱ھ میں شاہ عالم نواب نجیب الدولہ کے یہاں قیام پذیر تھے۔ وہیں حبالۂ عقد میں آئیں۔

اکبر شاہ علوم رسمی سے واقف تھے۔ اپنے بھائیوں مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ کی طرح ان کو بھی شعر وسخن سے دلچسپی تھی۔ شعاع تخلص تھا مگر زیادہ تعلق صوفیاء کرام سے تھا۔

جلوس: شاہ عالم ۱۹ر نومبر ۱۸۰۶ء مطابق ۱۲۲۲ھ میں انتقال کر گئے۔ محمد اکبر شاہ ثانی کی عمر اس وقت ۴۶ رسال کی تھی۔ زیب افروز تخت سلطنت ہوئے۔

مرشد اکبر شاہ ثانی: اکبر شاہ ثانی مولانا فخر الدینؒ سے بیعت تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ ثانی باعتقاد تمام مریدین فرزند رشید حضرت فخر صاحبؒ گشتند وبعضے فرزندان ومتعلقان خود را نیز مرید کنانیدند۔

سخاوت: اکبر شاہ ثانی میں جہاں عشرت نوازی تھی وہاں بیحد سخاوت اور غرباء پروری بھی تھی، بڑھاپے میں لیتے دیتے زیادہ تھے۔ ایک دن حضرت سلطان جی کے فاتحہ خوانی کو گئے۔ تخت رواں پر سوار درگاہ میں پہنچے۔ ایک درویش

صورت شخص نظر پڑا۔ اس نے بادشاہ سلامت کو دیکھتے ہی السلام علیکم کہا۔ بخندہ پیشانی سلام کا جواب دیا۔ اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، انھوں نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ اتنے میں تخت رواں جنتی کوچہ میں داخل ہوا۔ ہمراہی آگے پیچھے ہو گئے۔ درویش نما شخص ہاتھ میں ہاتھ لئے چلتا رہا اور ہیرے کی انگشتری اتارنے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے ہاتھ ڈھیلا کر دیا۔ مگر چھنگلی میں سے انگشتری اتری نہیں۔ چھنگلی میں درد ہونے لگا، ہاتھ کھینچ لیا۔ مزار پر حاضری دے کر فاتحہ خوانی کے بعد قلعہ لوٹ آئے۔ ناظم کو حکم دیا کہ ایک ہزار روپیہ لے کر فوراً حضرت سلطان جی میں جاؤ۔ اس شکل وصورت کا درویش ملے گا اس کو میری جانب سے نظر کرنا۔ ناظم حسب الحکم گیا مگر وہ شخص رخصت ہو چکا تھا۔ واپس آکر بادشاہ سلامت سے عرض کیا۔ درویش کا پتہ نہ لگا۔ بادشاہ نے کہا۔ افسوس اس کی قسمت میں نہ دس ہزار کی انگشتری تھی اور نہ ایک ہزار روپیہ۔ چھنگلی میں ورم آ گیا۔ تین چار روز اس کی تکلیف اٹھائی۔

وفات: بادشاہ کو ارباب حکومت کی فتنہ پردازوں سے سخت صدمہ تھا اور وہ ان ظالمانہ واقعات سے بیحد اثر لے رہا تھا۔ کچھ عرصہ بیمار رہا اور جمعہ ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء کو بعمر ۸۴/سال لال قلعہ میں انتقال کیا۔ (تاریخ ملت: ج/۳ص/۸۱۹)

شاہزادہ فیروز شاہ متوفی ۱۳۱۳ھ

نام ونسب: نام فیروز شاہ، والد کا نام عالم بخت، دادا کا نام شاہ عالم ثانی اور نانا کا نام فرخ سیر ہے۔

خانوادۂ بابر کے وہ سینکڑوں نوجوان جو قلعۂ معلیٰ اور اس کے قرب وجوار میں رینگ رہے تھے، جو نکبت وافلاس کے باوجود سلاطین کے نام سے خوش ہوتے تھے، ان سب میں جس نے بابر کی یاد تازہ کی، یہ جواں ہمت فیروز شاہ تھا۔

حج کا سفر: فیروز شاہ، صاحب عالم مرزا ناظم بخت خلف شاہ عالم ثانی کا لخت جگر تھا، اپنے والد بزرگوار کی زیر نگرانی علوم مروجہ اور فوجی تربیت مکمل کر چکا تھا۔ قدرت نے اس کی فطرت کو مذہبی رجحانات سے نوازا تھا۔ چنانچہ حج بیت اللہ شریف کا شوق پیدا ہوا، اور غالباً شاہان مغلیہ اور موجودہ سلاطین (شاہزادوں) میں صرف یہی سلطان تھا جو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔ ادائے فریضہ کے بعد جب ہندوستان واپس پہنچا تو یہاں جنگِ آزادی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ شاہزادہ بظاہر بندرگاہ سورت سے جہاز پر سوار ہوا تھا، اور اسی بندرگاہ پر جہاز سے اترا۔ جس سے کچھ فاصلہ پر مالوہ کا وہ علاقہ تھا جہاں جہاد حریت نے شاہزادہ کی تگ ودو کے لئے میدان تیار رکھا تھا۔

مفتی انتظام اللہ شہابی تحریر فرماتے ہیں:

حکومت کو ان کی آمد کا پتہ لگا تو ان کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔

آپ کے مجاہدانہ کارنامے:

ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے:

وسط اگست میں مالوہ کے اندر سرکشی نے خاص خطرناک صورت اختیار کر لی تھی، اس کی سالاری کا منصب ''فیروز شاہ'' نام ایک مذہب دوست اور مجاہد شاہزادے نے سنبھال لیا۔ ''مندیسور [1]'' کے مسلمانوں نے دوسرے فرقوں کو ملا کر گولیار کی حکومت ختم کر دی اور شاہزادہ کی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ وہاں بہت سے مواتی، مکرانی اور افغانی موجود تھے۔ وہ ساتھ ہو گئے۔ مندیسور کا حاکم اور کوتوال زخمی ہوا۔ ایک افسر مارا گیا۔ پھر حاکم کے محل پر حملہ ہوا۔ خزانہ لوٹ لیا گیا۔ دفاتر جلا دیئے گئے، یہاں کے قدیمی امراء میں ایک شخص ''مرزا جی'' تھا، اس کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔

---

[1] مندیسور ریاست گوالیار کا مشہور مقام ہے جو اجین سے تقریباً اسی میل شمال میں واقع ہے۔ یہاں جولائی ۱۸۵۷ء میں ریاست گوالیار کی بعض سرکش افواج قابض ہو چکی تھیں۔ آہستہ آہستہ ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ پورے مغربی مالوہ میں انگریزوں کے خلاف آگ بھڑک اٹھی۔ اس مقام پر ادھر ادھر سے بہت سی فوج جمع ہو گئی تھی جس نے شاہزادہ فیروز شاہ کو اپنا قائد وسپہ سالار بنا لیا تھا۔ مندیسور کے آس پاس متعدد مقامات تھے جہاں ساز باز کے رشتے قائم ہو چکے تھے۔ ریاست دھار کا جوان راجہ اور اس کا وزیر ''رام چندر بابو جی'' نیز راجہ کی والدہ اور چچا انگریزوں کے خلاف بڑی گرمی دکھا رہے تھے۔ نیمچھ بھی اسی علاقہ میں ہے جہاں بغاوت کی آگ سلگ رہی تھی۔

ایسا بہتر نظم ونسق قائم کیا گیا کہ جنوب سے تمام روابط منقطع کر دیئے گئے۔ سرکاری ڈاک کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ انگریزوں نے قاصدوں کے ذریعہ خبریں بھیجنے کی کوشش کی تو انہیں پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

''دہلی چلو'' کا نعرہ اس وقت بھی بلند ہوا ہوگا۔ چنانچہ شاہزادہ گوالیار سے دہلی کی طرف بڑھا۔ اول دھول پور پہنچا۔ یہاں کے تحصیلدار سے ایک لاکھ روپیہ وصول کیا۔ افغانی ملازم رکھے۔ ابھی آگے نہیں بڑھا تھا کہ شکست دہلی کی خبر اس کے کانوں میں پڑی۔ لہذا دہلی کے بجائے آگرہ کا رخ کیا۔ انگریزی فوج نے کالی ندی پر آکر مقابلہ کیا اور شکست پا کر قلعہ بند ہوجانے پر مجبور ہوگئی۔ خدا جانے کیا مصلحت تھی کہ شہزادہ یہاں سے موات کی طرف چلا گیا۔ شیخ فضل علی رسالدار، جنرل عبدالصمد اور اس علاقہ کے میواتیوں نے ہمنوائی کی۔ دہلی کے بقیۃ السیف مجاہد بھی آکر مل گئے۔ اب یہ خاصی جمعیت ۲۶؍ستمبر ۱۸۵۷ء کو متھرا پہنچی۔ وہاں اس کے ساتھ ایک اور فوج مل گئی، جس میں زیادہ تر ۲۷ دیسی پیادہ فوج کے آدمی تھے اور ہیرا سنگھ اس کا صوبیدار تھا۔ اسی طرح وسط ہند (ناگپور) وغیرہ کے لوگ بھی اس فوج میں آکر شامل ہوگئے۔

یہ شاہزادہ اس جمعیت کے ساتھ فرخ آباد ''شاہ جہان پور'' ہوتا ہوا لکھنؤ پہنچا۔ یہاں ان کا بہت احترام کیا گیا۔ پہلے سلطان بہو صاحبہ کے مکان میں بسبب قرابت قریبہ اترے۔

سلطان بہو صاحبہ نے حضرت محل سے کہلا بھیجا کہ میں محتاج ہوں مجھ سے ان کی خدمت کیا ہو سکے گی؟ سرکار سے دوسرا مکان ان کے رہنے کو ملے تو اچھا

ہے، اس جہت سے ایک اور مکان علیحدہ ان کے قریب تجویز ہوا۔ مبلغ پانچ ہزار روپئے دعوت کے آئے۔

جب تک لکھنؤ میں مقابلہ جاری رہا شاہزادہ فیروز شاہ اسی جگہ رہا۔ جب لکھنؤ خالی ہوا تو اپریل ۱۸۵۸ء میں مولانا احمداللہ شاہ صاحب کے پاس شاہ جہان پور پہنچا اور شاہ صاحب کے ساتھ جنگ میں شریک رہا۔

شاہزادہ فیروز شاہ اپنی فوج کے ساتھ مراد آباد بھی پہنچا تھا۔ وہاں خان بہادر کا چچا ناظم تھا، اس نے کہلا بھیجا کہ شاہزادہ کے لئے چلا جانا ہی بہتر ہے۔ شاہزادہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم تھکے ہوئے ہیں اور روزے سے ہیں۔ آج ٹھہرنے اور روزہ افطار کرنے کی اجازت دیجئے۔ کل نجیب آباد چلے جائیں گے، ناظم نے منظور نہ کیا بلکہ فوج اور توپیں بھیج دیں۔ شاہزادہ نے مقابلہ کیا۔ ناظم کی فوج کو بھگا دیا اور اس کا سارا سامان ضبط کرلیا۔

نواب رام پور انگریزوں کے سخت حامی تھے۔ نواب صاحب نے فیروز شاہ کے مقابلہ کے لئے اپنے بھائی کاظم علی خان کو ایک فوج دے کر بھیجا۔ شاہزادہ نے اس کو بھی شکست دی۔ چھٹے دن نجیب آباد اور رام پور سے سات ہزار انگریزی فوج بھاری توپ خانہ اور پورے ساز و سامان کے ساتھ پہنچی۔ شاہزادہ اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ لہذا محصور ہونے سے پہلے مع فوج صحیح سالم نکل کر بریلی پہنچ گیا۔ جہاں نواب خان بہادر نے شاندار استقبال کیا۔ شاہزادہ کو اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھا کر جلوس کے ساتھ شہر کا گشت کیا۔

شکست بریلی کے بعد شاہزادہ مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کے پاس

شاہ جہان پور پہنچا۔ محمدی میں شاہ صاحب نے اپنی طاقت کو دوبارہ منظم کر کے حکومت قائم کی، تو شاہزادہ ان کے ساتھ ہی تھا۔ محمدی کی شکست کے بعد شاہزادہ نے نیپال کے بجائے دوبارہ اودھ کا رخ کیا۔ سندیلہ، بانگرمئو، صفی پور، خیرآباد، باڑی وغیرہ میں قسمت آزمائی کی۔ پھر ''بلہور'' کے گھاٹ سے دریائے گنگا کو عبور کیا اور ملاحوں کو دوسو روپئے انعام دیئے۔ بعدازاں مکن پور، درگاہ مدار، حوالی، اٹاوہ وغیرہ سے ہوتے ہوئے شیر پور کے گھاٹ پر جمنا سے پار اترا۔ جگہ جگہ مقابلہ ہوا۔ بے جگری سے لڑا اور صحیح سالم نکلتا چلا گیا۔

جنوری ۱۸۵۹ء کو وہ اندر گڈھ میں تانتیا ٹوپے سے جاملا۔ ۲۱/جنوری ۱۸۵۹ء کو اس سے الگ ہوا۔ اپریل ۱۸۵۹ء میں وہ سرونج کے جنگلوں میں تھا۔

مکہ معظّمہ کا سفر: اس کے بعد یہ تو تسلیم ہے کہ ہندوستان سے صحیح سالم بچ کر نکل گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ ہندوستان سے نکل کر کہاں پہنچا۔

کمال الدین حیدر (مصنف قیصر التواریخ) لکھتے ہیں:

آخر کار اٹک دریا اتر کر کابل سے ہو کر داخل ملک ایران ہوا۔ وہاں سے رہبری پاکر داخل ملک روس ہوا۔ کہتے ہیں، وہاں اپنی جماعت قلیل سے بخوبی بسر کرتے ہیں۔ وہاں کی سلطنت سے بجہت ناموری کچھ کفالت ہوتی ہے۔

مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی تحریر فرماتے ہیں:

وفات: روس ہو کر حجاز چلے گئے۔ مکہ معظّمہ میں اقامت اختیار کی۔ ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(علماء ہند کا شاندار ماضی: ج/۴ ص/۲۶۶)

ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر متوفی ۱۲۷۹ھ

ولادت: ۲۸ / شعبان المعظم ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء بروز سہ شنبہ آپ کی ولادت ہوئی۔ والد کا نام شاہ عالم تھا۔ والدہ کا نام لال بائی تھا۔

مختصر حالات: ابوظفر جب سن شعور کو پہنچے تو حافظ ابراہیمؒ اتالیق مقرر ہوئے، اور مشہور قاری حافظ محمد جمیلؒ نے قرآن کی تعلیم دی۔ مشہور خوشنویس سید جلال الدین حیدر مرصع رقم کے والد میر ابراہیم علی شاہؒ نے تحریر کی مشق کرائی۔ عربی اوسط درجہ کی اور فارسی ادب کی تکمیل کرنے کے علاوہ تیراندازی، شہسواری، تیغ زنی، نشانہ بازی اور فن نبوٹ میں یدطولیٰ حاصل کیا۔ (تاریخ ملت: ۸۲۳)

عالم شہزادگی: ابوظفر آداب شاہی سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کی صحبت اٹھائی تھی۔ اوائل عمری سے رکھ رکھاؤ تھا۔ بزرگوں کی تعظیم اور ان سے حسن عقیدت تھی۔ شاہ عبدالعزیز کے نواسہ شاہ محمد اسحاق صاحبؒ اور مولوی محمد یعقوب صاحبؒ انگریزوں کے مظالم اور ان کے جور وتشدد اور مداخلت فی الدین کو گوارا نہ کر سکے۔ انہوں نے اس ملک کو دارالحرب قرار دیا۔ کیونکہ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں انگریزوں نے محکمہ شریعت اڑا دیا جس محکمہ کے مفتی خان بہادر مفتی انعام اللہ گوپاموی ؒ تھے۔ اس کے بجائے الہ آباد میں صدر نظامت قائم کیا اور اس کا وکیل سرکار مفتی صاحب کو مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ علماء کے لئے سخت روحانی صدمہ کا تھا۔ چنانچہ شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے اور ان کے

بھائی نے دلی میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ہجرت کا ارادہ کرلیا اور حجاز کے لئے مہرولی روانہ ہوئے۔عمائدین شہر اور ابوظفر بھی آپ کے ساتھ ساتھ گئے۔ رخصت کرتے وقت بہت رنجیدہ ہوئے۔ان کے مخصوص احباب میں مولانا فضل حق خیر آبادیؒ، مفتی صدرالدین خان آزردہؒ، حکیم مومن خاںؒ، مولانا امام بخش صہبائیؒ، علامہ عبداللہ خاں علویؒ، مولوی رشیدالدینؒ جیسے حضرات تھے۔

شریعت کی پابندی: ابوظفر علمائ، صلحاء کی صحبت کی وجہ سے شریعت حقہ کے بڑے پابند تھے، حتی الامکان منہیات سے پرہیز کرتے تھے۔نوافل، اورادووظائف کی پابندی فرماتے تھے۔اوائل عمری سے صوفیائے کرام سے حسن عقیدت تھی۔ حضرت قطب الدینؒ ابن مولانا فخرالدین دہلویؒ سے بیعت تھے۔آپ کی پاکبازی اور خداترسی کی عام شہرت تھی۔

ف: سبحان اللہ! شریعت کے کس قدر پابند تھے، اور خداترسی سے موصوف تھے۔(مرتب)

اخلاقی زندگی: بہادرشاہ جملہ مکارم اخلاق سے متصف تھے۔عجز انکسار، عفو وحلم، تراحم اور حسن خلق کے زیوروں سے آراستہ تھے۔بوئے نخوت ورعونت پاس ہوکرنہیں گذری تھی۔ زہد وطہارت اور تقویٰ کی جانب مائل تھے۔آغاز بلوغ سے پرہیزگاری اور فیاضی کی وجہ سے ہردلعزیز تھے اور نیک نامی کی شہرت تھی۔ اپنے خادموں کو بلاکھلائے خود طعام میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! اسلامی اخوت کا کس قدر پاس ولحاظ تھا جس کی ادائیگی ہرحال میں ضروری خیال فرماتے تھے، جیسا کہ ان کے حالات سے اس کا بخوبی اندازہ

ہوتا ہے۔مگرافسوس کہ اس دور کے درویشوں اور فقیروں میں یہ باتیں عنقاء ہیں۔واللہ الموفق (مرتب)

لطیفہ: نواب زینت محل بادشاہ سے کھنچنے لگی۔بادشاہ مخاطب ہوتے،مگر وہانا کانی کرتیں یعنی وہ متوجہ نہ ہوتیں۔بادشاہ کو یہ بے رخی کہاں گوارا تھی۔صبح کے اوراد سے فارغ ہوکر چہل قدمی کے لئے اٹھنے کو تھے۔زینت محل رخ بدلے ہوئے گزریں۔ بہادرشاہ بولے۔زینت ایک شعر تو سنتی جاؤ خوب ہے۔وہ ٹھہر گئیں ؎

کیا کان بھر دیئے ہیں خدا جانے غیر نے — غصہ میں جو پھرے ہے وہ کافر پھرا پھرا

بیگم مسکرادیں۔پھر ہر دو مل بیٹھے اور حیات باغ میں چہل قدمی کو بادشاہ کے ساتھ گئیں۔

ف: یہ بھی اہلیہ کی حسن رعایت ومعاشرت کی مثال ہے جو عین اتباع سنت ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کے بارے میں حسن الاخلاق تھے اوران کوخوش رکھنا چاہتے تھے۔(مرتب)

معمولات: بہادرشاہ صبح بعد ادائے فرائض خاص طبیب کونبض دکھاتے، پھر دربار خاص میں رونق افروز ہوتے۔دربار برخاست کرکے محل سرائے میں داخل ہوتے۔ دوپہر کا خاصہ تناول فرماتے، پھر آرام گاہ میں تشریف لے جاکر قیلولہ فرماتے۔پھر ظہر کی نماز ادا کرکے ذکر وفکر میں مشغول ہوتے،اورعصر کی نماز پڑھتے۔مغرب کا وقت آتا تو نماز ادا فرماتے۔پھر طعام نوش فرماتے۔عشاء کی نماز پڑھ کرخواب گاہ میں تشریف لے جاتے۔پھر تہجد کے لئے اٹھتے اور نوافل کی ادائیگی اور وظیفہ میں مشغول ہوکر صبح کاذب کے بعد آرام فرماتے۔یہ تھے روزانہ کے معمولات۔(تاریخ ملت:۷ ۸۳)

ف: ان حالات سے بخوبی معلوم ہوا کہ بہادر شاہ ظفر دیندار ہی نہیں بلکہ مثل اپنے جدامجد حضرت عالمگیرؒ کے صاحب نسبت بزرگ تھے۔ مولانا فخرالدین صاحبؒ سے بیعت تھے۔ اور ان کو اجازت وخلافت حاصل تھی، اور خود بھی بیعت کرتے تھے۔ چونکہ بہترین شاعر بھی تھے، اس لئے ان کے منظوم اقوال وارشادات ونصائح کو ''بزم تیموریہ'' سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ (مرتب)

بہادر شاہ ظفر کا شعری ذوق: بہادر شاہ ظفر تیموری سلاطین کا خاتم ہے، وہ بادشاہ بنا لیکن حکمرانی کے لئے نہیں بلکہ اپنے اسلاف کی سطوت وعظمت کی یاد میں خون کے آنسو بہانے کے لئے، سلطنت ایک بیرونی قوم کے قبضہ میں جاچکی تھی، سکوں پر سے آل تیموری کا نام مٹ چکا تھا، بادشاہ محض ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے رہ گیا تھا، پھر بھی بادشاہ کہلاتا تھا، اس کی ساری بادشاہی قلعہ معلیٰ کی چہار دیواری تک محدود تھی، جہاں نہ وہ سلطنت کے لئے فرامین صادر کرتا اور نہ اعیان حکومت کی مجلسیں منعقد کرتا، بلکہ صرف دل کے پھپھولے توڑتا اور جب وہ ٹوٹ کر بہہ جاتے تو اس کے سوز وگداز کا اظہار اپنے نالہائے موزوں سے کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کی آپ بیتی کو پڑھ کر دل پر جو اثر ہوتا ہے، وہ اور شعرا کی جگ بیتی سے نہیں ہوتا، خود کہتا ہے ؎

اے ظفر یہ ترے اشعار ہیں یا نالہ زار　　　کیا بلا ہیں کہ جو یوں دل میں اثر کرتے ہیں

ظفر تاج وتخت کا گو نہ سہی لیکن اقلیم سخن کا بادشاہ ضرور تھا، جہاں اس نے اپنی ذہانت وذکاوت اور طبیعت کی بے قراری کے ایسے جوہر دکھلائے کہ اگر وہ سیاسی امور میں انہیں اوصاف کو کام میں لاتا تو کیا عجب تھا کہ وہ اپنی ظفریاب فوجوں کے ساتھ اغیار کے شہروں اور ملکوں پر اپنی فتح وکامرانی کا پرچم لہراتا نظر

آتا اور ایک کامیاب مدبر اور سیاست داں بھی ثابت ہوتا لیکن نہ اب رزم کی معرکہ آرائیاں تھیں اور نہ بزم کی نکتہ آفرینیاں، لامحالہ ایک بے چین اور بے قرار ذہن کی تمام قوتیں ایک ہی طرف منتقل ہوگئیں اور وہ شعر و شاعری کا میدان تھا۔

کلام ظفر: آپ کے دیوان سے ایک نعتیہ قصیدہ ملاحظہ ہو۔

اے سرور دو کون شہنشاہِ ذوالکرم — سرخیل مرسلین و شفاعت گر امم
موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق — مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم
رنگ ظہور سے ترے گلشن رخ حدوث — نور وجود سے ترے روشن دل قدم
ہوتا کبھی نہ قالب آدم میں نفخ روح — بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تیری دم
کرتا تھا جس سے مردہ کو زندہ دم مسیح — تھا شمہ تیرے خلق کا وہ اے علوشیم
ٹوٹا جو کفر قوت اسلام سے تری — صد جائے سے شکستہ ہے زقار موج یم
تھا سریر اوج رسالت پہ جلوہ گر — آدم نہاں ہنوز پس پردہ عدم
کرتا ہے تیرے اسم مبارک کو دل پہ نقش — اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا ورم
اے معدن کرم تری ہمت کے روبرو — کم تر ہے سنگ ریزہ سے قدر نگین جم
جو کچھ سوائے عرش وہ سب اس کے سایہ میں — تیرا ہوا ہے جاہ کا برپا جہاں علم
صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں — رکھتا سر زمیں نہ اگر اپنا تو قدم
محروم تیرے دست مبارک سے رہ گیا — کیوں کر نہ چاک اپنا گریباں کرے قلم
عالم کو تیرا نور ہوا باعث ظہور — آدم ترے ظہور سے ہے مظہر اتم
ہیں زائران روضہ اقدس ترے جہاں — آتا ہے پائے بوس کو واں روضہ ارم
واللیل تیرے گیسوے مشکیں کی ہے ثنا — والشمس ہے ترے رخ پرنور کی قسم

انصاف تیرا دیوے جو داد ستم کشاں　　دندان سین آرہ کشاں ہو سر ستم
قرآں میں جب کہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا　　کیا تاب پھر قلم کو جو کچھ کر سکے رقم
تیری جناب پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض　　صدقے میں اپنی آل کے اے شاہ محتشم
صیقل سے اپنے لطف وعنایت کے دور کر　　آئینہ ضمیر سے میرے غبار غم
پہنچا نہ آستان مقدس کو تیرے میں　　اس غم سے مثل چشمہ ہوئی میری چشم نم
پر خاک آستاں کو تری اپنی چشم میں　　کرتا ہوں سرمہ میل تصور سے دم بہ دم

اہل نظر جانتے ہیں کہ نعت کہنا کتنا مشکل ہے، بقول عرفی

ع　　رہ بردم تیغ است قدم را

لیکن ظفر کے ہم عصر شعرا میں اتنا مؤثر نعتیہ قصیدہ کسی نے نہیں کہا، وہ کچھ اور نہ بھی کہتا تو صرف یہی قصیدہ اس کے اعجاز شاعری کے لئے دلیل و برہان تھا۔ دیوان کا دوسرا، تیسرا حصہ حمد سے شروع ہوتا ہے، جس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں:

حمد

شاباش دلا ارشدک اللہ تعالیٰ　　پہچانا اسے تو نے جسے دیکھا نہ بھالا
اللہ رے ظفر کو تری جنبش مژگان ستم کیش　　اک پل میں کئے تو نے دو عالم تہ و بالا
ادا پورا نہ ہو یک حرف اصلا حمد یزداں کا　　اگرچہ صد زباں ہو دو زباں خامہ سخن داں کا
اگر ہو جائے پارہ پارہ دل اس کی محبت میں　　تو پھر ہر پارۂ دل کو سمجھ سی پارہ قرآن کا
جسے خیال ہے کچھ رحمت الٰہی کا　　گناہ سمجھے ہے دعوا وہ بے گناہی کا
یہ لطف دیکھ کر خود بے نیاز ہے لیکن　　دھیان ہے اسے بندوں کی خیر خواہی کا
تم اپنے جی میں عزیز اور ذلیل ٹھہرالو　　خدا ہے ایک مہ ومہر ومرغ و ماہی کا

ظفر کی المیہ شاعری: اوپر کی سطروں میں کہا گیا ہے کہ ظفر کی تمام شاعری الم و یاس اور اندوہ وغم سے بھری ہوئی ہے، بعض غزلیں تو پوری کی پوری المناک جذبات سے لبریز ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی مٹی ہوئی شوکت اور گذری ہوئی حشمت پر بے اختیار ہو کر روتا ہے اور آنسو بہا بہا کر کہتا ہے ؎

بلا سے گرچہ ہوتا راز دل افشا ہے رونے میں
نہ روکو مجھ کو رونے سے مزا آتا ہے رونے میں
پڑا ہے کشتی افلاک کا رونا زمانے میں
مری آنکھوں نے وہ طوفاں کیا برپا ہے رونے میں
مری دیوانگی کا اے پری رو ہے عجب عالم
کبھی رونے میں ہنستا ہے کبھی ہنستا ہے رونے میں
سنا ہے نوح کے طوفاں کو یارو میں نے کانوں سے
مگر آنکھوں سے اپنی ہم نے وہ دیکھا ہے رونے میں
لگے آگ ایسے رونے کو کہ مثل شمع گھل گھل کر
بہا جاتا مرا دل سوز سر تا پا ہے رونے میں
ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے
رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے میں

زمانہ انقلاب آفریں ہے:

نہ دائم غم ہے نے عشرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے
تبدیلیاں ہے ہر ساعت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

کوئی دن ہے بہار گل پھر آخر ہے خزاں بالکل
چمن ہے منزل عبرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

اسی لئے اس کا پیام ہے کہ فلک کے تمام مظالم کے باوجود انسان کی ہمت مردانہ کا اقتضا یہ ہے کہ صبر وضبط سے کام لے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ کہتا ہے۔

صبر وتحمل کی تلقین:

ستم کرنا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں پیہم
دل اس کے ہاتھ سے پر درد ہے اور چشم ہے پرنم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہوں گے لاکھ غم پر غم
کہے جاؤں گا میں ہردم یہی جب تک ہے دم میں دم
خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

اور جب انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرنے لگتا ہے تو پھر دنیا کے تمام لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے ؎

بلا سے اگر نہیں کوئی رفیق و آشنا میرا خدا پر دھیان ہے میرا نگہباں ہے خدا میرا
خدا آساں کرے گا گو ہے مشکل مدعا میرا خدا حامی ہے میرا اور خدا مشکل کشا میرا
خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

ناصحانہ ارشادات: اسی طرح بعض جستہ جستہ ناصحانہ خیالات دیوان میں بہت کچھ ملیں گے، مثلاً ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم وذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

عقل پر ناز ہے قدرت پر نظر کس کو ہے　　سب کو فکر آج کی ہے کل کی خبر کس کو ہے

فنا ہے ساتھ تو پھر زندگی سے کیا حاصل　　فنا سے پہلے فنا ہو کہ ہو بقا حاصل

جو دل کو صاف ہو کرنا تو خاکساری کر　　کرے ہے خاک سے دیکھ آئینہ صفا حاصل

خاک کا پتلا ہے انساں اے ظفر اس کے لئے　　سرکشی اچھی نہیں ہے خاکساری کے لئے

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے　　اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہنستی خوب ہے

اے ظفر چاہئے بندے کو گنہ سے پرہیز　　ورنہ کچھ شک نہیں غفار کی غفاری میں

گلشن دنیا نہیں جائے قیام اے غافلو　　غنچہ ساں تم دوش پر رخت سفر باندھے رہو

جو کہ ہے قسمت میں ہونا ہوگا آخر کو وہی　　اے ظفر کیا شکوہ اس کا یوں ہوا یا ووں ہوا

برے ہیں یا بھلے ہم تم ظفر لیکن غنیمت ہیں　　کہ یاں آئیں گے پھر پھر کر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

دنیا سے جس نے کھینچ لیا ہاتھ اے ظفر　　پھیلائے پاؤں کیوں نہ ہو کنج فراغ میں

آدمی کو چاہئے آدم شناسی اے ظفر　　ہے یہ فرمودہ ہمارے حضرت تیمور کا

منعم اس دولت دنیا پر نہ کر دیکھ غرور

سیکڑوں گور میں کیا کیا نہیں بہرام دبے

ظفر کی صوفیانہ شاعری: یہی ناصحانہ خیالات آگے چل کر صوفیانہ خیالات میں تبدیل ہو گئے ہیں، حوادث زمانہ اور واردات زندگی نے ظفر کے دل میں اپنے مالک حقیقی کی ایسی لگن پیدا کر دی تھی کہ آخر میں وہ بادشاہ وقت ہونے کے بجائے ایک صوفی منش فقیر ہو گئے تھے، ان کی زندگی صبر وتوکل اور استغناء کی داستان ہے، طبیعت میں فقر و درویشی کا خمیر موجود تھا، ہجوم مصائب نے ان کو اور تیز کر دیا، عہد طفلی

ہی میں مولانا فخرالدین سے شرف بیعت حاصل کیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

مرشد پاک رواں فخرالدین　　قبلہ و کعبہ جاں فخرالدین
اک جہاں فخر جہاں کہتا ہے　　پر ہے فخر دو جہاں فخرالدین
میں گدا ہوں ترے دروازے کا　　جاؤں اس در سے کہاں فخرالدین
موج زن ہے ترا دریائے کرم　　از کراں تا بہ کراں فخرالدین

(بزم تیموریہ:۱۲۸)

شاہزادوں کے سر مبارک کو بادشاہ کے حضور پیش کرنا:

بہادر شاہ مقبرہ ہمایوں میں تھے۔ پچاس گورے لے کر ہڈسن پہنچا، باہر کھڑا رہا۔ چنانچہ بادشاہ سلامت باہر لائے گئے اور پہلے انہیں اور زینت محل اور جواں بخت کو پالکی میں سوار کئے گئے۔ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان بیل گاڑی میں سوار ہوئے۔ بیل گاڑی قلعہ کو روانہ کی گئی راہ میں ان دونوں سے پہلے ہڈسن نے ہتھیار لئے اور ہر دو کو گولی ماردی اور شہزادوں کو کوتوالی کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ لال کنواں پر بادشاہ زینت محل کی محل سرائے میں ٹھہرائے گئے، نواب زینت محل اور مرزا جواں بخت بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ ہڈسن نے ایک خوان میں شہزادوں کے سر مبارک کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے۔ سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے۔ ہڈسن خبیث عالی جاہ بہادر شاہ ظفرؒ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر اس کے افسر نے اس فعل سے باز رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو فی النار والسقر پہنچائے، آمین

ان کی اہلیہ زینت محل، جواں بخت اخیر تک ہمراہ تھے۔ ''آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما'' کے مصداق ہوئے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

وفات: ۷؍نومبر ۱۸۶۲ء مطابق ۱۲۷۹ھ کو عالم غربت میں بہادر شاہ ظفر نے وفات پائی۔ اور رنگون کی سرزمین کو ان کی تدفین کی سعادت نصیب ہوئی۔

اناللہ وانا الیہ راجعون ونور اللہ مرقدہ (تاریخ ملت: ۸۵۰)

عبرت: اس ماتم میں دنیا کی بے ثباتی کا پورا نقشہ ہے، ظفر کی زندگی اور پھر اس کا المناک خاتمہ کچھ ایسا تھا کہ وہیں دنیا کی بے ثباتی کی مکمل اور پر درد تصویر کھینچ سکتا تھا، ایک جگہ کہتا ہے ؎

صبح گلشن میں صبا تیرا اگر ہووے گزر ... کہیو بلبل سے ذرا اتنا کہ شوریدہ سر
کررہی ہے چہچہے کیا شاخ گل پر بیٹھ کر ... یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

دنیوی سلطنت کی بے ثباتی:

سب کار جہاں ہیچ ہے سب کار جہاں ہیچ ... اس ہیچ سے امید ہے اے ہیچ مداں ہیچ
مانند حباب ایک نفس میں ہے خرابی ... اس منزل فانی میں ہے بنیاد مکاں ہیچ
اک عمر رہے مایۂ دنیا سے گراں بار ... آخر کو جو دیکھا تو بجز بار گراں ہیچ
اس باغ میں تھوڑی سی بہار اور پھر اس پر ... اے نو گل خنداں مجھے تشویش خزاں ہیچ
جو جنس تنک مایہ ہستی کے نہ خواہاں ... یہ جنس پہ بازار یہ گوہر یہ مکاں ہیچ
آواز طرب گوش دل محو فنا سے ... جز نالہ و فریاد و بجز آہ و فغاں ہیچ
پایا نہ بجز داغ سیہ کاری یک عمر ... نقش قدم قافلہ عمر رواں ہیچ
کیا دیکھیں ظفر خانہ ہستی کا تماشا ... اس وہم کدہ میں بجز وہم وگماں ہیچ

(تاریخ ملت: ۱۲۴)

بہادر شاہ ظفر کے لئے نعمائے آخرت

یہ حقیر محمد قمر الزمان عرض پرداز ہے کہ حضرت ابوظفر بہادر شاہ کی وفات اگرچہ غربت ومسکنت کے حال میں ہوئی جو ہم ظاہر بینوں کے خواہ کتنی ہی حسرت وکلفت کا باعث ہومگر درحقیقت ان کے لئے موجب صد مسرت ورحمت ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکنت والی حیات اور مسکنت والی موت کے لئے دعا فرمائی ہے، بلکہ ممات کے بعد مساکین کے زمرہ میں محشور ہونے کے لئے دعا فرمائی ہے۔ چنانچہ دعائیہ کلمات طیبات یہ ہیں ''**اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین**''

ف: اس دعاء نبوی کے پہلے دونوں جزئ (مسکنت کی حالت میں موت وحیات) کے مطابق ان کی موت اسی مسکنت کی حالت میں ہوئی ، اب رہی زمرۂ مساکین میں محشور ہونا تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ یہ نعمت بھی نصیب ہوئی ہوگی۔ چنانچہ یہ سب نعمتوں کا حصول بادشاہ کے لئے موجب مسرت ہی نہیں بلکہ موجب صد سعادت ہے۔ **فھینًا لھم** (مرتب)

اس کے علاوہ آپ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ کے لخت جگر کے سر کو کاٹ کر آپ کے حضور میں پیش کیا گیا، مگر آپ نے کچھ نہیں فرمایا بلکہ ایک سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے۔ اب اس سے بڑھ کر حیات وزندگی میں مسکنت کیا ہوگی جو ان کو نصیب ہوئی۔

اس کے بعد رنگون لے جائے گئے اور غربت وضیق وتنگی میں وفات پائی،

تو اس سے زیادہ موت وآخرت کی طرف رحلت میں مسکنت کا ظہور کیا ہوگا جو ان کو غیر اختیاری طور پر نصیب ہوئی، جو بالکل عیاں ہے۔

رہی زمرۂ مساکین میں محشور ہونا تو انشاء اللہ اس شرف سے ضرور نوازے جائیں گے۔ اور اپنے کو سلاطین کی جماعت میں محشور ہونے کے بجائے مساکین کے زمرہ میں محشور ہونے کو اپنی سعادت سمجھیں گے۔ اور اس شعر سے مترنم ہوں گے ؎

ایں آں سعادتیست کہ حسرت برد بریں　　　جویائے ملک قیصر و تخت سنجری

دوسری سعادت: ان کی دوسری سعادت یہ ہے کہ فرائض ہی نہیں اوراد واذکار مسنونہ کے پابند تھے، لباس تقویٰ اور اخلاق حسنہ، تواضع وانکسار وغیرہ صفات سے متصف تھے، اور یہی علامت ہے ولایت کے حصول کی۔ پس جن بدبختوں نے ایسے ولی کو ستایا وہ اپنے حشر بد کو خوب سمجھ لیں، اس لئے کہ حدیث قدسی میں ہے "من عادی لی ولیا فقد آذنته للحرب" یعنی جو ہمارے کسی ولی کو ایذاء دے گا تو میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

تیسری سعادت: تیسری سعادت میرے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ"

پس میں سمجھتا ہوں کہ اس دار دنیا سے علو وفساد سے بچتے ہوئے اور تواضع وتقویٰ کے اوصاف سے متصف ہوتے ہوئے دنیا سے رحلت فرمایا، اس لئے اس ارشاد باری کے مطابق انشاء اللہ تعالیٰ دار آخرت کی نعمتوں سے ضرور

نوازے جائیں گے۔اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث پاک کے مصداق ہوں گے:

عن ابی ھر ھرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر۔

حضرت ابو ہر ہرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے اس کو دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ قلب بشر پر اس کا خطرہ گذرا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اخروی وابدی نعمتوں سے مشرف فرمائے اور اپنے خاص قرب وقبول سے نوازے۔آمین یارب العالمین

اب اخیر میں اس موقع پر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جامع دعا کو جو ہمارے زمان حال کے عین مطابق ہے نقل کرتا ہوں ،جس کو امت کے ہر ہر فرد کو اپنے ورد خاص میں شامل کرنا چاہئے۔وہ یہ ہے۔

”رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡلَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ“

ترجمہ: اے رب ہمارے نہ کر ہمیں ستم کش کافرلوگوں کا اور بخش دے ہمیں اے رب تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

چنانچہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ متوفی ۱۳۸۷ھ

اس دعا کی کثرت کی تلقین فرماتے تھے اور خود توبہ واستغفار کی ترغیب دیتے تھے۔اور اس دعا کی تفسیر کے لئے حضرت قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''تفسیر مظہری'' سے سناتے تھے۔جس کے اردو ترجمہ کو درج کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔وہ یہ ہے۔

''رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا۔الخ'' مناجات کو محکم کرنے اور درخواست رحم میں مزید قوت پیدا کرنے کے لئے ربنا کا دوبارہ ذکر کیا۔''فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا'' یعنی کافروں کو ہم پر مسلط نہ کر کہ ہم کو سخت ایذائیں دے سکیں اور ہم سے مواخذہ کریں اور اس وقت ان کے لئے فتنہ ہو یعنی ان کو عذاب دینے کا سبب پیدا ہو جائے۔

زجاج نے کہا''ان کو ہم پر غالب نہ کر ہم پر ان کو قابو نہ دے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حق پر خیال کرنے لگیں''۔

مجاہد نے کہا''ہم کو ان کے ہاتھوں عذاب نہ دے اور نہ اپنی طرف سے نازل کر ورنہ وہ کہیں گے کہ اگر یہ مومن حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔''وَاغۡفِرۡ لَنَا''یعنی''**مافرط منافان العاصی قدیکون سببا لتسلیط الکفار علی المومن**'' کبھی اپنے گناہوں کی وجہ سے مومن مبتلائے عذاب ہوجاتے ہیں اور کفار کا ان پر غلبہ ہوجاتا ہے،اس لئے مغفرت کی درخواست کی گئی۔

''اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ'' یعنی تو ہی ایسا غالب ہے کہ جس کو اپنی پناہ میں لے لیوے اور جو تجھ پر بھروسہ کرلے کوئی اس کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔''الۡحَکِيۡمُ''

حاکم، واقف، دعا کو قبول کرنے پر قدرت رکھنے والا۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فتنہ وفساد کے دور میں نہایت جامع دعا ارشاد فرمائی ہے، اس کو خضوع وخشوع سے کرنا ہے۔ ''**ربنا لا تسلط علینا من لا یرحمنا**'' اے ہمارے رب نہ مسلط کر ہم پر اس کو جو ہم پر رحم نہ کرے۔

اسلامی حکمرانوں کے اوصاف وفرائض

قولہ تعالیٰ: **اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔** (سورۂ حج :۴۱)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کام کا حکم کریں، اور برے کام سے منع کریں، اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

تفسیر: یہ ان مسلمانوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے آیت میں آیا ہے کہ ان کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے یقیناً مستحق ہیں کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو دنیا میں حکومت واقتدار دیدیا جائے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لمحہ بھر غافل نہ ہوں اور فسق وفجور، کبر وغرور کے بجائے وہ نماز قائم کریں، اور دولت وسلطنت کو نفس پرستی اور عیاشی کے بجائے ادائے زکوٰۃ میں خرچ کریں، اور نیکی کو دبانے کے بجائے اس کو ترقی دینے اور اس کی اشاعت کرنے میں اپنی ساری جدوجہد

صرف کریں۔ اور اپنی طاقت وقوت اور اقتدار وحکومت کو برائی کے کاموں کو مٹانے میں استعمال کریں۔ غرض یہ کہ خود بھی نیکی کی راہ پر چلیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر لگانے کی کوشش کریں۔

قرآن مجید کی اس آیت نے اسلامی حکومت کے نصب العین اور اسلامی حکمرانوں کی صفات وخصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا ہے، اور اسلامی طرز حکومت کی اصلی اور سچی تصویر پیش کردی ہے۔ اس آیت سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً مہاجرین کی فضیلت اور خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ یہی وہ حضرات ہیں جو سب سے پہلے اپنے گھروں سے مظلومانہ نکالے گئے اور یہی وہ حضرات ہیں کہ جب قرآن مجید کی پیشینگوئی کے مطابق ان کو حکومت ملی تو انھوں نے اپنی حکومت کو اسی کام میں استعمال کیا، نمازیں قائم کیں، زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا، اچھائیوں کو پھیلایا اور برائیوں کا راستہ بند کیا، یعنی سب فیصلے اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں اس لئے اگرچہ آج مسلمان کمزور اور کفار غالب اور طاقتور نظر آتے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ جب چاہے انھیں غالب اور فاتح کردے۔

(تبیان القرآن:۹/۴۴۹)

ف: لہٰذا آج مسلمان حکمرانوں کو اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ احکام پر مکمل عمل کرنا چاہئے تاکہ خود دین پر ثابت رہتے ہوئے ملک وملت کے بقا کا ذریعہ بنیں اور اللہ تعالیٰ کے زیر سایہ رہنے کی سعادت سے مشرف ہوں اور ملت اسلامیہ بھی ان کی اطاعت سے دین

ودیانت اور خیر وعافیت کی نعمتوں سے مالا مال ہو۔ واللہ الموفق (مرتب)

ظاہری فتح وشکست حق وباطل کا معیار نہیں

قولہ تعالیٰ: اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ وَتِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُہَدَآءَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ۔ (سورۂ آل عمران: ۱۴۰)

ترجمہ: اگر تمہیں کوئی زخم پہنچ جائے تو ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔ اور ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں اور تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں بعض کو شہید بنائے، اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

تفسیر: پھر ہماری حکومت کا تقاضہ یہی ہے کہ فتح وشکست، تکلیف وراحت اور دکھ سکھ کے دنوں کو لوگوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں، اس لئے کہ کبھی اہل باطل کو عارضی فتح اور کامیابی حاصل ہوجائے تو اہل حق کو اس سے بددل نہ ہونا چاہئے بلکہ اہل حق کی ناکامی کے اسباب کا پتہ لگا کر اس کا تدارک کرنا چاہئے۔ آخری فتح اہل حق ہی کی جماعت کو نصیب ہوگی۔ بہر حال محض ظاہری فتح وشکست اور کامیابی اور ناکامی حق وباطل کا معیار نہیں ہے۔ (تبیان القرآن: ۸۷)

ف: سبحان اللہ! کیسے مفید وبصیرت افروز مضامین بلکہ اسرار الٰہیہ ہیں جو نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہیں، ماشاء اللہ عزیزم مولانا سید غیاث الدین مظاہری نے آیات مذکورہ کی بہترین توضیح فرمائی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

عرض ہے کہ عزیزم مولانا مقصود احمد قاسمی گورکھپوری سلمہ نے اضافات کے سلسلے میں بہت ہی محنت وجانفشانی فرمائی، جس کی وجہ سے قابل تہنئت ہیں لہذا امید ہے کہ بقیہ جلدوں کو بھی اضافات جدیدہ کے ساتھ اختتام تک پہنچا کر سرخرو ہوں گے۔

اب انشاء اللہ تیرہویں صدی ہجری کے علماء ومشائخ کے حالات وارشادات نقل کرنے کی سعی کریں گے۔ واللہ الموفق

اب ہم اخیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ومناجات پر اقوال سلف کی جلد ششم کو ختم کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الۡفَوۡزَ فِی الۡقَضَاءِ وَنُزُلَ الشُّھَدَآءِ وَعَیۡشَ السُّعَدَآءِ وَمُرَافَقَةَ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالنَّصۡرَ عَلَی الۡاَعۡدَآءِ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَاءِ۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے کامیابی قسمت میں اور مہمانی شہداء کی اور عیش نیک بختوں کا سا اور ساتھ انبیاء علیہم السلام کا اور فتح دشمنوں پر کیونکہ تو سننے والا ہے دعا کا۔ (مناجات مقبول:۶۸)

بس یا اللہ! یا رب العزت اب سے ہم کو معاصی سے اجتناب کی توفیق مرحمت فرما تاکہ آپ کے فضل وکرم سے کفار کے تسلط سے ہم محفوظ رہیں۔ اور ہم کو طاعات کی توفیق سے مشرف فرما تاکہ آپ کی رضا وخوشنودی سے ہمکنار ہوں اور اسلام اور مسلمانوں کو عزت وشرافت اور عافیت نصیب ہو۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ آمین**

امت کے ہر فرد کے لئے ضروری اعمال

اولاً یہ کہ خود دین اسلام پر ثابت قدم رہنا چاہئے یعنی اپنے عقائد، اخلاق واعمال کو شریعت مقدسہ کے مطابق رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً" اے ایمان والو! ایمان میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "قل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمومنون" (سورۂ توبہ:۱۰۵) آپ کہہ دیجئے کہ عمل کئے جاؤ سو ابھی دیکھے لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان۔

(بیان القرآن)

ثانیاً یہ کہ ہر فرد کو دشمنوں کے مقابلہ میں حسب استطاعت، قوت اور طاقت کو مجتمع کرنا چاہئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (سورۂ انفال:۶۰) اور اے مسلمانو! جو قوت وطاقت اور زور تم سے بن پڑے وہ مہیا کرو۔

ثالثاً یہ کہ ہر فرد کو جملہ اسباب واعمال کے مہیا ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعاومناجات کا اہتمام کرنا چاہئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" (سورۂ مومن:۶۰) اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرونگا۔

چنانچہ اس حقیر کا دلی داعیہ وجذبہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الۡفَوۡزَ فِی الۡقَضَاءِ وَنُزُلَ الشُّھَدَآءِ وَعَیۡشَ السُّعَدَآءِ وَمُرَافَقَةَ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالنَّصۡرَ عَلَی الۡاَعۡدَآءِ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَاءِ۔

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے کامیابی قسمت میں اور مہمانی شہداء کی اور عیش نیک بختوں کا سا اور ساتھ انبیاء علیہم السلام کا اور فتح دشمنوں پر کیونکہ تو سننے والا ہے دعا کا۔ (مناجات مقبول:٦٨)

مزید حالات کے تقاضے کے مطابق یہ حقیر اس دعا کو امت کے لئے لازم سمجھتا ہے۔ وہ یہ ہے۔

اے اللہ! فوز وکامرانی، ظفرسلطانی وفتح ربانی ،فہم وفراست وشرف کرامت سے امت کو مشرف فرما۔ آمین

اب دلی تقاضا ہے کہ حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ المتوفی ١١٦٧ھ جن کا اخیر کے سلاطین مغلیہ سے خاص تعلق رہا ہے اور ان کے زمانے کے حالات کی ابتری اور تباہی وبربادی سے واقفیت رکھتے تھے جیسا کہ ان کی شہرۂ آفاق کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' کے مضامین سے ہویدا ہے، انھوں نے اپنے جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں ملک کی زبوں حالی کی مناسبت ورعایت سے جو جامع دعا فرمائی ہے اس کو نقل کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم لوگوں کے حق میں بھی ان دعاؤں کو قبول فرمائے، اس لئے کہ ہمارے حالات بھی بد سے بدتر ہو چکے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اور اسی پر اپنی اس کتاب ''اقوال سلف حصہ ششم'' کو تمام کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جو انشاء اللہ خیر ختام ثابت ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ وَ اَنْصَارَہٗ وَ اَذِلِّ الشِّرْکَ وَ اَشْرَارَہٗ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَ اجْعَلْ آخِرَتَنَا خَیْرًا مِّنَ الْاُوْلٰی اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ عِبَادَ اللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ اُذْکُرُوا اللّٰہَ الْعَلِیَّ الْعَظِیْمَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَھَمُّ وَاَکْبَرُ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

والسلام خیر ختام

محمد قمر الزمان الہ آبادی

ادارہ معارف مصلح الامتؒ و دارالتزکیۃ والاحسان الہ آباد

۲۳ ذوقعدہ ۱۴۳۷ھ /۲۹ جولائی ۲۰۱۶ء

مصادر و مراجع اقوال سلف حصہ ششم

قرآن مجید	کلام اللہ تعالیٰ
تفسیر مظہری	حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ
بیان القرآن	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
تبیان القرآن	عزیزم مولانا سید غیاث الدین صاحب مظاہری
مناجات مقبول	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
فیض القدیر شرح جامع الصغیر	علامہ المناویؒ
ابن ماجہ شریف	امام ابن ماجہ القزوینیؒ
تذکرہ شاہ عبد الرحیم دہلویؒ	حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی
تذکرہ شاہ ابوالرضا محمد دہلویؒ	// // // //
مشائخ احمد آباد جلد دوم	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا
مشاہیر علماء فرنگی محل	حضرت مولانا خالد رشید فرنگی محلی
نزہۃ الخواطر	حضرت مولانا سید عبدالحئی رائے بریلویؒ
محبوب التواریخ یعنی تذکرہ اولیاء دکن	حضرت سید یوسف محمد الحسینی المعروف شاہ راجو قتالؒ
مقاصد العارفین	حضرت مولانا شاہ عضد الدین امروہیؒ
شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں	حضرت مولانا عبد المالک صاحب پاکستان
تاریخ شیراز ہند جونپور	حضرت سید محمد اقبال جونپوری

مشائخ الہ آباد	مکرم نظام الدین صاحب الہ آبادی
حالات مشائخ نقشبندیہ	حضرت مولانا محمد حسن صاحب بجنوریؒ
شاندار ماضی	حضرت مولانا سید محمد میاں دہلویؒ
تذکرہ شاہ علم اللہ رائے بریلویؒ	رت مولانا سید محمد حسنی لکھنویؒ
ظفر المحصلین	حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہیؒ
حدائق حنفیہ	حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پاکستان
فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین	حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی اعظمیؒ
مقامات مظہری	حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ
تحفۃ السالکین	حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ
دیار پورب میں علم اور علماء	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ
تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	عزیزم مولوی محبوب احمد قمر الزمان ندوی
انفاس العارفین	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ
مکتوبات شاہ عبد الرحیم	حضرت شاہ اہل اللہ صاحب دہلویؒ
تذکرہ علماء بنارس	حضرت مولانا مفتی وسیم صاحب قاسمی بنارس
تاریخ مشائخ چشت پنجم	مکرم پروفیسر خلیق احمد نظامی علیگڈھ
سراج منیر (قلمی نسخہ)	حضرت مولانا سید محمد اکمل اجملی الہ آبادی
تذکرہ علماء ہند فارسی	مکرم رحمان علی صاحب ممبر کونسل مقام ریواں
ماہنامہ الشارق	جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظمگڈھ
تذکرہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

تاریخ دعوت وعزیمت پنجم	〃 〃 〃 〃
اعیان الحجاج دوم	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ
فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن	حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ
الفوز الکبیر	〃 〃 〃 〃
حجۃ اللہ البالغہ	حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ
تفہیمات الٰہیہ	〃 〃 〃 〃
القول الجمیل	〃 〃 〃 〃
ازالۃ الخفاء	〃 〃 〃 〃
خلافت راشدہ ترجمہ ازالۃ الخفاء	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ
مقاصد السالکین	حضرت خواجہ ضیاء الدین نقشبندی کشمیری دہلویؒ
درالمعارف	حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلویؒ
چہار باب	حضرت شاہ اہل اللہ صاحب دہلویؒ
تذکرہ مصلح الامتؒ	مؤلف عفہ عنہ
کشاف اصطلاحات الفنون	حضرت مولانا قاضی محمد اعلٰی تھانویؒ
تذکرہ حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ	حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہیؒ
تذکرہ علماء بہار	حضرت مولانا ابوالکلام قاسمی شمستی پور بہار
مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط	مکرم خلیق انجم صاحبؒ
تذکرۃ الرشید	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ

گلستان خلد آباد (اورنگ زیب)	حضرت الحاج عبدالحئی صاحب خلد آباد
بزم تیموریہ	حضرت مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحبؒ
تاریخ ملت (سلاطین ہند)	حضرت مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی ومفتی انتظام اللہ اکبرآبادی
اورنگ زیب عالمگیر	حضرت شمس العلماء ذکاء اللہ صاحب دہلوی
ایک عالمی تاریخ	حضرت مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؒ
منتخب اللباب	جناب ہاشم علی خاں مترجم محمود احمد فاروقی صاحبؒ
مآثر الکرام	حضرت مولانا غلام علی بلگرامیؒ
دنیا میرے آگے	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی پاکستان
ماہنامہ اشرف الجرائد	جامعہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
تاریخ اسلام سوم	حضرت مولانا اکبر خاں شاہ نجیب آبادی